یعقوب علی عرفانی

فہرست مضامین سیرت مسیح موعودؑ

حصہ اوّل
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل
آپکی شکل ولباس وطعام اور مذاق طبیعت
صفحہ ۳ تا صفحہ ۶۴

اخوت و خُلت

صفحہ ۲۵۱ تا صفحہ ۲۹۲

غیرت دینی

بیماری اور تیمارداری

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل و عادات اور اخلاق کا تذکرہ

حصہ اوّل

جسکو خاکسار یعقوب علی تراب احمدی عرفانی ایڈیٹر الحکم و تادیب النساء
نے مرتب کیا اور

خواجہ پریس بٹالہ میں احمد دین جودی مالک مطبع و پرنٹر کے اہتمام سے چھپوا کر تراب منزل
قادیان سے شائع کیا
تاریخ اشاعت : ۱۲ / مئی ۱۹۲۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل

آپ کی شکل ولباس وطعام اور مذاق طبیعت کا تذکرہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت اور اخلاق کے بیان سے پیشتر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شمائل کا تذکرہ کیا جاوے اور شمائل میں آپ کی شکل و شباہت۔ لباس و طعام۔ مذاق طبیعت اور عادات داخل ہیں۔ اس مقصد کے لئے اگرچہ تصویر سے بھی کام لیا جاسکتا ہے مگر تصویر صرف شکل و صورت کو تو ظاہر کر سکتی ہے اور وہ بھی آخر تصویر ہے لیکن وہ دوسرے حالات پر روشنی نہیں ڈال سکتی۔

آپ کے حلیہ مبارک کو ایک مرتبہ میرے مکرم معظم بھائی ڈاکٹر سید محمد اسماعیل صاحب خلف اکبر حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ نے لکھا تھا۔ اور میں اسے آپ کے حلیہ کا بہترین بیان یقین کرتا ہوں اس لئے میں اسے ہی درج کرتا ہوں۔ کسی جگہ ضرورت محسوس ہوئی تو میں اس میں کمی بیشی بھی کردوں گا وہ بھی بطور نوٹ کے۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ باوجودیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمہ شفقت اور کامل کرم فرماتے تھے لیکن آپ کا چہرہ مبارک ایسا پر رعب اور پر شوکت تھا' تجلیات الٰہیہ کی ایک شان اس سے ہویدا تھی کہ کوئی شخص ٹکٹکی لگا کر آپ کی طرف نہ دیکھ سکتا تھا۔ دلبری اور رعنائی کے وہ لوازم جو ایک خوبصورت اور وجیہہ چہرہ پر نمایاں ہونے چاہئیں وہ کامل صفائی کے ساتھ درخشاں تھے۔ بہرحال اگرچہ آپ کے چہرہ کو

پورے طور پر کامل غور کے ساتھ دیکھنے کا اتفاق کم ہوتا تھا لیکن چونکہ شوق بار بار دیکھنے والے کی آنکھ کو اٹھا دیتا تھا اس لئے آپ کے حلیہ مبارک کو لکھنے والا نہ صرف اس وجہ سے بلکہ اس پاک رشتہ کی وجہ سے جو اس کو حضرت مسیح موعود کے ساتھ ہے یعنی آپ حضرت ام المومنین کے بھائی ہیں بہت موقعہ ملا ہے۔ پس میں اسے نہایت صحیح اور درست یقین کرتا ہوں دلائل اور قرائن کے لحاظ سے نہیں بلکہ میں خود چوبیس برس تک متواتر اس چہرہ مبارک کو دیکھتا رہا اس کا ایک گواہ ہوں۔ اور نہ اس سے بہتر بیان کر سکتا ہوں۔ لہٰذا انہیں کے الفاظ میں درج کرتا ہوں و باللہ التوفیق

حلیہ مبارک کو یاد رکھنا ضروری ہے

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حلیہ کو یاد رکھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسیح موعود علیہ السلام کے حلیہ کو خود بھی بیان فرمایا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے حلیہ کو حلیہ ماثور قرار دیا ہے۔ اور قصیدہ الہامیہ میں صاف فرمایا ہے ۔

"موعودم و بہ حلیۂ ماثور آمدم حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم
رنگم چو گندم است و بمو فرق بین است زاں ساں کہ آمد است در اخبار سرورم

این مقدم نہ جائے شکوک است و التباس
سید جدا کند ز مسیحائے احمرم"

اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حلیہ مبارک ایک ماثور حلیہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے چونکہ مہدی اور مسیح ایک شخص کی دو شانیں بیان فرمائی ہیں اور اس کی آمد اپنی آمد اور بعثت ثانی من وجہٍ قرار دی ہے اس لئے بھی بہت ضروری ہے کہ آپ کے حلیہ مبارک کو ہم یاد رکھیں کیونکہ یہ حلیہ مسیح ناصری علیہ السلام سے ممتاز اور جدا ہے۔ اور آپ کے

حلیہ کا مسیح ناصری علیہ السلام کے حلیہ سے الگ ہونا آپ کی صداقت کی ایک دلیل ہے اور یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ آنے والا مسیح موعود اسی امت سے ہوگا۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود نے اس دلیل کو پیش کیا ہے۔

مسیح موعود اور ابن مریم کے حلیہ میں فرق

"صحیح بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہلاتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ سرخ رنگ لکھا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر شامی لوگوں کا ہوتا ہے۔ ایسا ہی ان کے بال بھی خمدار لکھے ہیں مگر آنے والے مسیح کا رنگ ہر ایک حدیث میں گندم گوں لکھا ہے اور بال سیدھے لکھے ہیں اور تمام کتاب میں یہی التزام کیا ہے کہ جہاں کہیں حضرت عیسیٰ نبی علیہ السلام کے حلیہ لکھنے کا اتفاق ہوا ہے تو ضرور بالالتزام اس کو احمر یعنی سرخ رنگ لکھا ہے اور اس احمر کے لفظ کو کسی جگہ چھوڑا نہیں اور جہاں کہیں آنے والے مسیح کا حلیہ لکھنا پڑا ہے تو ہر ایک جگہ بالالتزام اس کو آدم یعنی گندم گوں لکھا ہے یعنی امام بخاری نے جو لفظ آنحضرت ﷺ کے لکھے ہیں جس میں ان دونوں مسیحوں کا ذکر ہے وہ ہمیشہ اس قاعدہ پر قائم رہے ہیں جو حضرت عیسیٰ بنی اسرائیلی کے لئے احمر کا لفظ اختیار کیا ہے اور آنے والے مسیح کی نسبت آدم یعنی گندم گوں کا لفظ اختیار کیا ہے۔ پس اس التزام سے جس کو کسی جگہ صحیح بخاری کی حدیثوں میں ترک نہیں کیا گیا۔ بجز اس کے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کے نزدیک عیسیٰ ابن مریم بنی اسرائیلی اور تھا اور آنے والا مسیح جو اسی امت میں سے ہوگا اور ہے ورنہ اس بات کا کیا جواب ہے کہ تفریق حلیتین کا پورا التزام کیوں کیا گیا۔ ہم اس بات کے ذمہ وار نہیں ہیں اگر کسی اور محدث نے اپنی ناواقفی کی وجہ سے احمر کی جگہ آدم اور آدم کی جگہ احمر لکھ دیا ہو مگر امام بخاری جو حافظ

حدیث اور اول درجہ کا نقاد ہے اس نے اس بارے میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس میں مسیح بنی اسرائیلی کو آدم لکھا گیا ہو یا آنے والے مسیح کو احمر لکھا گیا ہو بلکہ امام بخاری نے نقل حدیث کے وقت اس شرط کو عمداً لیا ہے اور برابر اول سے آخر تک اس کو ملحوظ رکھا ہے۔ پس جو حدیث امام بخاری کی شرط کے مخالف ہو وہ قبول کے لائق نہیں۔"

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۱۲۰، ۱۱۹)

"اس امر کے سمجھ لینے کے بعد کہ حضرت مسیح ابن مریم احمر اللون تھے۔ اور حضرت مسیح موعود گندم گوں جیسا کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔ اب میں آپ کا حلیہ مبارک بیان کرتا ہوں۔

" احمدی تو خدا کے فضل سے ہندوستان کے ہر گوشہ میں موجود ہیں بلکہ غیر ممالک میں بھی ہیں مگر ان میں احمد کے دیکھنے والے اور نہ دیکھنے والے احمدیوں میں بھی ایک فرق ہے دیکھنے والوں کے دل میں ایک سرور اور لذت اس کے دیدار اور صحبت کی اب تک باقی ہے نہ دیکھنے والے بارہا تاسّف کرتے پائے گئے کہ ہائے ہم نے جلدی کیوں نہ کی اور کیوں نہ اس محبوب کا اصلی چہرہ اس کی زندگی میں دیکھ لیا۔ تصویر اور اصل میں بہت فرق ہے اور وہ فرق بھی وہی جانتے ہیں جنہوں نے اصل کو دیکھا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حلیہ اور عادات پر کچھ تحریر کروں۔ شاید ہمارے وہ دوست جنہوں نے اس ذات بابرکات کو نہیں دیکھا حظ اٹھادیں۔

حلیہ مبارک

"بجائے اس کے کہ میں آپ کا حلیہ بیان کروں اور ہر چیز پر خود کوئی

نوٹ دوں یہ بہتر ہے کہ میں سرسری طور پر اس کا ذکر کرتا جاؤں اور نتیجہ پڑھنے والے کی اپنی رائے پر چھوڑ دوں۔

حلیہ مبارک کا خلاصہ

"آپ کے تمام حلیہ کا خلاصہ ایک فقرہ میں یہ ہو سکتا ہے کہ "آپ مردانہ حسن کا اعلیٰ نمونہ تھے" مگر یہ فقرہ بالکل نامکمل رہے گا اگر اس کے ساتھ دوسرا یہ نہ ہو کہ "یہ حسن انسانی ایک روحانی چمک دمک اور انوار اپنے ساتھ لئے ہوئے تھا" اور جس طرح آپ جمالی رنگ میں اس امت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آپ کا جمال بھی خدا کی قدرت کا نمونہ تھا۔ اور دیکھنے والے کے دل کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ آپ کے چہرہ پر نورانیت کے ساتھ رعونت' ہیبت اور استکبار نہ تھے بلکہ فروتنی خاکساری اور محبت کی آمیزش موجود تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ میں بیان کرتا ہوں کہ جب حضرت اقدس چولہ صاحب کو دیکھنے ڈیرہ باوا نانک تشریف لے گئے تو وہاں پہنچ کر ایک درخت کے نیچے سایہ میں کپڑا بچھا دیا گیا۔ اور سب لوگ بیٹھ گئے۔ آس پاس کے دیہات اور خاص شہر کے لوگوں نے حضرت صاحب کی آمد سن کر ملاقات اور مصافحہ کے لئے آنا شروع کیا۔ اور جو شخص آتا مولوی سید محمد احسن صاحب کی طرف آتا اور ان کو حضرت اقدس سمجھ کر مصافحہ کرکے بیٹھ جاتا۔ غرض کچھ دیر تک لوگوں پر یہ امر نہ کھلا جب تک خود مولوی صاحب موصوف نے اشارہ سے اور یہ کہہ کر لوگوں کو ادھر متوجہ نہ کیا۔ کہ "حضرت صاحب یہ ہیں" بعینہٖ ایسا واقعہ ہجرت کے وقت نبی کریم ﷺ کو مدینہ میں پیش آیا تھا۔ وہاں بھی لوگ حضرت ابو بکرؓ کو رسول خدا سمجھ کر مصافحہ کرتے رہے جب تک انہوں نے آپ پر اپنی چادر سے سایہ کرکے لوگوں کو ان کی غلطی سے آگاہ نہ کر دیا۔

جسم اور قد

"آپ کا جسم دبلا نہ تھا۔ نہ آپ بہت موٹے تھے۔ البتہ آپ دہرے جسم کے تھے۔ قد متوسط تھا۔ اگرچہ ناپا نہیں گیا مگر اندازاً پانچ فٹ آٹھ انچ کے قریب ہوگا۔ کندھے اور چھاتی کشادہ اور آخر عمر تک سیدھے رہے نہ کمر جھکی نہ کندھے تمام جسم کے اعضاء میں تناسب تھا۔ یہ نہیں کہ ہاتھ بے حد لمبے ہوں یا ٹانگیں یا پیٹ اندازہ سے زیادہ نکلا ہوا ہو۔ غرض کسی قسم کی بدصورتی آپ کے جسم میں نہ تھی۔ جلد آپ کی متوسط درجہ کی تھی نہ سخت کھردری اور نہ ایسی ملائم جیسی عورتوں کی ہوتی ہے۔ آپ کا جسم پلپلا اور نرم نہ تھا بلکہ مضبوط اور جوانی کی سی سختی لئے ہوئے۔ آخر عمر میں آپ کی کھال کہیں سے بھی نہ لٹکی نہ آپ کے جسم پر جھریاں پڑیں۔

آپ کا رنگ☆

"رنگم چو گندم است و بمو فرق بین است
زاں ساں کہ آمد است در اخبار سرورم

آپ کا رنگ گندمی اور نہایت اعلیٰ درجہ کا گندمی تھا۔ یعنی اس میں ایک نورانیت اور سرخی جھلک مارتی تھی اور یہ چمک جو آپ کے چہرہ کے ساتھ وابستہ تھی عارضی نہ تھی بلکہ دائمی۔ کبھی کسی صدمہ رنج

☆ یہ سچ ہے کہ آپ کا رنگ کبھی زرد نہ تھا نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے متعلق یہ فرمایا تھا کہ مسیح موعود دو زرد رنگ کی چادروں میں ملبوس ہوگا۔ اس لفظ کو ظاہری لباس پر حمل کرنا تو لغو خیال ہوگا۔ کیونکہ زرد رنگ کے پہننے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی لیکن اگر اس لفظ کو ایک کشفی استعارہ قرار دیکر معبرین کے مذاق اور تجارب کے موافق یہ معقول تعبیر ہوگی کہ حضرت اپنے ظہور کے وقت یعنی اس وقت جبکہ وہ مسیح ہونے کا دعویٰ کریں گے کسی قدر بیمار ہونگے اور حالت صحت اچھی نہیں رکھتے ہونگے کیونکہ کتب تعبیر کی رو سے زرد رنگ کی پوشاک پہننے کی یہی تاویل ہے حضرت مسیح موعود کو دو بیماریاں تھیں ایک دوران سر کی اور ایک کثرت پیشاب کی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اس علالت کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔
باوجود اس کے کہ یہ بیماریاں آپ کو لاحق تھیں مگر یہ امر واقعہ ہے کہ آپ کے چہرہ پر زردی کبھی نمایاں نہ ہوتی تھی بلکہ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کا رنگ گندم گوں فرمایا ہے وہ شان ہر وقت اس رنگ میں نمایاں اور آشکار رہتی تھی تاکہ اس نشان کی شہادت ملتی رہے اور لباس میں جو زرد رنگ کا اشارہ تھا وہ ہمیشہ ایک دائمی بیماری کی صورت میں ظاہر رہا۔ "عرفانی"

ابتلا مقدمات اور مصائب کے وقت. آپ کا رنگ زرد ہوتے نہیں دیکھا گیا اور ہمیشہ چہرہ مبارک کندن کی طرح دمکتا رہتا تھا۔ کسی مصیبت اور تکلیف نے اس چمک کو دور نہیں کیا علاوہ اس چمک اور نور کے آپ کے چہرہ پر ایک بشاشت اور تبسم ہمیشہ رہتا تھا اور دیکھنے والے کہتے تھے کہ اگر یہ شخص مفتری ہے اور دل میں اپنے تئیں جھوٹا جانتا ہے تو اس کے چہرہ پر یہ بشاشت اور خوشی اور فتح اور طمانیت قلب کے آثار کیونکر ہو سکتے ہیں۔ یہ نیک ظاہر کسی بد باطن کے ساتھ وابستہ نہیں رہ سکتا۔ اور ایمان کا نور بدکار کے چہرہ پر درخشندہ نہیں ہو سکتا۔ آتھم کی پیش گوئی کا آخری دن آگیا اور جماعت میں لوگوں کے چہرے پژمردہ ہیں اور دل سخت منقبض ہیں بعض لوگ ناواقفی کے باعث مخالفین سے اس کی موت پر شرطیں لگا چکے ہیں ہر طرف سے اداسی اور مایوسی کے آثار ظاہر ہیں لوگ نمازوں میں چیخ چیخ کر رو رہے ہیں کہ اے خداوند ہمیں رسوا مت کریو۔ غرض ایسا کہرام مچ رہا ہے کہ غیروں کے رنگ بھی فق ہو رہے ہیں مگر یہ خدا کا شیر گھر سے نکلتا ہے ہنستا ہوا اور جماعت کے سربر آوردوں کو مسجد میں بلاتا ہے مسکراتا ہوا۔ ادھر حاضرین کے دل بیٹھے جاتے ہیں ادھر وہ کہہ رہا ہے کہ لو پیش گوئی پوری ہو گئی "اِطَّلَعَ اللّٰہُ عَلٰی ھَمِّہٖ وَ غَمِّہٖ" مجھے الہام ہوا۔ اس نے حق کی طرف رجوع کیا۔ حق نے اس کی طرف رجوع کیا۔ کسی نے اس کی بات مانی نہ مانی اس نے اپنی سنا دی اور سننے والوں نے اس کے چہرہ کو دیکھ کر یقین کیا۔ کہ یہ سچا ہے۔ ہم کو غم کھا رہا ہے اور یہ بے فکر اور بے غم مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا ہے اس طرح کہ گویا حق تعالیٰ نے آتھم کے معاملہ کا فیصلہ اسی کے اپنے ہاتھ میں دے دیا۔ اور پھر اس نے آتھم کا رجوع اور بیقراری دیکھ کر خود اپنی طرف سے مہلت دے دی اور اب اس طرح سے خوش ہے جس طرح ایک دشمن کو مغلوب کر کے ایک

پہلوان پھر محض اپنی دریا دلی سے خود ہی اسے چھوڑ دیتا ہے۔ کہ جاؤ ہم تم پر رحم کرتے ہیں۔ ہم مرے کو مارنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔

"لیکھ رام کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ مخبروں نے فوراً اتہام لگانے شروع کئے۔ پولیس میں تلاشی کی درخواست کی گئی۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس یکایک تلاشی کے لئے آموجود ہوئے لوگ الگ کر دیئے گئے اندر کے باہر باہر کے اندر نہیں جا سکتے مخالفین کا یہ زور کہ ایک حرف بھی تحریر کا مشتبہ نکلے تو پکڑ لیں مگر آپ کا یہ عالم کہ وہی خوشی اور مسرت چہرہ پر ہے اور خود پولیس افسروں کو لے جا لے جا کر اپنے بستے اور کتابیں تحریریں اور خطوط اور کوٹھڑیاں دکھا رہے ہیں۔ کچھ خطوط انہوں نے مشکوک سمجھ کر اپنے قبضہ میں بھی کر لئے ہیں، مگر یہاں وہی چہرہ ہے اور وہی مسکراہٹ گویا نہ صرف بے گناہی بلکہ ایک فتح مبین ہے اور اتمام حجت کا موقعہ نزدیک آتا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے باہر جو لوگ بیٹھے ہیں ان کے چہروں کو دیکھو وہ ہر ایک کانسٹیبل کو باہر نکلتے اور اندر جاتے دیکھ دیکھ کر سہمے جاتے ہیں۔ ان کا رنگ فق ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ اندر تو وہ جس کی آبرو کا انہیں فکر ہے خود افسروں کو بلا بلا کر اپنے بستے اور اپنی تحریریں دکھلا رہا ہے اور اس کے چہرہ پر ایک مسکراہٹ ایسی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اب حقیقت پیش گوئی کی پورے طور سے کھلے گی اور میرا دامن ہر طرح کی آلایش اور سازش سے پاک ثابت ہو گا۔

"غرض یہی حالت تمام مقدمات' ابتلاؤں مصائب اور مباحثات میں رہی اور یہ وہ اطمینان قلب کا اعلیٰ اور اکمل نمونہ تھا جسے دیکھ کر بہت سی سعید روحیں ایمان لے آئی تھیں۔

آپ کے بال

"آپ کے سر کے بال نہایت باریک سیدھے چکنے چمک دار اور نرم تھے اور مہندی کے رنگ سے

رنگین رہتے تھے گھنے اور کثرت سے نہ تھے بلکہ کم کم اور نہایت ملائم تھے۔ گردن تک لمبے تھے۔ آپ نہ سر منڈواتے تھے۔ نہ خشخاش یا اس کے قریب کترواتے تھے بلکہ اتنے لمبے رکھتے تھے جیسے عام طور پر پٹے رکھے جاتے ہیں۔ سر میں تیل بھی ڈالتے تھے چنبیلی یا حنا وغیرہ کا۔ یہ عادت تھی کہ بال سوکھے نہ رکھتے تھے۔

ریش مبارک

"آپ کی داڑھی اچھی گھندار تھی بال مضبوط موٹے اور چمک دار سیدھے اور نرم حنا سے سرخ رنگے ہوئے تھے۔ داڑھی کو لمبا چھوڑ کر حجامت کے وقت فاضل آپ کتروا دیتے تھے۔ یعنی بے ترتیب اور ناہموار نہ رکھتے تھے بلکہ سیدھی نیچے کو اور برابر رکھتے تھے۔ داڑھی میں بھی ہمیشہ تیل لگایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک پھنسی گال پر ہو جانے کی وجہ سے وہاں سے کچھ بال پورے بھی کتروا دئے تھے اور وہ تبرک کے طور پر لوگوں کے پاس اب تک موجود ہیں۔ ریش مبارک تینوں طرف چہرہ کے تھی اور بہت خوبصورت۔ نہ اتنی کم کہ چھدری اور صرف ٹھوڑی پر ہو نہ اتنی کہ آنکھوں تک بال پہنچیں۔

وسمہ مہندی☆

"ابتداء ایام میں آپ وسمہ اور مہندی لگایا کرتے تھے۔ پھر دوران سر کے دورے بکثرت

☆ مکرمی ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب لکھتے ہیں کہ مہندی عموماً نائی سے لگواتے تھے ایک حد تک یہ درست ہے۔ مگر آپ حافظ حامد علی صاحب مرحوم سے بھی لگوایا کرتے تھے۔ بلکہ ابتداء" حامد علی ہی کثرت سے لگایا کرتے تھے اور کچھ ایسا اتفاق بھی ہو جاتا تھا کہ جب حافظ حامد علی صاحب نے مہندی لگائی تو کوئی نہ کوئی الہام ہوا ہے۔ حافظ حامد علی صاحب کو میں نے خود بھی مہندی لگاتے دیکھا ہے۔ ۱۹۰۵ء میں دہلی کے سفر سے جب واپس تشریف لائے تو بمقام امرتسر خان محمد شاہ مرحوم کے مکان کی بالائی منزل پر حافظ حامد علی صاحب نے مہندی لگائی۔ یہ واقعہ تو میرے دیکھنے کا ہے مگر اکثر حافظ صاحب سے لگوا لیتے تھے۔ اور اس کو بعض اوقات فرمایا بھی کہ جب تو مہندی لگاتا ہے تو الہام بھی ہوتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں تھا کہ الہام اس کے مہندی لگانے سے ہوتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوا کہ اس نے جس دن مہندی لگائی تو کوئی نہ کوئی الہام بھی ہوا۔

ہونے کی وجہ سے سر اور ریش مبارک پر آخر عمر تک مہندی ہی لگاتے رہے وسمہ ترک کر دیا تھا البتہ کچھ روز انگریزی وسمہ بھی استعمال فرمایا۔ مگر پھر ترک کر دیا۔ آخری دنوں میں میر حامد شاہ صاحب نے ایک وسمہ تیار کر کے پیش کیا تھا وہ لگاتے تھے اس سے ریش مبارک میں سیاہی آگئی تھی مگر اس کے علاوہ ہمیشہ برسوں مہندی پر ہی اکتفا کی جو اکثر جمعہ کے جمعہ یا بعض اوقات اور دنوں میں بھی آپ نائی سے لگوایا کرتے تھے۔ ریش مبارک کی طرح مونچھوں کے بال بھی مضبوط اور اچھے موٹے اور چمک دار تھے۔ آپ لبیں کترواتے تھے مگر نہ اتنی کہ جو وہابیوں کی طرح مونڈی ہوئی معلوم ہوں نہ اتنی لمبی کہ ہونٹ کے کنارے سے نیچی ہوں۔

"جسم پر آپ کے بال صرف سامنے کی طرف تھے پشت پر نہ تھے۔ اور بعض اوقات سینہ اور پیٹ کے بال آپ مونڈ دیا کرتے تھے۔ یا کتروا دیتے تھے۔ پنڈلیوں پر بہت کم بال تھے۔ اور جو تھے وہ نرم اور چھوٹے۔ اس طرح ہاتھوں کے بھی۔

چہرہ مبارک

"آپ کا چہرہ کتابی یعنی معتدل لمبا تھا۔ اور حالانکہ عمر شریف ستر اور اسی کے درمیان تھی پھر بھی جھریوں کا نام و نشان نہ تھا۔ اور نہ متفکر اور غصہ ور طبیعت والوں کی طرح پیشانی پر شکن کے نشانات نمایاں تھے۔ رنج۔ [1] ۔ تردد یا غم کے آثار چہرہ پر دیکھنے کی بجائے زیارت کنندہ اکثر تبسم اور خوشی کے آثار ہی دیکھتا تھا۔

چشم

"آپ کی آنکھوں کی سیاہی۔ سیاہی مائل شربتی رنگ کی تھی۔ اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں مگر پپوٹے اس وضع کے تھے کہ سوائے اس وقت کے جب آپ ان کو خاص طور پر کھولیں ہمیشہ قدرتی غض بصر کے رنگ میں رہتی تھیں بلکہ جب مخاطب ہو کر بھی کلام فرماتے تھے تو آنکھیں نیچی ہی رہتیں تھیں اسی طرح جب مردانہ مجالس میں بھی تشریف

لے جاتے تو بھی ہر وقت نظر نیچے ہی رہتی تھی گھر میں بھی بیٹھتے تو اکثر آپ کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ اس مکان میں اور کون کون بیٹھا ہے۔ اس جگہ یہ بات بھی بیان کے قابل ہے کہ آپ نے کبھی عینک نہیں لگائی اور آپ کی آنکھیں کام کرنے سے کبھی نہ تھکتی تھیں خدا تعالیٰ ☆ کا آپ کے ساتھ حفاظت عین کا ایک وعدہ تھا۔ جس کے ماتحت آپ کی چشمان مبارک آخر وقت تک بیماری اور تکان سے محفوظ رہیں۔ البتہ پہلی رات کا ہلال آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ ناک حضرت اقدس کی نہایت خوبصورت اور بلند بالا تھی پتلی، سیدھی، اونچی اور موزوں نہ پھیلی ہوئی تھی نہ موٹی۔ کان آنحضور کے متوسط یا متوسط سے ذرا بڑے نہ باہر کو بہت بڑھے ہوئے نہ بالکل سر کے ساتھ لگے ہوئے قلمی آم کی قاش کی طرح اوپر سے بڑے نیچے سے چھوٹے۔ قوت شنوائی آپ کی آخر وقت تک عمدہ اور خدا کے فضل سے برقرار رہی۔

"رخسار مبارک آپ کے نہ پچکے ہوئے اندر کو تھے نہ اتنے موٹے کہ بہت باہر کو نکل آویں نہ رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ بھنویں آپ کی الگ الگ تھیں پیوستہ ابرو نہ تھے۔

پیشانی اور سر مبارک

"پیشانی مبارک آپ کی سیدھی اور بلند چوڑی تھی اور نہایت درجہ کی فراست اور ذہانت آپ کے جبین سے ٹپکتی تھی۔ علم قیافہ کے مطابق ایسی پیشانی بہترین نمونہ اعلیٰ صفات اور اخلاق کا ہے یعنی جو سیدھی ہو نہ آگے کو نکلی ہوئی نہ پیچھے کو دھنسی ہوئی اور بلند ہو یعنی اونچی اور کشادہ ہو اور

☆ حضرت اقدس کو مرض ذیابیطس کی وجہ سے آنکھوں کا بہت اندیشہ تھا کیونکہ اس مرض کے غلبہ سے آنکھ کی بینائی کم ہو جاتی ہے اس اندیشہ کی وجہ سے دعا کی تو الہام ہوا نَزَلَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰى ثَلٰثٍ اَلْعَيْنِ وَعَلَى الْاُخْرَيَيْنِ یعنی رحمت تین اعضاء پر نازل ہوگی۔ ایک تو آنکھ اور دو اور عضو۔ چنانچہ یہ الہام آخر وقت تک پورا ہوتا رہا۔ (عرفانی)

جو چوڑی ہو بعض پیشانیاں گو اونچی ہوں۔ مگر چوڑان ماتھے کی تنگ ہوتی ہے۔ آپ میں یہ تینوں خوبیاں جمع تھیں۔ اور پھر یہ خوبی کہ چین جبین بہت کم پڑتی تھی۔ سر آپ کا بڑا تھا خوبصورت بڑا تھا اور علم قیافہ کی رو سے ہر سمت سے پورا تھا یعنی لمبا بھی تھا اور چوڑا بھی تھا اونچا بھی اور سطح اوپر کی اکثر حصہ ہموار اور پیچھے سے بھی گولائی درست تھی...... آپ کی کنپٹی کشادہ تھی اور آپ کی کمال عقل پر دلالت کرتی تھی۔

لب مبارک

"لب مبارک آپ کے پتلے نہ تھے مگر تاہم ایسے موٹے بھی نہ تھے کہ برے لگیں۔ دہانہ آپ کا متوسط تھا اور جب بات نہ کرتے ہوں تو منہ کھلا نہ رہتا تھا جیسے بعض آدمیوں کی عادت ہے بعض اوقات مجلس میں جب خاموش بیٹھے ہوں تو آپ عمامہ کے شملہ سے دہان مبارک ڈھک لیا کرتے تھے۔ دندان مبارک آپ کے آخر عمر میں کچھ خراب ہو گئے تھے یعنی کیڑا بعض داڑھوں کو لگ گیا تھا۔ جس سے کبھی کبھی تکلیف ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ داڑھ کا سرا ایسا نوک دار ہو گیا تھا کہ اس سے زبان میں زخم پڑ گیا تھا۔ تو ریتی کے ساتھ اس کو گھسوا کر برابر بھی کرایا تھا۔ مگر کبھی کوئی دانت نکلوایا نہیں۔ مسواک آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"پیر کی ایڑیاں آپ کی بعض دفعہ گرمیوں کے موسم میں پھٹ جایا کرتی تھیں۔ اگرچہ گرم کپڑے سردی گرمی برابر پہنتے تھے تاہم گرمیوں میں پسینہ بھی خوب آجاتا تھا۔ مگر آپ کے پسینہ میں کبھی بو نہیں آتی تھی خواہ کتنے ہی دن کے بعد کرتا بدلیں اور کیسا ہی موسم ہو۔

گردن مبارک

"گردن مبارک آپ کی متوسط لمبائی اور موٹائی میں تھی آپ اپنے مطاع نبی کریم ﷺ کی طرح ان کے اتباع میں ایک حد تک جسمانی زینت کا خیال ضرور رکھتے

تھے۔ غسل جمعہ۔ حجامت۔ حنا۔ مسواک۔ روغن اور خوشبو۔ کنگھی اور آئینہ کا استعمال برابر مسنون طریق سے آپ فرمایا کرتے تھے...... مگر ان باتوں میں انہماک آپ کی شان سے بہت دور تھا۔

لباس

"سب سے اول یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ آپ کو کسی قسم کے خاص لباس کا شوق نہ تھا۔ آخری ایام کے کچھ سالوں میں آپ کے پاس کپڑے سادے اور سلے سلائے بطور تحفہ کے بہت آتے تھے۔ خاص کر کوٹ صدری اور پائجامہ۔ قمیص وغیرہ جو اکثر شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری ہر عید بقر عید کے موقعہ پر اپنے ہمراہ نذر لاتے تھے وہی آپ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مگر علاوہ ان کے کبھی کبھی خود بھی بنوا لیا کرتے تھے۔ عمامہ تو اکثر خود ہی خرید کر باندھتے تھے۔ جس طرح کپڑے بنتے تھے اور استعمال ہوتے تھے اسی طرح ساتھ ساتھ خرچ بھی ہوتے جاتے تھے۔ یعنی ہر وقت تبرک مانگنے والے طلب کرتے رہتے تھے۔ بعض دفعہ تو یہ نوبت پہنچ جاتی کہ آپ ایک کپڑا بطور تبرک کے عطا فرماتے تو دوسرا بنوا کر اسی وقت پہننا پڑتا۔ اور بعض سمجھ دار اس طرح بھی کرتے تھے کہ مثلاً ایک کپڑا آپ بنوا کر بھیج دیا اور ساتھ عرض کر دیا کہ حضور ایک اپنا اترا ہوا تبرک مرحمت فرمادیں۔

"خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب آپ کے لباس کی ساخت سنئے۔ عموماً یہ کپڑے آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ کرتہ یا قمیص۔ پائجامہ۔ صدری۔ کوٹ۔ عمامہ۔ اس کے علاوہ رومال بھی ضرور رکھتے تھے اور جاڑوں میں جرابیں۔ آپ کے سب کپڑوں میں خصوصیت یہ تھی کہ وہ بہت کھلے کھلے ہوتے تھے۔ اور اگرچہ شیخ صاحب مذکور کے آوردہ کوٹ انگریزی طرز کے ہوتے مگر وہ بھی بہت کشادہ اور لمبے یعنی گھٹنوں سے نیچے ہوتے تھے اور جبے اور چوغہ بھی جو آپ پہنتے تھے تو وہ بھی ایسے لمبے کہ بعض تو ان میں

سے ٹخنے تک پہنچتے تھے اسی طرح کرتے اور صدریاں بھی کشادہ ہوتی تھیں۔

"بنیان آپ کبھی نہ پہنتے تھے بلکہ اس کی تنگی سے گھبراتے تھے گرم قمیص جو پہنتے تھے اس کا اکثر اوپر کا بٹن کھلا رکھتے تھے۔ اسی طرح صدری اور کوٹ کا اور قمیص کے کفوں میں اگر بٹن ہوں تو وہ بھی ہمیشہ کھلے رہتے تھے آپ کا طرز عمل "مَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ" کے ماتحت تھا۔ کہ کسی مصنوعی جکڑ بندی میں جو شرعاً غیر ضروری ہے پابند رہنا آپ کے مزاج کے خلاف تھا۔ اور نہ آپ کو کبھی پروا تھی کہ لباس عمدہ ہے یا برش کیا ہوا ہے یا بٹن سب درست لگے ہوئے ہیں یا نہیں۔ صرف لباس کی اصل غرض مطلوب تھی۔ .... آپ کی توجہ ہمہ تن اپنے مشن کی طرف تھی اور اصلاح امت میں اتنے محو تھے کہ اصلاح لباس کی طرف توجہ نہ تھی۔ آپ کا لباس آخر عمر میں چند سال سے بالکل گرم وضع کا ہی رہتا تھا یعنی کوٹ اور صدری اور پاجامہ گرمیوں میں بھی گرم رکھتے تھے۔ اور یہ علالت طبع کی وجہ سے تھا۔ سردی آپ کو موافق نہ تھی اس لئے اکثر گرم کپڑے رکھا کرتے تھے البتہ گرمیوں میں نیچے کرتہ ململ کا رہتا تھا۔ بجائے گرم کرتے کے۔ پاجامہ آپ کا معروف شرعی وضع کا ہوتا تھا۔ پہلے غرارہ یعنی ڈھیلا مردانہ پاجامہ بھی پہنا کرتے تھے مگر آخر عمر میں ترک کر دیا تھا۔ مگر گھر میں کبھی کبھی گرمیوں میں دن کو اور عادتاً رات کے وقت تہ بند باندھ کر خواب فرمایا کرتے تھے۔

"صدری گھر میں اکثر پہنے رہتے مگر کوٹ عموماً باہر جاتے وقت ہی پہنتے اور سردی کی زیادتی کے دنوں میں اوپر تلے دو دو کوٹ بھی پہنا کرتے بلکہ بعض اوقات پوستین بھی۔

"صدری کی جیب میں یا بعض اوقات کوٹ کی جیب میں آپؑ کا رومال

ہوتا تھا۔ آپ ہمیشہ بڑا رومال رکھتے تھے نہ کہ چھوٹا......... جو آج کل کا بہت مروج ہے اسی کے کونوں میں آپ مشک اور ایسی ہی ضروری ادویہ جو آپ کے استعمال میں رہتی تھیں اور ضروری خطوط [1] وغیرہ باندھ رکھتے تھے۔ اور اسی رومال میں نقد وغیرہ جو نذر لوگ مسجد میں پیش کر دیتے تھے باندھ لیا کرتے۔

"گھڑی بھی آپ ضرور اپنے پاس رکھا کرتے مگر اس کی کنجی دینے میں چونکہ اکثر ناغہ ہو جاتا تھا اس لئے اکثر وقت غلط ہی ہوتا تھا۔ اور چونکہ گھڑی جیب میں سے نکل پڑتی اس لئے آپ اسے بھی رومال میں باندھ لیا کرتے۔ گھڑی کو ضرورت کے لئے رکھتے نہ زیبائش کے لئے۔ آپ کو دیکھ کر کوئی شخص ایک لحہ کے لئے بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس شخص کی زندگی یا لباس میں کسی قسم کا بھی تصنع ہے یا یہ زیب و زینت دنیوی کا دلدادہ ہے۔ ہاں البتہ والرجز فاہجر کے ماتحت آپ صاف اور ستھری چیز ہمیشہ پسند فرماتے اور گندی اور میلی چیز سے سخت نفرت رکھتے یہاں تک کہ صفائی کا اس قدر اہتمام تھا کہ بعض اوقات آدمی موجود نہ ہو تو بیت الخلا میں خود فینائل ڈالتے تھے۔

"عمامہ [2] شریف آپ ململ کا باندھا کرتے تھے۔ اور اکثر دس گز یا کچھ اوپر لمبا ہوتا تھا۔ شملہ آپ لمبا چھوڑتے تھے اور کمر کے نیچے تک لمبا لٹکتا رہتا۔ کبھی کبھی شملہ کو آگے ڈال لیا کرتے اور کبھی اس کا پلہ دہن مبارک پر بھی رکھ لیتے جبکہ مجلس میں خاموشی ہوتی۔ عمامہ کے باندھنے کی آپ کی

---

[1] "اخبار عام چونکہ آپ پڑھا کرتے تھے وہ بھی اس میں کبھی کبھی باندھ لیتے"۔ (عرفانی)

[2] عمامہ میں نے کبھی رنگ دار نہیں دیکھا البتہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ ربہ نے اپنی سیرت المہدی میں چوہدری غلام محمد صاحب بی۔اے کی ایک روایت لکھی ہے کہ جب میں ۱۹۰۵ء میں قادیان آیا تو حضرت صاحب نے سبز پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ (ممکن ہے ان کو لنگی سے دھوکا ہوا ہو۔ اوائل میں آپ نے لمبی کلاہ بھی ٹوپی کی بجائے رکھی ہے) (عرفانی)

کی خاص وضع تھی۔ نوک تو ضرور سامنے ہوتی مگر سر پر ڈھیلا ڈھالا لپٹا ہوا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے اکثر رومی ٹوپی رکھتے تھے۔ اور گھر میں عمامہ اتار کر صرف یہ ٹوپی ہی پہنے رہا کرتے مگر نرم قسم کی دوہری جو سخت قسم کی نہ ہوتی۔

"جرابیں آپ سردیوں میں استعمال فرماتے اور ان پر مسح فرماتے۔ بعض اوقات زیادہ سردی میں دو دو جرابیں اوپر تلے چڑھا لیتے......... اگر جراب کہیں سے کچھ پھٹ جاتی تو بھی مسح جائز رکھتے بلکہ فرماتے تھے کہ رسول ﷺ کے اصحاب ایسے موزوں پر مسح کیا کرتے تھے جس میں سے ان کی انگلیوں کے پوٹے باہر نکلے رہا کرتے۔

"جوتی آپ کی دیسی ہوتی۔ خواہ کسی وضع کی ہو۔ پٹھواری۔ لاہوری۔ لودہانوی۔ سلیم شاہی۔ ہر وضع کی پہن لیتے۔ مگر ایسی جو کھلی کھلی ہو۔ انگریزی بوٹ کبھی نہیں پہنا۔ گرگابی حضرت صاحب کو پہنے میں نے نہیں دیکھا۔ جوتی اگر تنگ ہوتی تو اس کی ایڑی بٹھا لیتے مگر ایسی' جوتی کے ساتھ باہر تشریف نہیں لے جاتے تھے

"لباس کے ساتھ ایک چیز کا اور بھی ذکر کر دیتا ہوں وہ یہ کہ آپ عصا ضرور رکھتے تھے۔ گھر میں یا جب مسجد مبارک میں روزانہ نماز کو جانا ہوتا تب تو نہیں مگر مسجد اقصیٰ کو جاتے وقت یا جب باہر سیر وغیرہ کے لئے تشریف لاتے تو ضرور ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔ اور موٹی اور مضبوط لکڑی کو پسند فرماتے مگر کبھی اس پر سہارا یا بوجھ دے کر نہ چلتے تھے جیسے اکثر ضعیف العمر آدمیوں کی عادت ہوتی ہے۔

"موسم سرما میں ایک دھسہ لے کر آپ مسجد میں نماز کے لئے تشریف لایا کرتے تھے جو اکثر آپ کے کندھے پر پڑا ہوا ہوتا تھا۔ اور اسے اپنے آگے ڈال لیا کرتے تھے۔ جب تشریف رکھتے تو پھر پیروں پر ڈال لیتے......

" موسم گرما میں دن کو بھی اور رات کو تو اکثر کپڑے اتار دیتے اور صرف چادر یا لنگی باندھ لیتے۔ گرمی دانے بعض دفعہ بہت نکل آتے تو اس کی خاطر بھی کرتہ اتار دیا کرتے۔ تہ بند اکثر نصف ساق تک ہوتا تھا اور گھٹنوں سے اوپر ایسی حالتوں میں مجھے یاد نہیں کہ آپ برہنہ ہوئے ہوں۔

" آپ کے پاس کچھ کنجیاں بھی رہتی تھیں۔ یا تو رومال میں یا اکثر ازار بند میں باندھ کر رکھتے۔ روئی دار کوٹ پہننا آپ کی عادت میں داخل نہ تھا۔ نہ ایسی رضائی اوڑھ کر باہر تشریف لاتے بلکہ چادر پشمینہ کی یا دھسہ رکھا کرتے تھے اور وہ بھی سر پر کبھی نہیں اوڑھتے تھے بلکہ کندھوں اور گردن تک رہتی تھی۔ گلوبند اور دستانوں کی آپ کو عادت نہ تھی۔

" بستر ایسا ہوتا تھا۔ ایک لحاف جس میں پانچ چھ سیر روئی کم از کم ہوتی تھی۔ اور اچھا لمبا چوڑا ہوتا تھا۔ چادر بستر کے اوپر اور تکیہ اور توشک۔ توشک آپ گرمی جاڑے دونوں موسموں میں بہ سبب سردی کی ناموافقت کے بچھواتے تھے۔ تحریر وغیرہ کا سب کام پلنگ پر ہی اکثر فرمایا کرتے اور دوات قلم بستہ اور کتابیں یہ سب چیزیں پلنگ پر موجود رہا کرتی تھیں کیونکہ یہی جگہ میز کرسی اور لائبریری سب کا کام دیتی تھی۔ اور مَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ کا عملی نظارہ خوب واضح طور پر نظر آتا تھا۔

" ایک بات کا ذکر کرنا میں بھول گیا وہ یہ کہ آپ امیروں کی طرح ہر روز کپڑے نہ بدلا کرتے تھے بلکہ جب ان کی صفائی میں فرق آنے لگتا تب بدلتے تھے"۔

حاشیہ متعلق لباس۔ حضرت اقدس کے لباس میں ایک بات رہ گئی ہے کہ آپ جب باہر تشریف لے جایا کرتے تھے تو کمر بھی ضرور باندھا کرتے تھے اور یہ پٹکا عموماً ململ کا ہوتا تھا اور بہت بڑا ہوتا تھا۔ کئی گز کا خوب اچھی طرح سے باندھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو درد گردہ کی شکایت ہوئی تو آپ نے فلالین کا پٹکا باندھنا بھی شروع کردیا تھا۔

آپ کی عادت شریف میں یہ کبھی نہ تھا کہ باہر آئیں اور کوٹ پہن کر نہ آئیں ہاں گھر کے دروازہ تک (جب کبھی

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک حالات محبین کے لئے یادِ حبیب کا کام دیں گے۔ ہاں یہ باتیں گو کچھ لوگوں کو اس وقت فضول معلوم ہوں مگر آئندہ نسلیں اس زمانہ کی ہر بات اور ہر معلومات کو قدر کی نظر سے دیکھیں گی۔ پیٹ بھرے پر کھانے کا ذکر شاید اچھا نہ معلوم ہو مگر جب بھوکے آئیں گے تب ان کو دعوت کا سا لطف معلوم ہو گا۔

حضرت مسیح موعود کے الہامات میں کپڑوں کا ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کپڑوں کو خدا تعالیٰ نے ایک برکت کا ذریعہ قرار دیا ہے چنانچہ آپ کو اس کے متعلق الہام ہوا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"اور ایک الہام میں چند دفعہ تکرار اور کسی قدر اختلاف الفاظ کے ساتھ فرمایا کہ میں تجھے عزت دوں گا اور بڑھاؤں گا اور تیرے آثار میں برکت رکھ دوں گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

کسی نے آواز دی) جس حالت میں ہوتے تشریف لے آتے تھے اور وہ لباس عموماً یہی ہوتا تھا گرمیوں میں کرتہ۔ اس پر صدری اور سر پر رومی ٹوپی جو نرم بغیر پھندنے کے عموماً ہوتی تھی مگر یہ حالت آپ کی صرف گھر کے دروازہ تک محدود تھی۔ مسجد میں کبھی صرف ٹوپی پہن کر تشریف نہ لاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز) نے عید کے دن بھی ٹوپی پہنی ہوئی تھی تو فرمایا "میاں عید کے دن بھی ٹوپی" حضرت خلیفۃ المسیح ان ایام میں عام طور پر ٹوپی پہنا کرتے تھے مگر اس کے بعد آپ نے پگڑی کی طرف توجہ کی۔ بہرحال آپ مجرد ٹوپی پہن کر کبھی باہر نہ آتے تھے اور نہ پگڑی بدوں ٹوپی کے پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ پگڑی کو چین بھی لگی ہوئی دیکھی گئی تھی۔ وہ آپ کی کسی خواہش کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ کسی نے لگا ی تو ویسے ہی پہن لی۔ اگرچہ صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ کپڑوں کے متعلق آپ کو یہ خیال نہ ہوتا تھا جو بن سنور کر رہنے والے لوگوں میں ہوتا ہے بلکہ جیسا بھی ہوتا پہن لیتے۔ آتھم کے مباحثہ میں آپ نے سفید لٹھے کا ایک کوٹ پہنا ہوا تھا اور اسی کوٹ میں قریباً ایک بالشت کا سوراخ تھا یعنی وہ ایک طرف سے پھٹا ہوا تھا آخری دن تک آپ وہی کوٹ پہنے رہے اور ذرا بھی پروا نہیں کی اس لئے کہ آپ کے مزاج میں تکلف اور نمائش نہ تھی۔ (عرفانی)

"اب اے مولویو! اے بخل کی سرشت والو! اگر طاقت ہے تو خدا تعالیٰ کی ان پیش گوئیوں کو ٹال کر دکھلاؤ۔ ہریک قسم کے فریب کام میں لاؤ اور کوئی فریب اٹھا نہ رکھو پھر دیکھو کہ آخر خدا تعالیٰ کا ہاتھ غالب رہتا ہے یا تمہارا۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔"

(آسمانی فیصلہ روحانی خزائن جلد دوم صفحہ ۳۴۲)

خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو وہ بادشاہ دکھائے بھی ہیں اور آپ نے بارہا اس کا ذکر فرمایا تھا۔ بہر حال خدا تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی کہ بادشاہ آپ کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

الہام الٰہی کے ماتحت دو مرتبہ رومال گم ہو گیا

۱۸۸۷ء کا واقعہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ :-

"ایک دفعہ ہمیں موضع کنجراں ضلع گورداسپور کو جانے کا اتفاق ہوا اور شیخ حامد علی ساکن تھہ غلام نبی ہمارے ساتھ تھا۔ جب صبح کو ہم نے جانے کا قصد کیا تو الہام ہوا کہ اس سفر میں تمہارا اور تمہارے رفیق کا کچھ نقصان ہو گا چنانچہ راستہ میں شیخ حامد علی کی ایک چادر اور ہمارا ایک رومال گم ہو گیا۔ اس وقت حامد علی کے پاس وہی چادر تھی"۔

(نزول المسیح روحانی خزائن جلد نمبر ۱۸ صفحہ ۶۰۸-۶۰۷)

ایسا ہی ۱۸۸۸ء کا واقعہ آپ نے لکھا ہے کہ :-

"ایک دفعہ ہمیں لودہانہ سے پٹیالہ جانے کا اتفاق ہوا روانہ ہونے سے پہلے الہام ہوا۔ کہ "اس سفر میں کچھ نقصان ہو گا اور کچھ ہم و غم پیش آئے گا"۔ اس پیش گوئی کی خبر ہم نے اپنے ہمراہیوں کو دے دی چنانچہ جبکہ ہم پٹیالہ سے واپس آنے لگے تو عصر کا وقت تھا ایک جگہ ہم نے نماز پڑھنے کے لئے اپنا چوغہ اتار کر سید محمد حسن خان صاحب وزیر ریاست کے ایک نوکر کو دیا تاکہ وضو کریں۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو کر ٹکٹ لینے کے

لئے جیب میں ہاتھ ڈالا- تو معلوم ہوا کہ جس رومال میں روپے باندھے ہوئے تھے وہ رومال گر گیا ہے- تب ہمیں وہ الہام یاد آیا"-

(نزول المسیح - روحانی خزائن جلد نمبر۱۸ صفحہ ۶۰۹)

اعجاز نما کرتہ

حضرت مسیح موعود کے کپڑوں میں سے ایک اعجاز نما کرتہ ہے- جو مخدومی حضرت مولوی عبداللہ سنوری کے پاس ہے جو اس کرتہ پر اعجازی سرخ روشنائی کے قطرے پڑنے کے وقت خود موجود تھے چونکہ یہ ایک عظیم الشان نشان ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس کا تذکرہ اپنی تصنیفات میں کیا ہے اس لئے میں بھی تفصیل سے اس کو لکھ دینا چاہتا ہوں- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سرمہ چشم آریہ کے ایک حاشیہ میں اس کشف کو لکھا ہے :-

"یہ ایک سر ربوبیت ہے جو کلمات اللہ سے مخلوقات الٰہی پیدا ہو جاتی ہے اس کو اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہر یک شخص ذہن نشین کر سکتا ہے چاہے اس طرح سمجھ لے کہ مخلوقات کلمات الٰہی کے اظلال و آثار ہیں یا ایسا سمجھ سکتا ہے کہ خود کلمات الٰہی ہی ہیں جو بقدرت الٰہی مخلوقیت کے رنگ میں آجاتے ہیں کلام الٰہی کی عبارت ان دونوں معنی کے سمجھنے کے لئے وسیع ہے اور بعض مواضع قرآن کی ظاہری عبارت میں مخلوقات کا نام کلمات اللہ رکھا گیا ہے جو تجلیات ربوبیت سے بقدرت الٰہی لوازم و خواص جدیدہ حاصل کر کے حدوث کے کامل رنگ سے رنگین ہو گئے ہیں اور درحقیقت یہ ایک سران اسرار خالقیت میں سے ہے جو عقل کے چرخ پر چڑھا کر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتے اور عوام کے لئے سیدھا راہ سمجھنے کا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کرنا چاہا وہ ہو گیا اور سب کچھ اسی کا پیدا کردہ اور اسی کی مخلوق اور اسی کے دست قدرت سے نکلا ہوا ہے لیکن عارفوں پر کشفی طور سے بعد مجاہدات یہ کیفیت حدوث کھل جاتی ہے اور نظر کشفی میں کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ارواح و

اجسام کلمات اللہ ہی ہیں جو حکمت کاملہ الٰہی پیرایہ حدوث و مخلوقیت سے متلبس ہو گئے ہیں مگر اصل محکم جس پر قدم مارنا اور قائم رہنا ضروری ہے یہ ہے کہ ان کشفیات و معقولات سے قدر مشترک لیا جائے یعنی یہ کہ خدائے تعالیٰ ہریک چیز کا خالق اور محدث ہے اور کوئی چیز کیا ارواح اور کیا اجسام بغیر اس کے ظہور پذیر نہیں ہوئی۔ اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ کلام الٰہی کی عبارت اس جگہ درحقیقت ذوالوجوہ ہے اور جس قدر قطع اور یقین کے طور پر قرآن شریف ہدایت کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ہریک چیز خدائے تعالیٰ سے ظہور پذیر و وجود پذیر ہوئی ہے اور کوئی چیز بغیر اس کے پیدا نہیں ہوئی اور نہ خود بخود ہے۔ سو اس قدر اعتقاد ابتدائی حالت کے لئے کافی ہے پھر آگے معرفت کے میدانوں میں سیر کرنا جس کو نصیب ہو گا اس پر بعد مجاہدات خود وہ کیفیت کھل جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں گے ہم ان کو وہ اپنی خاص راہیں آپ دکھلاویں گے جو مجرد عقل اور قیاس سے سمجھ میں نہیں آسکتیں اور درحقیقت خدا تعالیٰ نے اپنے عجیب عالم کو تین حصہ پر منقسم کر رکھا ہے۔

(۱) عالم ظاہر جو آنکھوں اور کانوں اور دیگر حواس ظاہری کے ذریعہ اور آلات خارجی کے توسل سے محسوس ہو سکتا ہے۔

(۲) عالم باطن جو عقل اور قیاس کے ذریعے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۳) عالم باطن درباطن جو ایسا نازک اور لایدرک و فوق الخیالات عالم ہے۔ جو تھوڑے ہیں جو اس سے خبر رکھتے ہیں وہ عالم غیب محض ہے جس تک پہنچنے کے لئے عقلوں کو طاقت نہیں دی گئی مگر ظن محض۔ اور اس عالم پر کشف اور وحی اور الہام کے ذریعہ سے اطلاع ملتی ہے نہ اور

کسی ذریعہ سے۔ اور جیسی عادت اللہ بدیہی طور پر ثابت اور متحقق ہے کہ اس نے ان پہلے عالموں کے دریافت کرنے کے لئے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے انسان کو طرح طرح کے حواس و قوتیں عنایت کی ہیں اسی طرح اس تیسرے عالم کے دریافت کرنے کیلئے بھی اس فیاض مطلق نے انسان کے لئے ایک ذریعہ رکھا ہے اور وہ ذریعہ وحی اور الہام اور کشف ہے۔ جو کسی زمانہ میں بکلی بند اور موقوف نہیں رہ سکتا۔ بلکہ اس کے شرائط بجالانے والے ہمیشہ اس کو پاتے رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے۔ چونکہ انسان ترقیات غیر محدودہ کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور خدائے تعالیٰ بھی عیب بخل و امساک سے بکلی پاک ہے پس اس قوی دلیل سے ایسا خیال بڑا ناپاک خیال ہے۔ جو یہ سمجھا جائے جو خدائے تعالیٰ نے انسان کے دل میں تینوں عالموں کے اسرار معلوم کرنے کا شوق ڈال کر پھر تیسرے عالم کے وسائل وصول سے بکلی اس کو محروم رکھا ہے۔ پس یہ وہ دلیل ہے جس سے دانش مند لوگ دائمی طور پر الہام اور کشف کی ضرورت کو یقین کر لیتے ہیں اور آریوں کی طرح چار رشیوں پر الہام کو ختم نہیں کرتے جن کی مانند کوئی پانچواں اس کمال تک پہنچنا ان کی نظر عجیب میں ممکن ہی نہیں بلکہ عقل مند لوگ خدائے تعالیٰ کے فیاض مطلق ہونے پر ایمان لا کر الہامی دروازوں کو ہمیشہ کھلا سمجھتے ہیں اور کسی ولایت اور ملک سے اس کو مخصوص نہیں رکھتے ہاں اس صراط مستقیم سے مخصوص رکھتے ہیں جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے یہ برکات حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ہریک چیز کے حصول کے لئے یہ لازم پڑا ہوا ہے کہ انہیں قواعد اور طریقوں پر عمل کیا جائے جن کی پابندی سے وہ چیز مل سکتی ہے غرض عقل مند لوگ عالم کشف کے عجائبات سے انکار نہیں کرتے بلکہ انہیں ماننا پڑتا ہے کہ جس جواد مطلق نے عالم اول کے ادنیٰ ادنیٰ امور کے دریافت کرنے کے لئے انسان کو حواس و طاقتیں عنایت کی

ہیں وہ تیسرے عالم کے معظم اور عالی شان امور کے دریافت سے جس سے حقیقی اور کامل تعلق خدائے تعالیٰ سے پیدا ہوتا ہے اور سچی اور یقینی معرفت حاصل ہو کر اسی دنیا میں انوار نجات نمایاں ہو جاتے ہیں کیوں انسان کو محروم رکھتا۔ بیشک یہ طریق بھی دوسرے دونوں طریقوں کی طرح کھلا ہوا ہے اور صادق لوگ بڑے زور سے اس پر قدم مارتے ہیں اور اس کو پاتے ہیں اور اس کے ثمرات حاصل کرتے ہیں عجائبات اس عالم ثالث کے بے انتہا ہیں اور اس کے مقابل پر دوسرے عالم ایسے ہیں جیسے آفتاب کے مقابل پر ایک دانہ خشخاش۔ اس بات پر زور لگانا کہ اس عالم کے اسرار عقلی طاقت سے بکلی منکشف ہو جائیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک انسان آنکھوں کو بند کر کے مثلاً اس بات پر زور لگائے کہ وہ قابل روئت چیزوں کو قوت شامہ کے ذریعہ سے دیکھ لے بلکہ عجائبات عالم باطن در باطن سے عقل ایسی حیران ہے کہ کچھ دم نہیں مار سکتی کہ یہ کیا بھید ہے روحوں کی پیدائش پر انسان کیوں تعجب کرے اسی دنیا میں صاحب کشف پر ایسے ایسے اسرار ظاہر ہوتے ہیں کہ ان کی کنہ کو سمجھنے میں بکلی عقل عاجز رہ جاتی ہے بعض اوقات صاحب کشف صدہا کوسوں کے فاصلہ سے باوجود حائل ہونے بے شمار حجابوں کے ایک چیز کو صاف صاف دیکھ لیتا ہے بلکہ بعض اوقات عین بیداری میں باذنہ تعالیٰ اس کی آواز بھی سن لیتا ہے۔ اور اس سے زیادہ تر تعجب کی یہ بات ہے کہ بعض اوقات وہ شخص بھی اس کی آواز سن لیتا ہے جس کی صورت اس پر منکشف ہوئی ہے بعض اوقات صاحب کشف اپنے عالم کشف میں جو بیداری سے نہایت مشابہ ہے ارواح گزشتہ سے ملاقات کرتا ہے اور عام طور پر ملاقات ہر یک نیک بخت روح یا بد بخت روح کے کشف قبور کے طور پر ہو سکتی ہے چنانچہ خود اس میں مولف رسالہ ہذا صاحب تجربہ ہے اور یہ امر ہندوؤں کے مسئلہ

تناسخ کی بیخ کنی کرنے والا ہے اور سب سے تعجب کا یہ مقام ہے کہ بعض اوقات صاحب کشف اپنی توجہ اور قوت تاثیر سے ایک دوسرے شخص پر باوجود صدہا کوسوں کے فاصلہ کے باذنہٖ تعالیٰ عالم بیداری میں ظاہر ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا وجود عنصری اپنے مقام سے جنبش نہیں کرتا اور عقل کے زور سے ایک چیز کا دو جگہ ہونا محال ہے سو وہ محال اس عالم ثالث میں ممکن الوقوع ہو جاتا ہے اسی طرح صدہا عجائبات کو عارف بچشم خود دیکھتا ہے اور ان کور باطنوں کے انکار سے تعجب پر تعجب کرتا ہے جو اس عالم ثالث کے عجائبات سے قطعاً منکر ہیں۔ راقم رسالہ ہذا نے اس عالم ثالث کے عجائبات اور نادر مکاشفات کو قریب پانچ ہزار کے بچشم خود دیکھا اور اپنے ذاتی تجربہ سے مشاہدہ کیا اور اپنے نفس پر انہیں وارد ہوتے پایا ہے اگر ان سب کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بڑی بھاری کتاب تالیف ہو سکتی ہے ان سب عجائبات میں سے ایک بڑی عجیب بات یہ ثابت ہوئی ہے کہ بعض کشفی امور جن کا خارج میں نام و نشان نہیں محض قدرت غیبی سے وجود خارجی پکڑ لیتے ہیں اگرچہ صاحب فتوحات و فصوص و دیگر اکثر اکابر متصوفین نے اس بارہ میں بہت سے اپنے خود گذشت قصے اپنی تالیفات میں لکھے ہیں لیکن چونکہ دید و شنید میں فرق ہے اس لئے مجرد ان قصوں کی سماعت سے ہم کو وہ کیفیت یقینی حاصل نہیں ہو سکتی تھی جو اپنے ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہوئی ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ میں نے عالم کشف میں دیکھا کہ بعض احکام قضاو قدر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایسا ہوگا اور پھر اس کو دستخط کرانے کے لئے خداوند قادر مطلق جلشانہ کے سامنے پیش کیا ہے (اور یاد رکھنا چاہئے کہ مکاشفات اور رویا صالحہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض صفات جمالیہ یا جلالیہ الہیہ انسان کی شکل پر متمثل ہو کر صاحب کشف کو نظر آجاتے ہیں اور مجازی طور پر وہ یہی

خیال کرتا ہے کہ وہی خداوند قادر مطلق ہے اور یہ امر ارباب کشوف میں شائع و متعارف و معلوم الحقیقت ہے جس سے کوئی صاحب کشف انکار نہیں کر سکتا) غرض وہی صفت جمالی جو بعالم کشف قوت متخیلہ کے آگے ایسی دکھلائی دی تھی جو خداوند قادر مطلق ہے اس ذات بیچوں و بے چگوں کے آگے وہ کتاب قضاو قدر پیش کی گئی اور اس نے جو ایک حاکم کی شکل پر متمثل تھا اپنے قلم کو سرخی کی دوات میں ڈبو کر اول اس سرخی کو اس عاجز کیطرف چھڑکا اور بقیہ سرخی کا قلم کے منہ میں رہ گیا اس سے اس کتاب پر دستخط کر دیئے۔ اور ساتھ ہی وہ حالت کشفیہ دور ہو گئی اور آنکھ کھول جب خارج میں دیکھا تو کئی قطرات سرخی کے تازہ بتازہ کپڑوں پر پڑے چنانچہ ایک صاحب عبداللہ نام جو سنور ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے اور اس وقت اس عاجز کے نزدیک ہو کر بیٹھے ہوئے تھے دو یا تین قطرہ سرخی کے ان کی ٹوپی پر پڑے۔ پس وہ سرخی جو ایک امر کشفی تھا وجود خارجی پکڑ کر نظر آگئی اسی طرح اور کئی مکاشفات میں جن کا لکھنا موجب تطویل ہے۔ مشاہدہ کیا گیا ہے اور اپنے ذاتی تجارب سے ثابت ہو گیا جو بلاشبہ امور کشفیہ کبھی کبھی باذنہ تعالیٰ وجود خارجی پکڑتے ہیں یہ امور عقل کے ذریعہ سے ہرگز ذہن نشین نہیں ہو سکتے بلکہ جو شخص عقل کے گھمنڈ اور غرور میں پھنسا ہوا ہے وہ ایسی باتوں کو سنتا ہے نہایت تکبر سے کہے گا کہ یہ سراسر امر محال اور خیال باطل ہے اور ایسا کہنے والا یا تو دروغ گو ہے یا دیوانہ یا اس کو سادہ لوحی کی وجہ سے دھوکہ لگا ہے اور بباعث نقصان تحقیق بات کی تہ تک پہنچنے سے محروم رہ گیا ہے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ان عقل مندوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ وہ امور جن کی صداقت پر ہزارہا عارف و راستباز اپنے ذاتی تجارب سے شہادتیں دے گئے ہیں اور اب بھی دیتے ہیں اور صحبت گزین پر ثابت کر دینے کے لئے

بفضلہ تعالیٰ اپنی ذمہ داری لیتے ہیں کیا وہ ایسے خفیف امور ہیں جو صرف منکرانہ زبان ہلانے سے باطل ہو سکتے ہیں اور حق بات تو یہ ہے کہ عالم کشف کے عجائبات تو ایک طرف رہے جو عالم عقل ہے یعنی جس عالم تک عقل کی رسائی ہونا ممکن ہے اس عالم کا بھی ابھی تک عقل نے تصفیہ نہیں کیا اور لاکھوں اسرار الٰہی پردہ غیب میں دبے پڑے ہیں جن کی عقل مندوں کو ہوا تک نہیں پہنچی ایک فصلی مکھی جو پلید اور ناپاک زخموں پر بیٹھتی ہے اور اکثر گدھے یا بیل وغیرہ جو زخمی اور مجروح ہوں ان کو ستاتی ہے اس کے اس عجیب خاصہ پر کوئی فلسفی دلیل عقلی نہیں بتلا سکتا کہ وہ اکثر برسات میں تکوّن کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی اولاد صرف کیڑے ہوتے ہیں کہ جو ایک ایک سیکنڈ میں دس دس بیس بیس تیس تیس اس کے اندر سے نکلتے جاتے ہیں کیا یہ عقل کے برخلاف ہے یا نہیں؟ کہ مادہ اور نر دونوں نوع واحد میں داخل ہوں اور ان کے بچے ایسے ہوں کہ اس نوع سے بکلی خارج ہوں ایسا ہی اگر چھپکلی کو (جس کو پنجاب میں کرلی کہتے ہیں) درمیان میں سے کاٹا جائے تو اس کا نیچے اور اوپر کا دھڑ دونوں الگ الگ تڑپتے ہیں اور مضطربانہ حرکت کرتے ہیں اگر بقول پنڈت دیانند صاحب روح بھی جسم کی قسم ہے تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو گیا ہو اور اگر روح کو جسم اور جسمانی ہونے سے منزہ خیال کریں اور اس کا تعلق جسم سے ایسا ہی مجہول الکیفیت و برتر از عقل و فہم خیال کریں جیسے روح کا حدوث برتر از عقل و فہم ہے تو پھر البتہ کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا ہاں پنڈت دیانند کا مذہب جڑھ سے اکھڑتا ہے۔ اسی طرح عقل مندوں کی عقل ناقص کے تراش و خراش پر بہت اعتراض اٹھتے ہیں اور ان کو آخر کار نہایت شرمساری سے منہ کے بل گرنا پڑتا ہے اور پھر انجام کار بہت خوار اور ذلیل ہو کر اسی بات کا اقرار کرتے ہیں کہ

خدائے تعالیٰ کی بے انتہا عجیب و غریب قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کا کام نہیں

ہرچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از کمال رسوائی"

(سرمہ چشمہ آریہ - روحانی خزائن جلد نمبر۲ صفحہ ۱۷۳-۱۸۲ حاشیہ)

اعجاز نما کرتہ کے متعلق ثناء اللہ امرتسری پر اتمام حجت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ کرتہ اب تک مولوی عبداللہ صاحب سنوری کے پاس موجود ہے اور اس پر اس سرخی کے نشان اب تک قائم ہیں۔ اس کشف کے متعلق منکر امرتسری نے اہل حدیث ۷ جولائی ۱۹۱۶ء میں اعتراض کیا۔ اس اعتراض کا جواب الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۱۶ء میں شائع کر دیا گیا۔ اس جواب کے دیتے ہوئے ایڈیٹر صاحب الفضل نے ثناء اللہ امرتسری کو چیلنج کیا کہ اگر وہ "اس کو فرضی اور محض افترا یقین کرتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اہل حدیث میں اپنے یقین کے ثبوت میں حلف بِلَعْنَتِ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ شائع کر دیں خدا تعالیٰ خود ہی جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر دے گا۔ ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ وہ دل سے اس واقعہ کی صداقت کے قائل ہیں اور بظاہر ایک منافقانہ طرز اختیار کی ہوئی ہے"۔

اس پر باوقات مختلف الفضل اور اہل حدیث میں مختصر نوٹ نکلے۔ مگر مولوی عبداللہ صاحب سنوری نے الفضل کے نوٹ کو پڑھ کر اپنی شہادت لکھ کر ایڈیٹر صاحب الفضل کو بھیج دی۔ جو انہوں نے ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء کے الفضل میں شائع کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرمایا کہ "حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے حکم کے ماتحت اس کشف کے متعلق ثناء اللہ کے روبرو مجمع عام میں جس جگہ ثناء اللہ چاہے اور جن الفاظ میں چاہے یہ عاجز قسم کھانے کو تیار ہے نیز یہ عاجز مباہلہ کے لئے بھی حاضر ہے غرضیکہ وہ جس طرح بھی چاہے اطمینان کر لے"۔

مولوی عبداللہ صاحب سنوری

مولوی عبداللہ صاحب سنوری کی شہادت

نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اس شہادت کو ادا کیا ہے:

"الفضل ۲۷ جولائی میں حضرت اقدس نبی اللہ کے مشہور کشف پر بدبخت ثناء اللہ کا حملہ دیکھ کر دل بیتاب ہوگیا۔ چونکہ حضرت اقدس اس دار فانی میں موجود نہیں لیکن جس کے روبرو یہ واقعہ ظہور میں آیا ہے۔ یہ عاجز تاحال زندہ موجود ہے اس واسطے ضروری سمجھا کہ اس شہادت کو ادا کردوں۔

"چونکہ یہ واقعہ اس عاجز کی آنکھوں کے سامنے کا ہے گو بہت عرصہ کا ہے مگر بخوبی من وعن یاد ہے۔ ۱۸۸۲ء یا ۱۸۸۳ء سے یہ عاجز حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے کا شرف رکھتا ہے ۱۸۸۴ء یا ۱۸۸۵ء کا یہ واقعہ ہے۔ کیونکہ اس کشف کو حضرت اقدس نے اول سرمہ چشم آریہ میں درج فرمایا ہے اور یہ رسالہ ہوشیارپور کے ایک آریہ کے ساتھ مباحثہ ہے اور ہوشیارپور حضرت اقدس ۱۸۸۶ء میں باذن الٰہی دو ماہ قیام پذیر رہے تھے۔ اس دو ماہ کے اخراجات روزانہ خوردونوش اس عاجز کے پاس ایک پاکٹ بک میں جو حضرت اقدس کا ہی عطیہ ہے معہ تاریخ و ماہ و سال درج ہیں جو ۱۸۸۶ء ہے۔ اوائل میں یہ عاجز کئی کئی ماہ حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں رہا کرتا تھا اور خصوصاً ماہ رمضان میں تو ضرور ہی حاضر خدمت رہتا تھا۔ ۱۸۸۴ء یا ۱۸۸۵ء کے رمضان المبارک میں بھی یہ عاجز حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر تھا۔ انہی ایام میں حضور علیہ السلام مسجد مبارک کے مشرقی حجرہ میں قیام فرمایا کرتے تھے اس مکان میں جو کہ غسل خانہ کے طور کا غسل وغیرہ کے واسطے بنوایا تھا نیا پلستر کرایا گیا تھا اور یہ ٹھنڈا تھا اس میں نشست فرمایا کرتے تھے۔ اور اسی میں تحریر

وغیرہ کا کام بھی کیا کرتے تھے۔

"اس وقت اس حجرہ یعنی غسل خانہ کی یہ شکل نہ تھی جو اب ہے۔ اس کا دروازہ مسجد مبارک کے زینہ میں تھا اور مسجد مبارک کی طرف ایک روشن دان تھا اور ایک دریچہ گول کمرہ کی چھت کے اوپر اور ایک چھوٹا دریچہ گول کمرہ کی چھت کے نیچے تھا۔ ان ہی ایام میں حضرت اقدس صبح کی نماز اول وقت پڑھ کر تھوڑی دیر اس حجرہ میں لیٹ جایا کرتے تھے۔ اس میں ایک چھوٹی سی چارپائی سن کے بان کی بچھی رہتی تھی۔ اور اس کے برابر ایک چھوٹی چوکی ہوتی تھی جس پر کاغذ قلم دوات رکھی رہتی تھی۔ انگریزی قلم و سیاہی اس وقت حضور استعمال نہیں فرمایا کرتے تھے۔ ایک مٹی کی دوات میں دیسی سیاہی اور قلم ہوتی تھی۔ جو اس چوکی پر رکھی رہتی تھی۔

"دوسری شادی مبارک چونکہ حضور کی ابھی نہیں ہوئی تھی اس واسطے حضور عالی دن کو مسجد مبارک کے حجرہ میں اور رات کو مسجد مبارک کی چھت پر مقام فرمایا کرتے تھے اور یہ عاجز بھی اسی جگہ روز و شب رہا کرتا تھا ان ہی ایام میں حضرت اقدس اذان بھی خود ہی دیا کرتے تھے اور جماعت بھی آپ ہی کرایا کرتے تھے صرف دو تین مقتدی ہوا کرتے تھے۔ ایک یہ عاجز اور ایک حافظ حامد علی صاحب اور ایک آدھ کوئی اور۔ مہمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بہت ہی کم تھا وہ بھی صرف گرد و نواح کے۔ اسی قسم کی پیاری پیاری اور ایمان بڑھانے والی باتیں تو بہت ہیں جنہیں چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا مگر طوالت مضمون سے ڈر کر اصل مدعا عرض کرتا ہوں۔

"رمضان شریف میں یہ عاجز حاضر خدمت سراپا برکت تھا۔ کہ آخری عشرہ میں ۲۷ تاریخ کو جمعہ تھا اس جمعہ کی صبح کی نماز پڑھ کر حضرت اقدس

حسب معمول حجرہ مذکور میں جاکر چارپائی پر لیٹ گئے اور یہ عاجز پاس بیٹھ کر حسب معمول پاؤں مبارک دبانے لگ گیا۔ حتیٰ کہ آفتاب نکل آیا اور حجرہ میں بھی روشنی ہو گئی۔ حضرت اقدس اس وقت کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے اور منہ مبارک پر اپنا ہاتھ کہنی کی جگہ سے رکھا ہوا تھا۔ میرے دل میں اس وقت بڑے سرور اور ذوق سے یہ خیالات موجزن تھے کہ :

"میں کیا خوش نصیب ہوں۔ کیا ہی عمدہ موقعہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے کہ مہینوں میں مہینہ مبارک رمضان شریف کا ہے اور تاریخ بھی جو ۲۷ ہے مبارک ہے اور عشرہ بھی مبارک ہے اور دن بھی جمعہ ہے۔ جو نہایت مبارک ہے۔ اور جس شخص کے پاس بیٹھا ہوں وہ بھی نہایت مبارک ہے۔ اللہ اکبر کس قدر برکتیں آج میرے لئے جمع ہیں۔ اگر خداوند کریم اس وقت کوئی نشان حضرت اقدس کا مجھے دکھلا دے تو کیا بعید ہے۔ میں اسی سرور میں تھا اور پاؤں ٹخنہ کے قریب سے دبا رہا تھا۔ کہ یکایک حضرت اقدس کے بدن مبارک پر لرزہ سا محسوس ہوا۔ اس لرزہ کے ساتھ ہی حضور نے اپنا ہاتھ مبارک منہ پر سے اٹھا کر میری طرف دیکھا اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ شاید جاری بھی تھے۔ اور پھر اسی طرح منہ پر ہاتھ رکھ کر لیٹے رہے۔ جب میری نظر ٹخنہ پر پڑی تو اس پر ایک قطرہ سرخی کا جو پھیلا ہوا نہیں بلکہ بستہ تھا مجھے دکھلائی دیا۔ میں نے اپنی شہادت کی انگلی کا پھول اس قطرہ پر رکھا۔ تو وہ پھیل گیا۔ اور سرخی میری انگلی کو بھی لگ گئی۔ اس وقت میں حیران ہوا۔ اور میرے دل میں یہ آیت گزری "صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً" نیز یہ بھی دل میں گزرا کہ اگر یہ اللہ کا رنگ ہے تو اس میں شاید خوشبو بھی ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی انگلی سونگھی مگر خوشبو وغیرہ کچھ نہ تھی۔ پھر میں ٹخنہ کی طرف سے کمر کی طرف دبانے لگا تو حضرت اقدس کے کرتہ پر بھی چند

داغ سرخی کے گیلے گیلے دیکھے مجھ کو نہایت تعجب ہوا اور میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور حجرہ کی ہر جگہ کو اچھی طرح دیکھا مگر مجھے سرخی کا کوئی نشان حجرہ کے اندر نہ ملا۔ آخر حیران سا ہو کر بیٹھ گیا اور بدستور پاؤں دبانے لگ گیا حضرت صاحب منہ پر ہاتھ رکھے لیٹے رہے تھوڑی دیر کے بعد حضور اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر مسجد مبارک میں آکر بیٹھ گئے یہ عاجز بدستور پھر کمر وغیرہ دبانے لگ گیا۔ اس وقت میں نے حضور سے عرض کی۔ کہ حضور پر یہ سرخی کہاں سے گری۔ پہلے تو ٹال دیا پھر اس عاجز کے اصرار پر وہ سارا واقعہ بیان فرمایا۔ جس کو حضرت اقدس تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج فرما چکے ہیں مگر بیان کرنے سے پہلے اس عاجز کو رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ اور کشفی امور کا خارج میں وجود پکڑنا حضرت محی الدین عربی کے واقعات سنا کر خوب اچھی طرح سے ذہن نشین کرا دیا تھا کہ اس جہان میں کاملین کو بعض صفات الہیہ جمالی یا جلالی متمثل ہو کر دکھلائی دی جاتی ہیں۔ پھر حضرت اقدس نے مجھے فرمایا کہ آپ کے کپڑوں پر بھی کوئی قطرہ گرا۔ میں نے اپنے کپڑے ادھر ادھر سے دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت میرے پر تو کوئی قطرہ نہیں ہے فرمایا۔ اپنی ٹوپی پر (جو سفید ململ کی تھی) دیکھو۔ میں نے ٹوپی اتار کر دیکھی تو ایک قطرہ اس پر بھی تھا مجھے اس وقت بہت ہی خوشی ہوئی۔ کہ میرے پر بھی ایک قطرہ خدا کی روشنائی کا گرا۔ اس عاجز نے وہ کرتہ جس پر سرخی گری تھی تبرکاً حضرت اقدس سے باصرار تمام لے لیا۔ اس عہد پر کہ میں وصیت کر جاؤں گا کہ میرے کفن کے ساتھ دفن کر دیا جاوے۔ کیونکہ حضرت اقدس اس وجہ سے اسے دینے سے انکار کرتے تھے کہ میرے اور آپ کے بعد اس سے شرک پھیلے گا۔ اور لوگ اس کو زیارت گاہ بنالیں گے۔ اور اس کی پوجا شروع ہو جائے گی۔ غرضیکہ بہت ہی ردو قدح کے بعد دیا۔ جو میرے پاس اس وقت تک موجود ہے۔ اور

سرخی کے نشان اس وقت تک بلا کم و کاست بعینہٖ موجود ہیں۔ یہ ہے سچی عینی شہادت۔ اگر میں نے جھوٹ بولا ہو تو لعنت اللّٰہ علَی الکاذِبین کی وعید کافی ہے۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اور اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے سراسر سچ ہے۔ اگر جھوٹ ہو تو مجھ پر خدا کی لعنت! لعنت!! لعنت!!! مجھ پر خدا کا غضب! غضب!! غضب!!!"

عاجز عبداللہ سنوری

اس شہادت کی اشاعت پر پھر اہل حدیث کو چیلنج کیا گیا اور اس نے لکھا کہ ہمارے محلہ کی مسجد میں آکر قسم کھائیں چنانچہ اس مقصد کے لئے ۲۵ نومبر ۱۹۱۶ء کو منشی غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل۔ میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق اور مولوی عبداللہ صاحب سنوری امرتسر پہنچے اور ثناء اللہ صاحب سے خط و کتابت ہوئی۔ جب خط و کتابت سے معاملہ طے ہوتا نظر نہ آیا۔ تو یہ جماعت ۲۷ نومبر ۱۹۱۶ء کی صبح کو مولوی ثناء اللہ صاحب کی مسجد میں پہنچی۔ ثناء اللہ صاحب نے اس پیالہ کو ٹالنے کی ہر چند کوشش کی مگر مولوی عبداللہ صاحب سنوری نے آخر اس کو مجبور کیا کہ وہ قسم کھلوائے۔ یہ تمام کیفیت ایڈیٹر صاحب الفضل نے ۹ دسمبر ۱۹۱۶ء کے اخبار میں اور شاید علیحدہ بھی چھاپ دی ہے۔ میں اس میں سے صرف حلف اٹھانے کا نظارہ درج کرتا ہوں۔

حلف اٹھانے کا نظارہ

اس کے بعد میاں عبداللہ صاحب نے اپنا وہی بیان پڑھ کر سنایا جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں۔ اور ایسے دردناک اور موثر لہجہ میں سنایا کہ مولوی ثناء اللہ کے حاشیہ نشینوں کے چہرے بھی قبولیت اثر کی شہادت دے رہے تھے۔ اور جب میاں عبداللہ صاحب نے اپنے تمام بیان کو پڑھ کر نہایت رقت آمیز لہجہ میں بایں الفاظ حلف اٹھائی کہ :

"یہ ہے سچی عینی شہادت! اگر میں نے جھوٹ بولا ہو تو لعنت اللّٰہ علَی الکاذِبین کی وعید کافی ہے۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اور اسی

کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے سراسر سچ ہے۔ اگر جھوٹ ہو تو مجھ پر خدا کی لعنت! لعنت!! لعنت!!! مجھ پر خدا کا غضب! غضب!! غضب!!!"

تو سامعین کانپ اٹھے۔ اور جس کسی کے دل میں ایک ذرہ بھی خوف خدا تھا اس کا بشرہ بتا رہا تھا کہ اس پر خاص اثر ہوا ہے اور پھر جب میاں عبداللہ صاحب نے یہ کہا کہ میں نے یہ حلف تو اٹھالی ہے لیکن اگر مولوی صاحب کے نزدیک یہ کافی نہ ہو تو وہ خود جن الفاظ میں چاہیں مجھ سے قسم کھلالیں میں اپنی اولاد۔ اپنے مال اور اپنی جان۔ غرضیکہ ہر چیز کی قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔ اس وقت اپنے سامنے مولوی صاحب جس طرح چاہیں اپنی تسلی کرلیں۔ میں نے اس سرخی کے نشان کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ٹخنے پر پڑا تھا۔ اپنی شہادت کی انگلی لگا کر دیکھا تھا۔ اس سے میری انگلی کو بھی سرخی لگ گئی تھی۔ اگر میں یہ جھوٹ کہتا ہوں تو میری انگلی کیا میرے جسم کا ذرہ ذرہ جہنم میں ڈالا جائے۔ اور سب سے بڑا جو عذاب ہے وہ مجھ پر نازل کیا جائے"۔

اس طرح پر اس اعجاز نما کرتہ کے ذریعہ ثناء اللہ امرتسری پر اتمام حجت ہوئی۔ یہ کرتہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اب تک موجود ہے اور مولوی عبداللہ صاحب سنوری کے پاس ہے جو ان کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان سے یہی وعدہ لیکر یہ کرتہ عطا فرمایا تھا۔

انگشتری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور آپ نے تین قسم کی انگوٹھیاں تیار کرائی تھیں۔ ایک پر اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کھدا ہوا تھا۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے۔ دوسری انگوٹھی پر الہام غَرَسْتُ لَکَ بِیَدِیْ رَحْمَتِیْ وَ قُدْرَتِیْ الخ درج تھا اور تیسری پر مولیٰ بس یہ حضرت صاحب کا الہام نہیں بلکہ یہ ایک خاص رویا سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ میں

آگے چل کر انشاء اللہ اس کے متعلق بیان کروں گا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اس انگوٹھی کے متعلق لکھا ہے کہ :-

"تیسری وہ جو آخری سالوں میں تیار ہوئی اور جو وفات کے وقت آپ کے ہاتھ میں تھی یہ انگوٹھی آپ نے خود تیار نہیں کروائی بلکہ کسی نے آپ سے عرض کیا کہ میں حضور کے واسطے ایک انگوٹھی تیار کرانا چاہتا ہوں اس پر کیا لکھواؤں حضور نے جواب دیا "مولیٰ بس" چنانچہ اس شخص نے یہ الفاظ لکھوا کر انگوٹھی آپ کے پیش کر دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے وقت ایک شخص نے یہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے اتار لی تھی پھر اس سے والدہ صاحبہ نے واپس لے لی۔ حضرت مسیح موعود کی وفات کے ایک عرصہ بعد والدہ صاحبہ نے ان تینوں انگوٹھیوں کے متعلق ہم تینوں بھائیوں کے لئے قرعہ ڈالا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ والی انگوٹھی بڑے بھائی صاحب یعنی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے نام نکلی۔ غَرَسْتُ لَکَ بِیَدِیْ والی خاکسار کے نام اور مولیٰ بس والی عزیزم میاں شریف احمد صاحب کے نام نکلی۔ ہمشیر گان کے حصہ میں دو اور اسی قسم کے تبرک آئے"۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۱۵)

پہلی انگوٹھی کس طرح تیار ہوئی

حضرت مسیح موعود کی یہ پہلی انگوٹھی حضرت مرزا غلام مرتضیٰ خان صاحب مرحوم کی وفات کے بعد تیار ہوئی اور وہ ایک نشان ہے سیرت مسیح موعود کی پہلی جلد کے پہلے نمبر میں اس کے متعلق میں مفصل لکھ چکا ہوں۔(حیات احمد جلد ۱ صفحہ ۱۰۸-۱۰۹)

مختصر یہ ہے کہ مرزا صاحب قبلہ مرحوم کی وفات کے متعلق جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ الہام اطلاع دی تو آپ فرماتے ہیں کہ

"بموجب مقتضائے بشریت کے مجھے اس خبر کے سننے سے درد پہنچا اور چونکہ ہماری معاش کے اکثر وجوہ انہیں کی زندگی سے وابستہ تھے اور وہ

سرکار انگریزی کی طرف سے پنشن پاتے تھے اور نیز ایک رقم کثیر انعام کی پاتے تھے جو ان کی حیات سے مشروط تھی اس لئے یہ خیال گذرا کہ ان کی وفات کے بعد کیا ہو گا۔ اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ شاید تنگی اور تکلیف کے دن ہم پر آئیں گے اور یہ سارا خیال بجلی کی چمک کی طرح ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصہ میں دل میں گزر گیا تب اسی وقت غنودگی ہو کر یہ دوسرا الہام ہوا۔ "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ" جب مجھ کو یہ الہام ہوا تو اسی وقت سے سمجھ لیا کہ خدا مجھے ضائع نہیں کرے گا تب میں نے ایک ہندو کھتری ملاوامل نام کو جو ساکن قادیان ہے اور ابھی تک زندہ ہے وہ الہام لکھ کر دیا۔ اور سارا قصہ اس کو سنایا اور اس کو امرتسر بھیجا کہ تا حکیم مولوی محمد شریف کلانوری کی معرفت اس کو کسی نگینہ میں کھدوا کر لے آوے۔ اور میں نے اس ہندو کو محض اسی غرض سے اختیار کیا کہ تا وہ اس عظیم الشان پیش گوئی کا گواہ ہو جاوے اور تا مولوی محمد شریف بھی گواہ ہو جاوے چنانچہ مولوی صاحب موصوف کے ذریعہ وہ انگشتری بصرف مبلغ پانچ روپیہ تیار ہو کر میرے پاس پہنچ گئی۔ جو اب تک میرے پاس موجود ہے"۔ (اب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے پاس ہے۔ عرفانی)

جس کا نشان یہ ہے۔

مولیٰ بس والی انگوٹھی کی کیفیت

۳۰ نومبر ۱۹۰۵ء کو حضرت سیٹھ عبد الرحمان صاحب مدراسی ؓ قادیان سے جانے والے تھے۔ اور وہ مہمان خانہ جدید میں اترے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس وہاں تشریف لائے اور سیٹھ صاحب کو مخاطب کرکے وہ الہامات سنائے جو ۲۹ نومبر ۱۹۰۵ء کی شب کو ہوئے تھے۔ اور اسی سلسلہ میں تقریر فرماتے رہے دوران

تقریر میں فرمایا۔

"میرے ایک چچا صاحب فوت ہو گئے تھے (مرزا غلام محی الدین صاحب مراد ہیں۔ ایڈیٹر) عرصہ ہوا میں نے ایک مرتبہ ان کو عالم رؤیا میں دیکھا اور ان سے اس عالم کے حالات پوچھے کہ کس طرح انسان فوت ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے انہوں نے کہا کہ "اس وقت عجیب نظارہ ہوتا ہے۔ جب انسان کا آخری وقت قریب آتا ہے تو دو فرشتے جو سفید پوش ہوتے ہیں سامنے آتے ہیں اور وہ کہتے آتے ہیں مولیٰ بس۔ مولیٰ بس"۔ فرمایا حقیقت میں ایسی حالت میں جب کوئی مفید وجود درمیان سے نکل جاتا ہے یہی لفظ مولیٰ بس موزوں ہوتا ہے "اور پھر وہ قریب آکر دونوں انگلیاں ناک کے آگے رکھ دیتے ہیں۔ اے روح جس راہ سے آئی تھی اسی راہ سے واپس نکل آ"۔

"فرمایا طبعی امور سے ثابت ہوتا ہے کہ ناک کی راہ سے روح داخل ہوتی ہے اسی راہ سے معلوم ہوا نکلتی ہے توریت سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نتھنوں کے ذریعہ زندگی کی روح پھونکی گئی"۔

(الحکم جلد ۹ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۵ء)

یہ رؤیا مولیٰ بس والی انگشتری کے نقش کا ماخذ ہے چونکہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا مفہوم صحیح مولیٰ بس میں ہی ادا ہوتا تھا اس لئے زندگی کے آخری حصہ میں جب کسی نے انگشتری بنا کر پیش کرنے کے لئے عرض کیا تو آپ نے اس کو مولیٰ بس لکھدیا۔ اور یہی انگشتری آپ کی وفات کے وقت آپ کے ہاتھ میں تھی۔ کیسا عجیب معاملہ ہے کہ موت ہی کے نقشہ میں یہ مولیٰ بس سنایا اور دکھایا گیا تھا۔ اور وفات کے وقت آپ کے ہاتھ میں یہ انگوٹھی تھی۔ آپ کو اپنے والد ماجد کی وفات پر خدا تعالیٰ نے الیس اللہ بکاف عبدہ کے پیارے اور تسلی بخش الفاظ میں مطمئن فرمایا تھا اور آپ نے اپنی وفات کے وقت اپنی اس انگشتری سے پچھلوں کو بتایا کہ مولیٰ بس۔ یہ ایک ذوقی بات

ہے۔ حضرت کی اس تقریر میں جو سیٹھ عبدالرحمان صاحب کو رخصت کے وقت خطاب کر کے فرمائی ان الفاظ پر غور کرو کہ فرمایا "حقیقت میں جب کوئی مفید وجود درمیان سے نکل جاتا ہے یہی لفظ مولیٰ بس موزوں ہوتا ہے" یہ کلمات اس وقت کوئی نہ سمجھ سکتا تھا کہ ایک نشان اور پیشگوئی کا رنگ رکھیں گے مگر واقعات نے بتایا کہ آپ کی انگشتری اس آخری وقت کے بعد یہ تسلی دے گی۔ بہرحال اس طرح پر یہ آخری اور تیسری انگشتری تیار ہوئی دوسری انگشتری آپ کے ایک الہام کو اپنے اندر رکھتی ہے۔

منی آرڈروں پر بھی ایک وقت مہر لگاتے تھے

ایک زمانہ میں آپ منی آرڈروں پر اور رجسٹریوں کی رسیدات پر دستخط کرتے وقت ساتھ ہی مہر بھی لگا دیا کرتے تھے ۱۸۹۸ء کے آغاز میں آپ نے کتابوں پر بھی اپنی مہر لگانے اور دستخط کرنے کا حکم دیا تھا اس کے لئے ایک ربڑ کی مہر الیس اللہ بکاف عبدہ کی بیضوی شکل کی بنوائی تھی چنانچہ آپ کتاب کے شروع کے صفحہ پر دستخط معہ تاریخ اپنی قلم سے فرماتے اور مہر بھی لگائی جاتی تھی اس کے متعلق ۲۰ ستمبر ۱۸۹۸ء کو آپ نے ایک اشتہار بھی شائع فرمایا تھا۔ جو الحکم مورخہ ۲۰ و ۲۷ ستمبر ۱۸۹۸ء میں طبع ہوا۔

عصا

آپ ہاتھ میں چھڑی رکھا کرتے تھے اور عام طور پر یہ چھڑی دستہ والی ہوتی تھی۔ مختلف دستہ والی چھڑیاں آپ کے ہاتھ میں دیکھی گئی ہیں۔ ایک چھڑی بھیرہ سے ایک دوست تیار کر کے لائے تھے جس پر سیپ کا کام کیا ہوا تھا اور اس پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود لکھا ہوا تھا۔

عصا کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آپ ہمیشہ چھڑی ہاتھ میں لیکر باہر نکلا کرتے تھے اور آپ کی عادت شریف میں یہ بات بھی داخل تھی کہ آپ ہر قسم کی چھڑی استعمال کر لیتے لیکن یہ ضروری ہوتا تھا کہ وہ دستہ والی ہو۔ انگریزی فیشن کی چھڑیاں جو نازک سی ہوتی ہیں کبھی آپ کے ہاتھ میں نہیں دیکھیں یعنی بہت سبک اور

نازک نہیں بلکہ ہمیشہ کسی قدر موٹی اور مضبوط چھڑی جو عموماً بید کی ہوتی استعمال فرماتے تھے۔ ڈانگ یا لٹھ کی صورت میں کبھی آپ نے استعمال نہیں فرمائی۔ البتہ قبل بعثت بانس کے ڈھانگو کا استعمال کیا ہے کیونکہ اس وقت اس کا رواج تھا۔ پھر جب مختلف قسم کی لکڑیوں کی چھڑیاں بن کر بازار میں آنے لگیں تو آپ نے استعمال فرمائیں۔

کنو اور بید کی لکڑی کی چھڑی عموماً آپ نے استعمال کی ہے۔ باوجود اسکے کہ چھڑی ہمیشہ استعمال فرماتے تھے مگر آپ کی طبیعت میں استغراق اور توجہ الی اللہ اس قدر تھی کہ روز ہاتھ میں رہنے والی چیز کو بھی بعض وقت بھول جاتے تھے۔

خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی سیرت المہدی جلد اول کے صفحہ ۲۴۵ میں لکھا ہے کہ

"جن دنوں میں گورداسپور میں کرم الدین کا مقدمہ تھا۔ ایک دن حضرت صاحب کچہری کی طرف تشریف لے جانے لگے اور حسب معمول پہلے دعا کے لئے اس کمرہ میں گئے جو اس غرض کے لئے پہلے مخصوص کر لیا تھا۔ میں اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ باہر انتظار میں کھڑے تھے۔ اور مولوی صاحب کے ہاتھ میں اس وقت حضرت صاحب کی چھڑی تھی۔ حضرت صاحب دعا کر کے باہر نکلے تو مولوی صاحب نے آپ کو چھڑی دی۔ حضرت صاحب نے چھڑی ہاتھ میں لے کر اسے دیکھا اور فرمایا کہ یہ کس کی چھڑی ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضور ہی کی ہے جو حضور اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا! میں تو سمجھا تھا کہ یہ میری نہیں"

لباس کے متعلق اہل بیت یا دوسرے احباب کی روایات

اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لباس کے متعلق عموماً تمام باتیں آچکی ہیں تاہم سیرت المہدی میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ ربہ نے بعض روایات حضرت ام المومنین اور دوسرے احباب کی لکھی ہیں میں ان میں سے بھی جو زائید بات ہے یہاں درج کر دیتا ہوں۔

غرارہ کا استعمال ترک ہوا

حضرت ام المومنین ؓ کی روایت سے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے لکھا ہے:

"اوائل میں غرارے استعمال فرمایا کرتے تھے پھر میں نے کہہ کر وہ ترک کروا دیئے اس کے بعد آپ معمولی پاجامے استعمال کرنے لگ گئے" خاکسار عرض کرتا ہے کہ غرارہ بہت کھلے پائینچے کے پاجامے کو کہتے ہیں۔

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۶۶)

خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ:

"والد صاحب عموماً غرارہ پہنا کرتے تھے مگر سفر میں بعض اوقات تنگ پاجامہ بھی پہنتے تھے"۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۲۳)

سیرت المہدی ۔۔۔۔۔۔ جلد اول کے صفحہ ۶۷ میں حضرت صاحبزادہ صاحب بروایت حضرت ام المومنین مدظلہا العالی فرماتے ہیں کہ:

"والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب نے بعض اوقات انگریزی طرز کی قمیص کے کفوں کے متعلق بھی اسی قسم کی ناپسندیدگی کے الفاظ فرمائے تھے خاکسار (حضرت صاحبزادہ صاحب) عرض کرتا ہے کہ شیخ صاحب موصوف آپ کے لئے انگریزی طرز کی گرم قمیص بنوا کر لایا کرتے تھے۔ آپ انہیں استعمال تو فرماتے تھے مگر انگریزی طرز کی کفوں کو پسند نہیں

فرماتے تھے۔ کیونکہ اول تو کفوں کے بٹن لگانے سے آپ گھبراتے تھے دوسرے بٹنوں کے کھولنے اور بند کرنے کا التزام آپ کے لئے مشکل تھا بعض اوقات فرماتے تھے کہ یہ کیا کان سے لٹکے رہتے ہیں۔ خاکسار (صاجزادہ صاحب) عرض کرتا ہے کہ لباس کے متعلق حضرت مسیح موعود کا عام اصول یہ تھا کہ جس قسم کا کپڑا مل جاتا تھا پہن لیتے تھے۔ مگر عموماً انگریزی طریق لباس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ اول تو اسے اپنے لئے سادگی کے خلاف سمجھتے تھے۔ دوسرے آپ ایسے لباس سے جو اعضا کو جکڑا ہوا رکھے بہت گھبراتے تھے۔ گھر میں آپ کے لئے صرف ململ کے کرتے اور پگڑیاں تیار ہوتی تھیں باقی سب کپڑے عموماً ہدیتہً آپ کو آجاتے تھے۔ (یہ اس زمانہ کی بات ہے جب آپ نے دعوے مسیح موعود اور مہدی مسعود کا کیا۔ اس سے پہلے سب کپڑے گھر میں تیار ہوتے تھے۔ عرفانی)

"والدہ صاحب (حضرت ام المومنین) بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت صاحب کے واسطے ہر سال نصف تھان کے کرتے تیار کیا کرتی تھی لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی تھی میں نے پورے تھان کے کرتے تیار کئے۔ حضرت صاحب نے مجھے کہا بھی کہ اتنے کرتے کیا کرنے ہیں مگر میں نے تیار کر لئے ان میں سے اب تک بہت سے کرتے بے پہنے میرے پاس رکھے ہیں"

لباس شب

صاجزادہ صاحب بروایت حضرت ام المومنین تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عادت تھی کہ ہمیشہ رات کو سوتے ہوئے پاجامہ اتار کر تہ بند باندھ لیتے تھے اور عموماً کرتہ بھی اتار کر سوتے تھے"۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۶۷، ۶۸)

ریشمی ازار بند کا استعمال

حضرت صاحبزادہ صاحب بروایت حضرت ام المومنین تحریر فرماتے ہیں کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام عموماً ریشمی ازار بند استعمال فرماتے تھے۔ کیونکہ آپ کو پیشاب جلدی جلدی آتا تھا اس لئے ریشمی ازار بند رکھتے تھے۔ تاکہ کھلنے میں آسانی ہو۔ اور گرہ بھی پڑ جاوے تو کھولنے میں دقت نہ ہو۔ سوتی ازار بند میں آپ سے بعض وقت گرہ پڑ جاتی تھی تو آپ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی"۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۵۵)

لباس کے متعلق متفرق باتیں

پاجامہ کو پلیٹ

حضرت اقدس عام طور پر ابتدائے شباب میں اور قبل دعویٰ الہام و زمانہ تصنیف براہین میں عموماً غرارہ کا استعمال کرتے تھے اور عرف عام میں جو پاجامہ شرعی کہلاتا ہے اس طرز کا بھی پہنتے رہے ہیں۔ تہ بند باندھ کر کبھی مجلس میں نہیں آئے اور نہ باہر نکلے۔ مبعوثیت کے عہد میں جب مختلف قسم کے پارچات ہدایا کے رنگ میں آنے لگے تو گرم پاجامے کھلے پائنچوں کے آتے تھے اور بعض اوقات وہ زیادہ لمبے ہوتے تو حضرت صاحب ان کو پلیٹ ڈلوا لیتے تھے۔ کوئی شخص پائجاموں کو پلیٹ ڈلواتا ہوا میں نے نہیں دیکھا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی توجہ عالیہ بناؤ سنگھار یا فیشن کی طرف نہ تھی بلکہ آپ لباس کی غرض ستر پوشی اور گرمی اور سردی سے بچاؤ یقین کرتے تھے۔ اور اسی پر عمل تھا۔ اس لئے لباس کے متعلق ان باتوں کو جو عام طور پر آرائش پسند دنیا کی نظروں میں ضروری ہوں غیر ضروری سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ اس قسم کے تکلفات میں وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

حضرت مخدوم الملت کی آنکھ سے لباس پر نظر

"لباس سے آپ کو دلچسپی نہیں بے شک ایک دنیا پرست حقیقت ناشناس ظاہر میں اچھا لباس دیکھ کر اس کنہ میں پے نہیں لے جا سکتا اور قریب ہے کہ وہ اپنے نفس پر قیاس کرکے کہے کہ آپ کو اچھے لباس سے تعلق ہے مگر رات دن کے پاس بیٹھنے والے اس بے التفاتی کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں۔ ایک روز فرمایا کہ "ہم تو اپنے ہاں سے کاتے اور بنائے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے اب خداتعالیٰ کی مرضی سے یہ کپڑے لوگ لے آتے ہیں ہمیں تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان اور اُن میں کوئی تفاوت نظر نہیں آتا"۔

کمر باندھ کر باہر نکلنا

میں نے اوپر لکھا ہے کہ حضرت صاحب کمر باندھا کرتے تھے اور سیر کو جب نکلتے تو عموماً کمر باندھ کر نکلتے تھے۔ مئی ۱۹۰۲ء کے پہلے ہفتہ میں آپ بیمار ہو گئے۔

"۱۰ مئی ۱۹۰۲ء کو جبکہ عشاء کی نماز کے تھوڑی دیر بعد شمال کی جانب سے خوب چمکتا اور گرجتا بادل آیا اور اول اول خفیف سا ترشح ہوا۔ میں (حضرت مخدوم الملت) اور مکرم مولوی نور الدین فاروقی (رضی اللہ عنہ) بیت الفکر میں بیٹھے بات چیت کر رہے تھے اتنے میں مفتی فضل الرحمان صاحب نے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت صاحب چاہتے ہیں کہ اس ٹھنڈی ہوا اور ترشح میں باہر نکلیں آپ کی کیا رائے ہے مولوی صاحب نے کسی قدر پس و پیش کے بعد جو ان کے علم کے لحاظ سے ضروری تھا کہ واقعات موجودہ کی بنا پر ان کے دل میں پیدا ہو تا مفتی صاحب سے کہا کہ عرض کر دو کہ پیٹھ اور کمر پر گرم کپڑا اچھی طرح لپیٹ لیں اور باہر نکل آئیں۔ غرض حضرت اقدس علیہ السلام باہر نکلے اور بہت دیر تک باہر ہی

لیٹے رہے"۔

اس کے بعد عموماً گرم پٹکا باندھتے رہے۔

ایک مرتبہ جب گورداسپور میں مقدمات کا سلسلہ جاری تھا۔ سخت بارش ہوئی اور قادیان اور گورداسپور کے درمیان پانی کا ایک تانتا لگا ہوا تھا اور علاوہ بریں وہاں کچھ حالات اچھے نہ تھے۔ مذہبی عناد کی وجہ سے مختلف دشمنوں کی سازشیں ڈراتی تھیں۔ حضرت اقدس کو تاریخ پر جانا تھا مگر وہاں سے خواجہ کمال الدین صاحب نے خاص آدمی بھیج کر عرض کیا کہ حضور تشریف نہ لائیں۔ جب آدمی قادیان پہنچا تو آپ کمر باندھ کر نکل چکے تھے آپ نے فرمایا کہ نبی جب کمر باندھ کر نکلتا ہے تو پیچھے نہیں ہٹتا۔ یہی الفاظ فرمائے یا اس کے ہم معنی فرمائے مگر مطلب یہی تھا اور یہ ضرور فرمایا کہ نبی جب کمر باندھ لیتا ہے اس واقعہ کے بیان کرنے سے میری غرض صرف یہ ہے کہ باہر سفر کو جب نکلتے تو عموماً کمر باندھ کر نکلتے تھے۔

خوراک

مقدار

"قرآن شریف میں کفار کے لئے وارد ہے "یاکلون کما تاکل الانعام" اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ کافر سات انتڑی میں کھاتا اور مومن ایک میں۔ مراد ان باتوں سے یہ ہے کہ مومن طیب چیز کھانے والا اور دنیادار یا کافر کی نسبت بہت کم خور ہوتا ہے۔ جب مومن کا یہ حال ہوا تو پھر انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کا تو کیا کہنا۔ آنحضرت ﷺ کے دستر خوان پر بھی اکثر ایک سالن ہی ہوتا تھا بلکہ ستو یا صرف کھجور یا دودھ کا ایک پیالہ ہی ایک غذا ہوا کرتی تھی اسی سنت پر ہمارے حضرت اقدس علیہ السلام بھی بہت ہی کم خور تھے۔ اور بمقابلہ اس کام اور محنت کے جس میں حضور دن رات لگے رہتے تھے اکثر حضور کی غذا دیکھی جاتی تو بعض اوقات حیرانی سے بے اختیار لوگ یہ کہہ

اٹھتے تھے کہ اتنی خوراک پر یہ شخص زندہ کیونکر رہ سکتا ہے۔ خواہ کھانا کیسا ہی عمدہ اور لذیذ ہو۔ اور کیسی ہی بھوک ہو آپ کبھی حلق تک ٹھونس کر نہیں کھاتے تھے۔ عام طور پر دن میں دو وقت مگر بعض اوقات جب طبیعت خراب ہوتی تو دن بھر میں ایک ہی دفعہ کھانا نوش فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے چائے وغیرہ ایک پیالی صبح کو بطور ناشتہ بھی پی لیا کرتے تھے۔ مگر جہاں تک میں نے غور کیا آپ کو لذیذ مزے دار کھانے کھانے کا ہرگز شوق نہ تھا۔ اور ثبوت اس بات کا یہ ہے کہ آپ سالن بہت ہی کم کھاتے تھے۔

اوقات

" معمولاً آپ صبح کا کھانا دس بجے سے ظہر کی اذان تک اور شام کا نماز مغرب کے بعد سے سونے کے وقت تک کھا لیا کرتے تھے۔ کبھی شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ دن کا کھانا آپ نے بعد ظہر کھایا ہو شام کا کھانا مغرب سے پہلے کھانے کی عادت نہ تھی مگر کبھی کبھی کھا لیا کرتے تھے۔ مگر معمول دو طرح کا تھا جن دنوں میں آپ بعد مغرب عشا تک باہر تشریف رکھا کرتے تھے اور کھانا گھر میں کھاتے تھے ان دنوں میں یہ وقت عشا کے بعد ہوا کرتا تھا ورنہ مغرب اور عشا کے درمیان۔

" مدتوں آپ باہر مہمانوں کے ہمراہ کھانا کھایا کرتے تھے اور یہ دستر خوان گول کمرہ یا مسجد مبارک ، میں بچھا کرتا تھا۔ اور خاص مہمان آپ کے ہمراہ دستر خوان پر بیٹھا کرتے تھے۔ یہ عام طور پر وہ لوگ ہوا کرتے تھے جن کو حضرت صاحب نامزد کر دیا کرتے تھے ایسے دستر خوان پر تعداد کھانے والوں کی دس سے بیس پچیس تک ہو جایا کرتی تھی (بعض اوقات بہت زیادہ ہوتے تھے اور عام طور پر مخصوص نہ ہوتے تھے۔ بلکہ اوائل میں سب اکٹھے کھایا کرتے تھے کوئی تخصیص نہ ہوتی تھی صبح کا کھانا گول کمرہ میں اور شام کا مسجد مبارک کی چھت پر موسم گرما میں۔ اور سردیوں میں مسجد مبارک میں' جب اندر کنواں بن رہا تھا ان ایام میں بعض اوقات نیچے کے

ایک مکان میں بھی کھایا کرتے تھے۔ عرفانی)

"گھر میں جب کھانا نوش جان فرماتے تھے تو آپ کبھی تنہا۔ مگر اکثر ام المومنین اور کسی ایک یا سب بچوں کو ساتھ لے کر تناول فرمایا کرتے تھے۔ یہ عاجز (حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ) بھی کبھی قادیان میں ہوتا تو اس کو شرف اس دستر خوان پر بیٹھنے کا مل جایا کرتا تھا۔

"سحری آپ ہمیشہ گھر میں ہی تناول فرماتے تھے اور ایک دو موجودہ آدمیوں کے ساتھ یا تنہا سوائے گھر کے باہر جب کبھی آپ کھانا کھاتے تو آپ کسی کے ساتھ نہ کھاتے تھے۔ یہ آپ کا حکم نہ تھا مگر خدام آپ کو عزت کی وجہ سے ہمیشہ الگ ہی برتن میں کھانا پیش کیا کرتے تھے۔ اگرچہ اور مہمان بھی سوائے کسی خاص وقت کے الگ الگ ہی برتنوں میں کھایا کرتے تھے۔

کس طرح کھانا تناول فرماتے تھے

"جب کھانا آگے رکھا جاتا یا دستر خوان بچھتا تو آپ اگر مجلس میں ہوتے تو یہ پوچھ لیا کرتے۔ کیوں جی شروع کریں؟ مطلب یہ کہ کوئی مہمان رہ تو نہیں گیا۔ یا سب کے آگے کھانا آگیا۔ پھر آپ جواب ملنے پر کھانا شروع کرتے۔ اور تمام دوران میں نہایت آہستہ آہستہ چبا چبا کر کھاتے۔ کھانے میں کوئی جلدی آپ سے صادر نہ ہوتی۔ آپ کھانے کے دوران میں ہر قسم کی گفتگو فرمایا کرتے تھے.....

سالن آپ بہت کم کھاتے تھے۔ اور کسی خاص دعوت کے موقعہ پر دو تین قسم کی چیزیں سامنے ہوں تو اکثر صرف ایک ہی پر ہاتھ ڈالا کرتے تھے۔ اور سالن کی جو رکابی آپ کے آگے سے اٹھتی تھی وہ اکثر ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا اسے کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بہت بوٹیاں یا ترکاری آپ کو کھانے کی عادت نہ تھی بلکہ صرف لعاب سے اکثر چھوا کر ٹکڑا کھا لیا کرتے

تھے۔ لقمہ چھوٹا ہوتا تھا اور روٹی کے ٹکڑے آپ بہت سے کر لیا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کی عادت تھی۔ دستر خوان* سے اٹھنے کے بعد سب سے زیادہ ٹکڑے روٹی کے آپ کے آگے سے ملتے تھے۔ اور لوگ بطور تبرک کے ان کو اٹھا کر کھا لیا کرتے تھے۔ آپ اس قدر کم خور تھے کہ باوجودیکہ سب مہمانوں کے برابر آپ کے آگے کھانا رکھا جاتا تھا مگر پھر بھی سب سے زیادہ آپ کے آگے سے بچتا تھا......

"بعض دفعہ تو دیکھا گیا کہ آپ صرف روکھی روٹی کا نوالہ منہ میں ڈال لیا کرتے تھے اور پھر انگلی کا سرا شوربے میں تر کر کے زبان سے چھوا دیا کرتے تا کہ لقمہ نمکین ہو جاوے۔ پچھلے دنوں میں جب آپ گھر میں کھانا کھاتے تھے تو آپ اکثر صبح کے وقت مکئی کی روٹی اکثر کھایا کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ کوئی ساگ یا صرف لسی کا گلاس یا کچھ مکھن ہوا کرتا تھا۔ یا کبھی اچار سے بھی لگا کر کھا لیا کرتے تھے۔ آپ کا کھانا صرف اپنے کام کے لئے قوت حاصل کرنے کے لئے ہوا کرتا تھا نہ کہ لذت نفس کے لئے۔ بارہا آپ نے فرمایا کہ ہمیں کھا کر یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ کیا پکا تھا اور ہم نے کیا کھایا۔* ہڈیاں چوسنے اور بڑا نوالا اٹھانے۔ زور زور سے چپڑ چپڑ کرنے۔ ڈکاریں مارنے یا رکابیاں چاٹنے یا کھانے پر بہت گفتگو کرنے اور اس کے مدح و ذم اور لذائذ کا تذکرہ کرنے کی آپ کی عادت نہ تھی بلکہ جو پکتا تھا وہ کھا لیا کرتے تھے کبھی کبھی آپ پانی کا گلاس یا چائے کی پیالی بائیں ہاتھ سے پکڑ کر پیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ابتدائی عمر میں دائیں ہاتھ میں ایسی چوٹ لگی تھی کہ اب تک بوجھل چیز اس ہاتھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ اکڑوں بیٹھ کر آپ کو کھانے کی عادت نہ تھی بلکہ آلتی پالتی مار کر بیٹھتے یا بائیں ٹانگ بٹھا دیتے اور دایاں گھٹنا کھڑا رکھتے۔

کیا کھاتے تھے

"میں نے پہلے ذکر کیا کہ مقصد آپ کے کھانے کا صرف قوت قائم رکھنا تھا نہ کہ لذت اور ذائقہ اٹھانا۔ اس لئے آپ صرف وہ چیزیں ہی کھاتے تھے جو آپ کی طبیعت کے موافق ہوتی تھیں اور جن سے دماغی قوت قائم رہتی تھی تاکہ آپ کے کام میں ہرج نہ ہو۔ علاوہ بریں آپ کو چند بیماریاں بھی تھیں جن کی وجہ سے آپ کو کچھ پرہیز بھی رکھنا پڑتا تھا۔ مگر عام طور پر آپ سب طیبات ہی استعمال فرما لیتے تھے۔ اور اگرچہ آپ سے اکثر یہ پوچھ لیا جاتا کہ آج آپ کیا کھائیں گے مگر جہاں تک ہمیں معلوم ہے خواہ کچھ پکا ہو آپ اپنی ضرورت کے مطابق کھا ہی لیا کرتے تھے۔ اور کبھی کھانے کے بدمزہ ہونے پر اپنی ذاتی وجہ سے خفگی نہیں فرمائی...... بلکہ اگر خراب پکے ہوئے کھانے اور سالن پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا تو صرف اس لئے اور یہ کہہ کر کہ مہمانوں کو یہ کھانا پسند نہ آیا ہوگا۔

"روٹی آپ تندوری اور ہاتھ کی دونوں قسم کی کھاتے تھے ڈبل روٹی چائے کے ساتھ یا بسکٹ اور بکرم بھی استعمال فرما لیا کرتے تھے۔ بلکہ ولایتی بسکٹوں کو بھی جائز فرماتے تھے۔ اس لئے کہ ہمیں کیا معلوم کہ اس میں چربی ہے کیونکہ بنانے والوں کا ادعا تو مکھن ہے پھر ہم ناحق بدگمانی اور شکوک میں کیوں پڑیں۔ مکئی کی روٹی بہت مدت آپ نے آخری عمر میں استعمال فرمائی کیونکہ آخری سات آٹھ سال سے آپ کو دستوں کی بیماری ہوگئی تھی اور ہضم کی طاقت کم ہو گئی تھی۔ علاوہ ان روٹیوں کے آپ شیرمال کو بھی پسند فرماتے تھے اور باقرخانی کلچہ وغیرہ غرض جو جو اقسام روٹی کے سامنے آجایا کرتے تھے آپ کسی کو رد نہ فرماتے تھے۔

"سالن میں نے ابھی ذکر کیا آپ بہت کم کھاتے تھے گوشت آپ کے ہاں دو وقت پکتا تھا مگر دال آپ کو گوشت سے زیادہ پسند تھی یہ دال ماش

کی یا اڑدہ کی ہوتی تھی جس کے لئے گورداسپور کا ضلع مشہور ہے۔ سالن ہر قسم کا اور ترکاری عام طور پر ہر طرح کی آپ کے دستر خوان پر دیکھی گئی ہے اور گوشت بھی ہر حلال اور طیب جانور کا آپ کھاتے تھے۔ پرندوں کا گوشت آپ کو مرغوب تھا۔ اس لئے بعض اوقات جب طبیعت کمزور ہوتی تو تیتر فاختہ وغیرہ کے لئے شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم کو ایسا گوشت مہیا کرنے کو فرمایا کرتے تھے۔ مرغ اور بٹیروں کا گوشت بھی آپ کو پسند تھا مگر بٹیرے جب سے کہ پنجاب میں طاعون کا زور ہوا کھانے چھوڑ دیئے تھے۔ بلکہ منع کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے گوشت میں طاعون پیدا کرنے کی خاصیت ہے اور بنی اسرائیل میں ان کے کھانے سے سخت طاعون پڑی تھی۔ حضور کے سامنے دو ایک دفعہ گوہ کا گوشت پیش کیا گیا مگر آپ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ جس کا جی چاہے کھالے۔ مگر رسول کریمؐ نے چونکہ اس کی کراہت فرمائی اس لئے ہم کو بھی اس سے کراہت ہے اور جیسا کہ وہاں ہوا تھا یہاں بھی لوگوں نے آپ کے مہمان خانہ بلکہ گھر میں بھی کچھ بچوں اور لوگوں نے گوہ کا گوشت کھایا مگر آپ نے اسے قریب نہ آنے دیا۔ مرغ کا گوشت ہر طرح کا آپ کھالیتے تھے۔ سالن ہو یا بھنا ہوا۔ کباب ہو یا پلاؤ۔ مگر اکثر ایک ران پر ہی گذارہ کر لیتے تھے۔ اور وہی آپ کو کافی ہو جاتی تھی بلکہ کبھی کچھ بچ بھی رہا کرتا تھا۔ پلاؤ بھی آپ کھاتے تھے مگر ہمیشہ نرم اور گداز اور گلے ہوئے چاولوں کا۔ اور میٹھے چاول تو کبھی خود کہہ کر پکوا لیا کرتے تھے مگر گڑ کے اور وہی آپ کو پسند تھے۔ عمدہ کھانے یعنی کباب۔ مرغ۔ پلاؤ یا انڈے اور اسی طرح فرنی میٹھے چاول وغیرہ تب ہی آپ کہہ کر پکوایا کرتے تھے جب ضعف معلوم ہوتا تھا۔ جن دنوں میں تصنیف کا کام کم ہوتا یا صحت اچھی ہوتی تو ان دنوں میں معمولی کھانا ہی کھاتے تھے۔ اور وہ بھی کبھی ایک وقت ہی صرف اور دوسرے

وقت دودھ وغیرہ سے گزارہ کر لیتے۔ دودھ بالائی مکھن یہ اشیا بلکہ بادام روغن تک صرف قوّت کے قیام اور ضعف کے دور کرنے کو استعمال فرماتے تھے۔ اور ہمیشہ معمولی مقدار میں۔ بعض لوگوں نے آپ کے کھانے پر اعتراض کئے ہیں مگر ان بیوقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ ایک شخص جو عمر میں بوڑھا ہے اور اسے کئی امراض لگے ہوئے ہیں اور باوجود ان کے وہ تمام جہان سے مصروف پیکار ہے ایک جماعت بنا رہا ہے جس کے فرد فرد پر اس کی نظر ہے۔ اصلاح امت کے کام میں مشغول ہے ہر مذہب سے الگ الگ قسم کی جنگ ٹھنی ہوئی ہے......... دن رات تصانیف میں مصروف ہے جو نہ صرف اردو بلکہ فارسی اور عربی میں اور پھر وہی ان کو لکھتا اور وہی کاپی دیکھتا۔ وہی پروف درست کرتا اور وہی ان کی اشاعت کا انتظام کرتا ہے پھر سینکڑوں مہمانوں کے ٹھہرنے اترنے اور علیٰ حسب مراتب کھلانے کا انتظام عمارت کا کام۔ مباحثات اور وفود کا اہتمام۔ پنج وقتہ نمازوں کی حاضری۔ مسجد میں روزانہ مجلسیں اور تقریریں۔ ہر روز بیسیوں آدمیوں سے ملاقات اور پھر ان سے طرح طرح کی گفتگو۔ مقدمات کی پیروی۔ روزانہ سینکڑوں خطوط پڑھنے اور پھر ان میں سے بہتوں کے جواب لکھنے پھر گھر میں اپنے بچوں اور اہل بیت کو بھی وقت دینا۔ اور باہر اور گھر میں بیعت کا سلسلہ اور نصیحتیں اور دعائیں غرض اس قدر کام اور دماغی محنتیں اور تفکرات کے ہوتے ہوئے اور پھر تقاضائے عمر اور امراض کی وجہ سے اگر صرف اس عظیم الشان جہاد کے لئے قوت پیدا کرنے کو وہ شخص بادام روغن استعمال کرے تو کون بیوقوف اور ناحق شناس ظالم طبع انسان ہے جو اس کے اس فعل پر اعتراض کرے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ بادام روغن کوئی مزے دار چیز نہیں اور لوگ لذت کے لئے اس کا استعمال نہیں کرتے پھر اگر مزے کی چیز بھی استعمال کی تو ایسی نیت اور کام کرنے والے کے لئے تو

وہ فرض ہے حالانکہ ہمارے جیسے کاہل الوجود انسانوں کے لئے وہی کھانے تعیش میں داخل ہیں۔

" اور پھر جس وقت دیکھا جائے کہ وہ شخص ان مقوی غذاؤں کو صرف بطور قوت لایموت اور سد رمق کے طور پر استعمال کرتا ہے تو کون عقل کا اندھا ایسا ہوگا کہ اس خوراک کو لذائذ حیوانی اور حظوظ نفسانی سے تعبیر کرے خدا تعالیٰ ہر مومن کو بد ظنی سے بچائے۔

دودھ

" دودھ کا استعمال آپ اکثر رکھتے تھے اور سوتے وقت تو ایک گلاس ضرور پیتے تھے اور دن کو بھی پچھلے دنوں میں زیادہ استعمال فرماتے تھے کیونکہ یہ معمول ہو گیا تھا کہ ادھر دودھ پیا اور ادھر دست آگیا۔ اس لئے بہت ضعف ہو جاتا تھا۔ اس کے دور کرنے کو دن میں تین چار مرتبہ تھوڑا تھوڑا دودھ طاقت قائم کرنے کو پی لیا کرتے تھے۔

برف

"دن کے کھانے کے وقت پانی کی جگہ گرمی میں آپ لسی پی لیا کرتے تھے اور برف موجود ہو تو اس کو بھی استعمال فرما لیتے تھے۔

شیرہ بادام

"ان چیزوں کے علاوہ شیرہ بادام بھی گرمی کے موسم میں جس میں چند دانہ مغز بادام اور چند چھوٹی الائچیاں اور کچھ مصری پیس چھان کر پیا کرتے تھے۔ اور اگرچہ معمولاً" نہیں مگر کبھی کبھی رفع ضعف کے لئے آپ کچھ دن متواتر یخنی گوشت کی یا پاؤں کی پیا کرتے تھے۔ یہ یخنی بھی بہت بدمزہ چیز ہوتی تھی یعنی صرف گوشت کا ابلا ہوا رس ہوا کرتا تھا۔

میوہ جات

"میوہ جات آپ کو پسند تھے۔ اور اکثر خدام بطور تحفہ کے لایا بھی کرتے تھے۔ گاہے بگاہے خود بھی منگواتے تھے۔ پسندیدہ میووں میں سے آپ کو انگور۔ بمبئ کا کیلا۔ ناگپوری سنگترے۔

سیب۔ سردے اور سردلی کے آم زیادہ پسند تھے۔ باقی میوے بھی گاہے ماہے جو آتے رہتے تھے کھالیا کرتے تھے۔ گنا بھی آپ کو پسند تھا۔

"شہتوت بیدانہ کے موسم میں آپ بیدانہ اکثر اپنے باغ کی جنس سے منگوا کر کھاتے تھے اور کبھی کبھی ان دنوں سیر کے وقت باغ کی جانب تشریف لے جاتے اور مع سب رفیقوں کے اسی جگہ بیدانہ تڑوا کر سب کے ہمراہ ایک ٹوکرے میں نوش جان فرماتے۔ اور خشک میووں میں سے صرف بادام کو ترجیح دیتے تھے۔

"چائے کا میں پہلے اشارہ کر آیا ہوں۔ آپ جاڑوں میں اکثر صبح کے وقت مہمانوں کے لئے روزانہ بنواتے تھے اور خود بھی پی لیا کرتے تھے۔ مگر عادت نہ تھی۔ سبز چائے استعمال کرتے اور سیاہ کو ناپسند فرماتے تھے اکثر دودھ والی میٹھی پیتے تھے۔

"زمانہ موجودہ کے ایجادات مثلاً برف اور سوڈالیمونیڈ۔ جنجر وغیرہ بھی گرمی کے دنوں میں پی لیا کرتے تھے۔ بلکہ شدت گرمی میں برف بھی امرتسر لاہور سے خود منگوا لیا کرتے تھے۔ اور گردہ کے درد کی تکلیف کی وجہ سے سوڈاواٹر اور بھٹ تیتر کا گوشت بارہا استعمال فرمایا۔

مٹھائی

"بازاری مٹھائیوں سے بھی آپ کو کسی قسم کا پرہیز نہ تھا۔ اس بات کی پرچول نہ تھی کہ ہندو کی ساختہ ہے یا مسلمانوں کی۔ لوگوں کے نذرانہ کے طور پر آوردہ مٹھائیوں میں سے بھی کھالیتے تھے۔ اور خود بھی روپیہ دو روپیہ کی مٹھائی منگوا کر رکھا کرتے تھے۔ یہ مٹھائی بچوں کے لئے ہوتی تھی کیونکہ وہ اکثر حضور ہی کے پاس چیزیں یا پیسہ مانگنے دوڑے آتے تھے میٹھے بھرے ہوئے سموسے یا بیدانہ عام طور پر یہ دو ہی چیزیں آپ ان بچوں کے لئے منگوا رکھتے کیونکہ یہی قادیان میں ان دنوں میں اچھی بنتی تھیں۔

" ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ آپ کو اپنے کھانے کی نسبت اپنے مہمانوں کے کھانے کا زیادہ فکر رہتا تھا۔ اور آپ دریافت فرما لیا کرتے کہ فلاں مہمان کو کیا کیا پسند ہے اور کس کس چیز کی اس کو عادت ہے چنانچہ مولوی محمد علی صاحب کا جب تک نکاح نہیں ہوا تب تک آپ کو ان کی خاطرداری کا اس قدر اہتمام تھا کہ روزانہ کئی برس خود اپنی نگرانی میں ان کے لئے دودھ۔ چائے بسکٹ۔ مٹھائی۔ انڈے وغیرہ برابر صبح کے وقت بھیجا کرتے اور پھر لے جانے والے سے دریافت بھی کر لیتے تھے کہ انہوں نے اچھی طرح سے کھا بھی لیا۔ تب ان کی تسلی ہوتی۔ اسی طرح خواجہ صاحب کے لئے چائے چاول وغیرہ ان کے خاص مرغوبات کا بڑا خیال رکھتے اور بار بار دریافت فرمایا کرتے کہ کوئی مہمان بھوکا تو نہیں رہ گیا یا کسی کی طرف سے ملازمان لنگر خانہ نے تغافل تو نہیں کیا۔ بعض موقعہ پر ایسا ہوا کہ کسی مہمان کے لئے سالن نہیں بچایا وقت پر ان کے لئے کھانا رکھنا بھول گیا تو اپنا سالن یا سب کھانا اس کے لئے اٹھوا کر بھجوا دیا........

"ان سب اشیا کا نام پڑھ کر ایک شخص دھوکا کھا سکتا ہے کہ حضرت صاحب ہر قسم کے عمدہ عمدہ کھانے مٹھائیاں میوے وغیرہ وغیرہ سب چیزیں خوب کھاتے تھے سو یاد رکھنا چاہئے کہ میرا بیان بیس پچیس برس کے مشاہدہ پر حاوی ہے یہ اشیا آپ نے اپنے دستر خوان پر استعمال فرمائی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت آپ کا خوان یغما بنا رہتا تھا۔ اور پھر یہ کہ ان اشیا میں سے اکثر چیزیں تحفہ کے طور پر خدا کے وعدوں کے ماتحت آتی تھیں اور بارہا ایسا ہوا کہ حضرت صاحب نے ایک چیز کی خواہش فرمائی اور وہ اسی وقت کسی نووارد یا مرید با اخلاص نے لاکر حاضر کر دی۔

" آپ کو عادت کسی چیز کی نہ تھی۔ پان البتہ کبھی کبھی دل کی تقویت یا کھانے کے بعد منہ کی صفائی کے لئے یا کبھی گھر میں سے پیش کر دیا گیا تو کھا

لیا کرتے تھے۔ یا کبھی کھانسی نزلہ یا گلے کی خراش ہوئی تو بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حقہ تمباکو کو آپ ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ ایک موقعہ پر کچھ حقہ نوشوں کو مہمان خانہ سے نکال بھی دیا تھا۔ ہاں جن ضعیف العمر لوگوں کو مدت العمر سے عادت لگی ہوئی تھی ان کو آپ نے بہ سبب مجبوری کے اجازت دے دی تھی۔ کئی احمدیوں نے تو اس طرح پر حقہ چھوڑا کہ ان کو قادیان میں وارد ہونے کے وقت حقہ کی تلاش میں تکیوں میں یا میرزا نظام الدین صاحب وغیرہ کی ٹولی میں جانا پڑتا تھا۔ اور حضرت صاحب کی مجلس سے اٹھ کر وہاں جانا چونکہ بہشت سے نکل کر دوزخ میں جانے کا حکم رکھتا تھا اس لئے باغیرت لوگوں نے ہمیشہ کے لئے حقہ کو الوداع کہی۔

ہاتھ دھونا وغیرہ

"کھانے سے پہلے عموماً اور بعد میں ضرور ہاتھ دھویا کرتے تھے اور سردیوں میں اکثر گرم پانی استعمال فرماتے۔ صابن بہت ہی کم برتتے تھے۔ کپڑے یا تولیہ سے ہاتھ پونچھا کرتے تھے۔ بعض ملانوں کی طرح ڈاڑھی سے چکنے ہاتھ پونچھنے کی عادت ہرگز نہ تھی۔ کلی بھی کھانے کے بعد فرماتے تھے۔ اور خلال بھی ضرور رکھتے تھے۔ جو اکثر کھانے کے بعد کیا کرتے تھے۔

"رمضان کی سحری کے لئے آپ کے واسطے سالن یا مرغی کی ایک ران اور فرنی عام طور پر ہوا کرتے تھے۔ اور سادہ روٹی کی بجائے ایک پراٹھا ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ آپ اس میں سے تھوڑا سا ہی کھاتے تھے۔

کھانے میں مجاہدہ

"اس جگہ یہ بھی ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اوائل عمر میں گوشہ تنہائی میں بہت بہت مجاہدات کئے اور ایک موقعہ پر متواتر چھ ماہ کے روزے منشائے الٰہی سے رکھے اور خوراک آپ کی صرف نصف روٹی یا کم روزہ افطار کرنے کے بعد ہوتی تھی اور سحری بھی نہ کھاتے تھے۔ اور گھر سے جو

کھانا آتا وہ چھپا کر کسی مسکین کو دے دیا کرتے تھے۔ تاکہ گھر والوں کو معلوم نہ ہو۔ مگر اپنی جماعت کے لئے عام طور پر آپ نے ایسے مجاہدے پسند نہیں فرمائے۔ بلکہ اس کی جگہ تبلیغ اور قلمی خدمات کو مخالفان اسلام کے برخلاف اس زمانہ کا جہاد قرار دیا۔ پس ایسے شخص کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ دنیاوی لذتوں کا خواہش مند ہے سراسر ظلم نہیں تو کیا ہے؟

"لنگر خانہ میں آپ کے زمانہ میں زیادہ تر دال اور خاص مہمانوں کے لئے گوشت پکا کرتا تھا۔ مگر جلسوں میں یا عیدین کے موقعہ پر یا کبھی آپ کے بچوں کا عقیقہ یا کوئی اور خوشی کا موقعہ ہو تو آپ عام طور پر اس دن گوشت یا پلاؤ یا زردہ کا حکم دے دیا کرتے تھے۔ کہ غربا کو بھی اس میں شریک ہونے کا موقع ملے..........

ادویات

"آپ خاندانی طبیب تھے آپ کے والد ماجد اس علاقہ میں نامی گرامی طبیب گزر چکے ہیں اور آپ نے بھی طب سبقا" سبقا" پڑھی ہے مگر باقاعدہ مطب نہیں کیا۔ کچھ تو خود بیمار رہنے کی وجہ سے اور کچھ چونکہ لوگ علاج پوچھنے آجاتے تھے آپ اکثر مفید اور مشہور ادویہ اپنے گھر میں موجود رکھتے تھے۔ نہ صرف یونانی بلکہ انگریزی بھی۔ اور آخر میں تو آپ کی ادویات کی الماری میں زیادہ تر انگریزی ادویہ ہی رہتی تھیں۔ مفصل ذکر طبابت کے نیچے آئے گا۔ یہاں اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ آپ کئی قسم کی مقوی دماغ ادویات کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً کوکا کولا مچھلی کے تیل کا مرکب۔ ایسٹن سیرپ۔ کونین۔ فولاد وغیرہ۔ اور خواہ کیسی ہی تلخ یا بدمزہ دوا ہو آپ اس کو بے تکلف پی لیا کرتے۔

"سر کے دورے اور سردی کی تکلیف کے لئے سب سے زیادہ آپ مشک یا عنبر استعمال فرمایا کرتے تھے اور ہمیشہ نہایت اعلیٰ قسم کا منگوایا کرتے تھے۔ یہ مشک خریدنے کی ڈیوٹی آخری ایام میں حکیم محمد حسین صاحب

موجد مفرح عنبری کے سپرد تھی۔ عنبر اور مشک دونوں مدت تک سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی کی معرفت بھی آتے رہے۔ مشک کی تو آپ کو اس قدر ضرورت رہتی کہ بعض اوقات سامنے رومال میں باندھ رکھتے تھے کہ جس وقت ضرورت ہوئی فوراً نکال لیا"۔

(اقتباس از مضمون حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب)

کھانے کے متعلق کچھ اور

اگرچہ جناب میر صاحب نے حضرت مسیح موعود کے کھانے کے متعلق بہت کچھ لکھ دیا ہے اور بحیثیت ایک خاندان کے ممبر اور ہر وقت اندر رہنے والے انسان کے ان کے بیان کو خاص اہمیت ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ بعض باتوں کا ذکر اگر نہ کیا گیا تو یہ حصہ ناتمام رہ جائے گا۔ اوائل میں جب حضرت مسیح موعود گوشہ تنہائی میں رہتے تھے اور رات کا بڑا حصہ عبادات میں گزارتے تھے ان ایام میں آپ بھنے ہوئے چنے اور ریوڑیاں ملا کر استعمال کیا کرتے تھے۔ اور یہ بطور شوق کے نہیں بلکہ بعض اوقات اس لئے کہ نیند کا وقت ٹل جاوے اور بعض اوقات اس وجہ سے کہ اپنا کھانا چونکہ دوسروں کو دے دیا کرتے تھے اس لئے آپ چنوں پر گزارہ کر لیتے تھے۔ شکر کی ڈلیاں بھی آپ کبھی کبھی سالن کی بجائے استعمال کر لیتے تھے۔ ماموریت کے عہد میں ایک مرتبہ آپ کی بھوک بند ہو گئی اور بہت دنوں تک یہ حالت ہوئی کہ کوئی چیز مرغوب نہ ہوتی تھی کبھی کبھی شکر کی ڈلی کے ساتھ ایک آدھ لقمہ کھا لیتے۔

طیور کے شوربے کو بھی آپ پسند فرماتے تھے۔ انہی ایام میں اس کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ بعض وقت ایک چڑیا بھی کافی ہوتی تھی۔

ایک زمانہ تک آپ دونوں وقت کا کھانا مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے۔ لیکن جب آپ کی بھوک بند ہو گئی اور کھانے سے گونہ نفرت ہو گئی تو آپ نے اس عادت کو مہمانوں کے آرام کے لئے ترک کر دیا۔ اس لئے کہ آپ دستر خوان پر اس وجہ سے کہ طبیعت میں خواہش نہ تھی بیٹھ نہ سکتے تھے اور اگر جلد اٹھ جائیں تو احتمال تھا

کہ کوئی مہمان بھوکا نہ رہ جائے۔ پس آپ نے یہ وجہ بیان کر دی اور مہمان پھر اپنے وقت پر کھانا کھاتے رہے۔

گرمی کے موسم میں جب آم کی فصل ہوتی تو آپ گڑمبا بھی کبھی کبھی تیار کراتے تھے اور کھایا کرتے تھے۔

کھانے میں مجاہدہ

مکرم میر صاحب نے کھانے کے متعلق مجاہدہ کا صرف ذکر کیا ہے لیکن یہ بیان ناتمام اور ناقص رہ جائے گا اگر میں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں ہی اس کو بیان نہ کردوں چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا اور گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی۔ اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالٰی کے کلام کو اعتراض ہو بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا جو انواع اقسام کے بدعات میں مبتلا ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ ان کا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ "کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے"۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہل بیت رسالت کو بجالاؤں سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت پر حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دے دیتا تھا اور اس طرح

تمام دن روزہ میں گزارتا اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کروں سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ میں تمام دن رات میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا اور اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا یہاں تک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا خدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا......... غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع اقسام کے مکاشفات تھے۔ ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں میں نے کئی دفعہ خیال کیا کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا کہ انسان کسی حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے اور جب تک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے میرا یقین ہے کہ ایسا تنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا''۔ (کتاب البریہ روحانی خزائن جلد نمبر ۱۳ صفحہ ۱۹۶ تا ۲۰۰ حاشیہ)

عمدہ غذا کے اہتمام کے متعلق منشی عبدالحق لاہوری کا مشورہ

منشی عبدالحق صاحب اکونٹنٹ لاہوری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ میں ان احباب میں سے تھے جو مخلص سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں حضرت اقدس کو لاہور میں اگر کوئی کام ہوتا تھا تو منشی عبدالحق صاحب کو لکھا جاتا تھا۔ منشی عبدالحق صاحب۔ منشی الٰہی بخش صاحب اور حافظ محمد یوسف صاحب یہ ایک ہی پارٹی کے لوگ تھے اور اپنے وقت میں حضرت مسیح موعود سے محبت و اخلاص کا اظہار کرتے تھے۔ مگر فی الحقیقت ان کے ان اعمال میں ریا یا کسی اور مرض کی ملونی ضرور تھی۔ جس نے آخر کار ان کو الگ کر دیا۔ اس وقت چونکہ ان کا تذکرہ مقصود نہیں اس لئے محض تعارف کے لئے اس قدر لکھا گیا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اپنے مقام پر ان کے متعلق کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے گا۔

انہی منشی عبدالحق صاحب کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو امرتسر کے مقام پر آتھم کے مباحثہ کے ایام میں کھانے کے متعلق ایک مشورہ دیا میں خود اس مجلس میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے موجود تھا۔ اور میری آنکھوں کا دیکھا ہوا اور کانوں کا سنا ہوا واقعہ اور مکالمہ ہے۔ میرے محترم مخدوم الملت حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو لکھا ہے پس میں ان کے ہی الفاظ میں اس کو درج کر دیتا ہوں۔

"جن دنوں امرتسر میں ڈپٹی آتھم سے مباحثہ تھا (مئی ۱۸۹۳ء) ایک رات خان محمد شاہ مرحوم کے مکان پر بڑا مجمع تھا اطراف سے بہت سے دوست مباحثہ دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ حضرت اس دن جس کی شام کا واقعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں معمولاً سر درد سے بیمار ہو گئے تھے۔ شام کو جب

مشتاقان زیارت ہمہ تن چشم انتظار ہو رہے تھے حضرت مجمع میں تشریف لائے منشی عبد الحق صاحب لاہوری پنشنر نے کمال محبت اور رسم دوستی کی بناء پر بیماری کی تکلیف کی نسبت پوچھنا شروع کیا اور کہا "آپ کا کام بہت نازک اور آپ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے آپ کو چاہئے کہ جسم کی صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں اور ایک خاص مقوی غذا لازماً آپ کے لئے ہر روز تیار ہونی چاہئے"۔ حضرت نے فرمایا "ہاں بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف ہوتی ہیں کہ اور باتوں کی چنداں پروا نہیں کرتیں"۔ اس پر ہمارے پرانے موحد خوش اخلاق طبع مولوی عبد اللہ غزنوی کے مرید منشی عبد الحق صاحب فرماتے ہیں "اجی حضرت آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رعب پیدا نہیں کرتے میرا یہ حال ہے کہ میں کھانے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں اور ممکن ہے کہ میرا حکم کبھی ٹل جائے اور میرے کھانے کے اہتمام خاص میں کوئی سرمو فرق آجائے ورنہ ہم دوسری طرح خبر لے لیں"۔ میں ایک طرف بیٹھا تھا منشی صاحب کی اس بات پر اس وقت خوش ہوا۔ اس لئے کہ یہ بات بظاہر میرے محبوب و آقا کے حق میں تھی اور میں خود فرط محبت سے اسی سوچ بچار میں رہتا تھا کہ معمولی غذا سے زیادہ عمدہ غذا آپ کے لئے ہونی چاہئے۔ اور ایک دماغی محنت کرنے والے انسان کے حق میں لنگر کا معمولی کھانا بدل ما یتحلل نہیں ہو سکتا اس بنا پر میں نے منشی صاحب کو اپنا بڑا موید پایا اور بے سوچے سمجھے (درحقیقت ان دنوں الہیات میں میری معرفت ہنوز بہت سادرس چاہتی تھی) بوڑھے صوفی اور عبد اللہ غزنوی کی صحبت کے تربیت یافتہ تجربہ کار کی تائید میں بول اٹھا کہ ہاں حضرت منشی صاحب درست فرماتے ہیں حضور کو بھی چاہئے کہ درشتی سے یہ امر منوائیں۔ حضرت نے

میری طرف دیکھا اور تبسم سے فرمایا۔ "ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہئے" اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ذکی الحس آدمی اور ان دنوں تک عزت و بے عزتی کو دنیا داروں کی عرفی اصطلاح کے قالب میں ڈھالنے اور اپنے تئیں ہر بات میں کچھ سمجھنے اور ماننے والا! بس خدا ہی خوب جانتا ہے کہ میں اس مجمع میں کس قدر شرمندہ ہوا اور مجھے سخت افسوس ہوا کہ کیوں میں نے ایک لمحے کے لئے بھی بوڑھے تجربہ کار نرم خو صوفی کی پیروی کی۔

"برادران! اس ذکر سے جسے میں نے نیک نیتی سے لکھا ہے میری غرض یہ ہے کہ اس انسان میں جو مجبولاً پاکیزہ فطرت اور حقوق کا ادا کرنے والا اور اخلاق فاضلہ کا معلم ہو کر آیا ہے اور دوسرے لوگوں میں جنہیں نفس نے مغالطہ دے رکھا ہے کہ وہ بھی کسی کی صحبت میں کوئی گھاٹی طے کر چکے ہیں اور ہنوز وہی اخلاق سے ذرا بھی حصہ نہیں لیا بڑا فرق ہے"۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ مصنفہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۱۴ تا ۱۶)

کھانے کے متعلق گرفت کی عادت نہ تھی

منشی عبدالحق صاحب اور حضرت مخدوم الملت رضی اللہ عنہ کو تو یہ جواب دیا بایں کبھی کبھی اگر گھر میں کسی خاص کھانے کے لئے ہدایت فرماتے اور اس کی تعمیل کسی وجہ سے نہ ہوتی تو آپ اس پر گرفت نہ فرماتے چنانچہ خود حضرت مخدوم الملت فرماتے ہیں۔

"اگر کبھی کوئی خاص فرمائش کی ہے کہ وہ چیز ہمارے لئے تیار کر دو اور عین اس وقت کسی ضعف یا عارضہ کا مقتضا تھا کہ وہ چیز لازماً تیار ہی ہوتی اور اس کے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا اور کبھی کبھی جو لکھنے یا توجہ الی اللہ سے نزول کیا ہے تو یاد آگیا ہے کہ کھانا کھانا ہے اور منتظر ہیں کہ وہ چیز آتی ہے آخر وقت اس کھانے کا گزر گیا اور شام کے کھانے کا وقت آگیا

ہے اس پر بھی کوئی گرفت نہیں اور جو نرمی سے پوچھا ہے اور عذر کیا گیا ہے کہ دھیان نہیں رہا تو مسکرا کر الگ ہو گئے۔

"اللہ! اللہ!! ادنیٰ خدمت گار اور اندر کی عورتیں جو کچھ چاہتی ہیں پکاتی کھاتی ہیں اور ایسا تصرف ہے کہ گویا اپنا ہی گھر اور اثاث البیت ہے اور حضرت کے کھانے کے متعلق کبھی ذہول اور تغافل بھی ہو جائے تو کوئی گرفت نہیں کبھی نرم لفظوں میں بھی یہ نہ کہا کہ دیکھو یہ کیا حال ہے؟ تمہیں خوف خدا کرنا چاہئے۔ یہ باتیں ہیں جو یقین دلاتی ہیں کہ سرور عالم ﷺ کا فرمانا سچ ہے کہ میں اپنے رب کے ہاں سے کھاتا اور پیتا ہوں اور حضرت امام علیہ السلام بھی فرماتے ہیں ؎

من میزیم بوحی خدائے کہ بامن است -:- پیغام اوست چوں نفس روح پرورم

"حقیقت میں اگر یہ سچ نہ ہو تو کون تاب لا سکتا ہے اور ان فوق العادت فطرت رکھنے والے انسانوں کے سوا کس کا دل گردہ ہے کہ ایسے حالات پر قناعت کر سکے"۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مصنفہ حضرت عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۲۹، ۳۰)

میں نے یہ واقعات آپ کی خوراک دکھانے کے سلسلے میں بیان کئے ہیں لیکن ادنیٰ تامل یہ بات ان سے ظاہر اور ثابت ہے کہ آپ کا مقصد عالی ان چیزوں سے بالکل دور تھا۔ اسلام کی خدمت میں آپ اس قدر مصروف اور خود رفتہ رہتے تھے کہ کھانے کے اوقات یا اقسام کا خیال تک بھی نہ آتا تھا۔ اگر لذائذ زندگی اور حظ نفس ملحوظ ہوتا تو صبح سے شام تک انہیں چیزوں میں مصروف رہتے مگر یہاں حالت بالکل الگ واقع ہوئی۔

بڑے بڑے آدمیوں کی زندگیوں کے کھانے پینے کے اوقات کی پابندی بھی ایک ضروری چیز سمجھی گئی ہے۔ اور حقیقت میں ایک قابل قدر چیز ہے۔ لیکن جو شخص خدمت اسلام کو ہی مقدم کر چکا ہو اور جس کی زندگی کی غایت اور مقصود یہی ایک چیز

ہو وہ اس کی طرف ایک طفیلی چیز کی طرح توجہ کرتا ہے نہ اصل مقصد کے رنگ میں۔ آپ کا یہ استغراق خدا کے لئے تھا اپنے نفس کے لئے یا کسی کی وجہ سے نہ تھا۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن پر عمل

حسن عقیدت کی بنا پر نہیں بلکہ واقعات نفس الامری کے طور پر کہتا ہوں کہ آپ نے کھانے کا اہتمام و التزام اس نیت سے کبھی نہ کرایا کہ وہ حظ نفس کا کوئی ذریعہ ہو سکتا ہے بلکہ مقصد خورد و نوش سے مقصد حیات تھا اور متعدد واقعات اس کو بتاتے ہیں کہ آپ نے بعض چیزوں کو ایسے طور پر استعمال کیا جس سے زبان کوئی لطف ذائقہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اور یہ دلیل تھی اس امر کی کہ آپ کسی چیز کو ضرورتاً قیام زندگی کا ایک موجب سمجھ کر استعمال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس بہت سے سیب آئے اور جہاں تک مجھے یاد ہے یہ ڈالی میاں حاجی عمرڈار مرحوم نے بھجوائی تھی۔ آپ بجائے اس کے کہ سیب کو تراش کر کھاتے چند دانے لے کر ان کا پانی نکلوایا اور پی لیا۔ اور فرمایا کہ "میں اس لئے پیتا ہوں کہ قلب کے لئے مفید ہے" آپ کی زندگی میں اس قسم کے واقعات بہت ملیں گے۔

ادویات کا استعمال

آپ ادویات کا استعمال بھی فرماتے تھے اور پوری مقدار کھایا کرتے تھے۔ صبر کی گولیاں جن کو آپ "پیٹ کی جھاڑو" فرمایا کرتے تھے ہر وقت رومال میں بندھی رہتی تھیں ایسا ہی مشک بھی اس لئے کہ دوران سر کا دورہ بعض وقت اچانک ہو جاتا تھا۔

عادات و معمولات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل اور خوراک و لباس وغیرہ کے متعلق آپ کے عملی خصائص کے تذکرہ کے بعد میں آپ کے معمولات اور عادات پر کچھ لکھتا ہوں۔ اگرچہ ہر ایک باب بجائے خود ایک مستقل کتاب لکھوانی چاہتا ہے لیکن یہ

میرے امکان سے باہر ہے۔ اس لئے میں جو کچھ بھی لکھ سکتا ہوں لکھ دینا چاہتا ہوں بڑے بڑے اہل قلم اور نکتہ رس مورخ آئیں گے اور وہ خدا کے اس محبوب کے تذکروں سے دنیا کی ہر زبان میں ایک لذیذ اور ضخیم زخیرہ مہیا کریں گے۔

آپ کے معمولات کا خلاصہ تو صرف اسی فقرہ میں آجاتا ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر لحظہ دین کی خدمت اور اشاعت ہی کے لئے وقف تھا۔ آپ اپنے ہر سانس کو خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت اور تائید ہی میں بسر کرنا چاہتے تھے اور بسر کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر فرمایا کہ

"میرا تو یہ حال ہے کہ پاخانہ پیشاب پر بھی مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اتنا وقت ضائع ہو جاتا ہے کہ یہ بھی کسی دینی کام میں لگ جاوے"۔

اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کی زندگی قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا پورا نمونہ اور عملی تفسیر تھی۔ چونکہ عبادات پر علیحدہ بحث کی گئی ہے اس لئے میں اس حصہ کو اس جگہ درج نہ کروں گا بلکہ صرف ان امور کا تذکرہ میرے زیر نظر ہے جو عام طور پر معمولات و عادات میں آسکتے ہیں۔

نماز کے متعلق معمول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معمول شروع سے یہ تھا کہ آپ سنن اور نوافل گھر پر پڑھا کرتے تھے اور فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ التزام آپ کا آخر وقت تک رہا۔ البتہ جب کبھی فرض نماز کے بعد دیکھتے کہ بعض لوگ جو پیچھے سے آکر جماعت میں شریک ہوئے ہیں اور ابھی انہوں نے نماز ختم نہیں کی اور راستہ نہیں ہے تو آپ مسجد میں سنتیں پڑھا کرتے تھے۔ یا کبھی کبھی جب مسجد میں بعد نماز تشریف رکھتے تو سنن مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ و حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ بنصرہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت ناناجان وغیرہ کی شہادت

چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عام عادت تھی ایک زمانہ میں بعض طالب علموں نے اپنی کوتاہ اندیشی سے یہ سمجھ لیا کہ شاید سنن ضروری نہیں اس پر حضرت خلیفتہ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۶ ہجری کے درس قرآن مجید میں فرمایا۔

"حضرت صاحب (حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام) کی عادت تھی کہ آپ فرض پڑھنے کے بعد فوراً اندرون خانہ چلے جاتے تھے اور ایسا ہی اکثر میں بھی کرتا ہوں اس سے بعض نادان بچوں کو بھی غالباً" یہ عادت ہو گئی ہے کہ وہ فرض پڑھنے کے بعد فوراً مسجد سے چلے جاتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ وہ سنتوں کی ادائیگی سے محروم ہو جاتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت صاحب (علیہ الصلواۃ والسلام) اندر جا کر سب سے پہلے سنتیں پڑھا کرتے تھے۔ ایسا ہی میں بھی کرتا ہوں۔ کوئی ہے جو حضرت صاحب کے اس عمل درآمد کے متعلق گواہی دے۔ اس پر صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب جو حسب العادت مجلس درس میں تشریف فرما تھے کھڑے ہوئے اور باآواز بلند کہا بے شک حضرت صاحب کی ہمیشہ عادت تھی کہ آپ مسجد جانے سے پہلے گھر میں سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے اور باہر مسجد میں جاکر فرض ادا کر کے گھر میں آتے تو فوراً سنتیں پڑھنے کھڑے ہوتے۔ اور نماز سنت پڑھ کر پھر اور کوئی کام کرتے۔ ان کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے بھی یہی شہادت دی۔ اور ان کے بعد حضرت میر ناصر نواب صاحب نے اور ان کے بعد صاحبزادہ میر محمد اسحاق صاحب نے اور پھر حضرت اقدس (علیہ السلام) کے پرانے خادم حافظ حامد

علی صاحب (آج مرحوم) نے بھی اپنی عینی شہادت کا اظہار کیا۔'' (ایڈیٹر)

نوری ڈھونکا

فجر کی نماز کے بعد آپ تھوڑی دیر استراحت فرماتے جیسا کہ میں نے سیرت مسیح موعود (حیات احمد صفحہ ۱۸۴) کی پہلی جلد کے دوسرے نمبر میں ذکر کیا ہے اور آپ اس کو نوری ڈھونکا کہا کرتے تھے۔ یہ زمانہ قبل بعثت کی بات ہے۔ کہ آپ نے اس استراحت کو نوری ڈھونکا فرمایا۔ آپ کے اس معمول کا ذکر اور تصدیق مولوی عبداللہ صاحب سنوری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو اعجاز نما کرتہ کے متعلق انہوں نے بیان کی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ رات کا ایک بہت بڑا حصہ آپ عبادت اور دعا میں گزار دیتے تھے۔ اس لئے فجر کی نماز کے بعد آپ تھوڑی دیر کے لئے استراحت فرمالیا کرتے۔ عام عادت یہ ضرور تھی مگر بعثت کے بعد جب مصروفیت بڑھ گئی تو یہ حالت نہ رہی کبھی استراحت فرمالیتے اور کبھی نہیں۔ اور جب آپ مسجد میں فجر کی نماز کے بعد بیٹھ جاتے تو اس عرصہ میں آپ کے معمولات میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ عام طور پر خدام کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ یا کسی خواب یا الہام کا اظہار فرماتے اور اگر کسی کو کوئی خواب آیا ہو تو وہ سنتے اور اس کی تعبیر فرماتے۔ اور بعض عام معاملات پر بھی گفتگو فرماتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ طریق بالکل حضرت رحمتہ للعالمین ﷺ کے طریق عمل سے ملتا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ بعد نماز فجر مسجد میں بیٹھ جاتے اور آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے۔ اور اکثر صحابہ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا۔ اور آپ اس کی تعبیر کرتے یا اپنا کوئی رؤیا بیان کرتے۔ غرض یہی طریق حضرت مسیح موعود کے معمول میں پایا جاتا ہے جبکہ آپ فجر کی نماز کے بعد تشریف فرما ہوتے اور آفتاب کے اچھی طرح سے نکل آنے تک بیٹھے رہتے۔ اس موقعہ پر ہر قسم کی گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہتا اور کبھی کبھی بڑی لمبی تقریریں بھی آپ فرماتے۔ ان تمام امور کی تصریح اور تفسیر الحکم

اور بدر کی ڈائریوں میں ملے گی۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عہد نبوت میں قلم بند ہو کر شائع ہوئیں۔

خواب سننے اور سنانے کی عادت

میں نے سیرت مسیح موعود علیہ السلام (حیات احمد) کی پہلی جلد میں صفحہ ۸۴ پر اس امر کا ذکر کیا ہے کہ

"خوابوں کی تعبیر اور کیفیت کے سمجھنے کا بھی ایک خاص مذاق اور ملکہ تھا۔ گھر والے سب کے سب اور دوسرے لوگ بھی اس بات کے قائل تھے کہ علم تعبیر الرؤیا میں مرزا صاحب کو بہت مہارت ہے اور ان کی تعبیریں صحیح ہوتی ہیں"۔

پھر اسی جلد* کے دوسرے نمبر میں لالہ ملاوامل صاحب سے ابتدائی ملاقات کے سلسلہ میں صفحہ ۱۸۴ پر ان کی ہی روایت سے میں نے لکھا ہے کہ

"فجر کی نماز کے بعد حضرت مرزا صاحب کی عادت تھی کہ تھوڑی دیر سو جایا کرتے اور اس کو نوری ڈھونکا کہا کرتے تھے اس نوری ڈھونکے کی حالت میں ہم دکان کھولنے سے پہلے وہاں جاتے اور آپ کو جاجگاتے۔ وہ آواز دینے پر فوراً بلا کسی قسم کے اظہار ناراضگی یا تکاہل کے اٹھ بیٹھتے اور دریافت کرتے کہ کیا کیا خواب آئی ہے اگر کسی کو کوئی خواب آئی ہوتی یا انہیں آئی ہوتی تو بیان کرتے"۔

ایسا ہی اسی نمبر⊗ کے صفحہ ۲۴۳ پر "میاں غفار انمازی بن گیا" کے عنوان کے نیچے بھی آپ کی اس عادت شریفہ کا ذکر کیا ہے کہ اس کو نماز اور درود شریف پڑھنے کی تاکید کی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ

"جو خواب وغیرہ آیا کرے صبح کو سنایا کرو چنانچہ ہم سب کا یہ معمول ہو گیا اور تعبیر جو حضرت صاحب بیان کرتے وہ صحیح ثابت ہوتی"۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی سیرت المہدی میں بھی آپ کی

---

* حیات احمد جلد۱ ⊗ حیات احمد جلد۱

اس عادت شریفہ کا اظہار کیا ہے۔ کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت تھی کہ ہر شخص کی خواب توجہ سے سنتے اور بسا اوقات نوٹ بھی فرما لیتے (جلد اول صفحہ ۲۵)

غرض یہ امر تواتر کے طور پر ثابت ہے کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ خوابوں کو سنا کرتے اور ان کی تعبیر فرمایا کرتے۔ آپ کی بیان کردہ تعبیریں شائع ہو چکی ہیں اور خواب کی فلاسفی اس کے اقسام اور خواب کے متعلق بعض دوسرے ضروری امور اور جزئیات پر آپ نے نہایت لطیف۔ معقول اور عام فہم تقریریں فرمائی ہیں۔ یا اپنی تصانیف اور مکتوبات میں ذکر کیا ہے اور یہ خدا کا فضل ہے کہ ان تقریروں اور مکتوبات کو اس ہیچمیرز نے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

دوسرے آدمیوں کی بعض رؤیا اور کشوف پر جو سلسلہ سے متعلق ہوں یا اسلام کے لئے کسی رنگ میں موثر ہوں آپ خاص طور پر نوٹ فرماتے اور توجہ کرتے تھے۔

صاحب زادہ بشیر احمد صاحب نے اپنی رؤیا کا ذکر اپنی سیرت کے صفحہ ۲۵ پر کیا ہے۔ ایسا ہی حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی وہ مشہور رؤیا آپ نے اپنی نوٹ بک میں قلم بند کی جو جماعت میں تفرقہ اور فتنہ خلافت کے متعلق ہے۔ جس کا ذکر حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ۱۹۱۴ء کے سالانہ جلسہ پر کیا اور آپ کی وہ تقریر برکاتِ خلافت کے نام سے شائع ہوئی جس کے صفحہ ۳۴ لغایت ۳۸ پر اس کا ذکر ہے یہ رؤیا ۸ مارچ ۱۹۰۷ء کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ

"۸ مارچ کو میں نے یہ رؤیا دیکھی تھی اور وہ اس طرح کہ جس رات کو میں نے یہ رؤیا دیکھی اسی صبح کو حضرت والد ماجد کو سنایا۔ آپ سن کر نہایت متفکر ہوئے اور فرمایا کہ مسجد سے مراد تو جماعت ہوتی ہے شاید میری جماعت کے کچھ لوگ میری مخالفت کریں یہ رؤیا مجھے لکھوا دے چنانچہ میں لکھواتا گیا اور آپ اپنی الہاموں کی کاپی میں لکھتے گئے۔ پہلے تاریخ لکھی پھر یہ لکھا کہ محمود کی رؤیا۔ پھر تینوں رؤیا لکھیں۔ ان تینوں رؤیا

کے ارد گرد اس سے پہلی اور پچھلی تاریخوں کے الہام حضرت صاحب کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ (کاپی لوگوں کو دکھائی گئی) اور یہ کاپی اب تک میرے پاس ہے اور ہر ایک طالب حق کو دکھائی جا سکتی ہے"۔

(صفحہ ۳۷-۳۸)

اس سے آپ کی اس عادت کا پتہ لگتا ہے۔

اس ہیچ میرز راقم نے ایک دفعہ ۱۸۹۸ء میں ایک رؤیا دیکھی جو حضرت خلیفہ ثانی کے اقتدار اور اقبال و کامیابی پر دلالت کرتی ہے اور اس میں مجھے ایک کاغذ بھی دکھایا گیا جس پر لکھا ہوا تھا نظام الملک اور پھر وہ دن آگئے اور اس آخری فقرہ کے متعلق یہ بتایا گیا تھا کہ حضرت مسیح موعود کے اس الہام سے متعلق ہے۔ وہ دن آئیں گے کہ خدا تعالیٰ اپنی افواج کے ساتھ آئے گا۔

میں نے جب یہ خواب صبح کی نماز کے بعد سنائی تو یکایک حضرت کی طبیعت میں ایک جوش پیدا ہوا۔ اور فرمایا دعا کرو چنانچہ سب نے ہاتھ اٹھائے اور آپ نے بہت لمبی دعا کی۔

غرض آپ خوابوں کے سننے سنانے اور ان کی تعبیر کی ایک عادت رکھتے تھے اور یہ امر آپ کے معمولات میں داخل تھا۔

ہمیشہ باوضو رہنا آپ کے معمولات میں تھا

آپ کے معمولات اور عادت میں یہ بات داخل تھی کہ آپ ہمیشہ باوضو رہتے۔ مکرمی مولوی محمد فضل صاحب چنگوی نے نہج المصلّی کے صفحہ ۳۲ پر اور حضرت صاحب زادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی سیرت المہدی جلد اول کے صفحہ ۳ پر بروایت حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا لکھا ہے کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر ہر وقت باوضو رہتے تھے" مختلف سفروں میں خود میں نے بھی اس امر کا مشاہدہ کیا کہ آپ جب کبھی پیشاب یا رفع حاجت کر کے آتے تو وضو کر لیتے تھے۔

رات کو بھی تحریری کام کرنے کی عادت تھی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت شریف میں یہ بات داخل تھی کہ رات کو بھی عموماً" تحریر کا کام کیا کرتے تھے۔ اور یہ کام عموماً" موم بتیوں کی روشنی میں کرتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں دیسی چراغ جلایا کرتے تھے پھر بعثت کے بعد عموماً" موم بتی ہی سے کام لیا ہے۔ مٹی کے تیل کو آپ پسند نہ کرتے تھے۔ مگر ہری کین استعمال کی ہے۔

اخبار پڑھنے کی عادت

آپ کو اخبار پڑھنے کی بھی عادت تھی۔ اپنی بعثت سے پہلے اخبار وکیل ہندوستان۔ سفیر ہند امرتسر۔ نور افشاں لودہانہ۔ برادر ہند لاہور۔ وزیر ہند سیالکوٹ۔ منشور محمدی بنگلور۔ ودیا پرکاش امرتسر۔ آفتاب پنجاب لاہور۔ ریاض ہند امرتسر اور اشاعۃ السنہ بٹالہ خرید کر پڑھا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض اخبارات میں خود بھی مضامین لکھتے تھے۔ اخبار بینی کا مذاق آپ کو دائمی تھا۔ بعثت کے بعد مختلف زبانوں کے اخبارات قادیان میں آنے لگے۔ جو براہ راست غیر زبانوں کے اخبارات آپ کے پاس آتے تھے آپ ان کا ترجمہ کرا کر سنتے اور اگر ان میں کوئی مضمون اسلام کے خلاف ہوتا تو اس کا جواب لکھوا کر شائع کرتے تھے۔ اور جو خود پڑھ سکتے تھے وہ ضرور پڑھتے۔ اور اخبار کے پڑھنے کے متعلق آپ کا معمول یہ تھا کہ تمام اخبار پڑھتے اور معمولی سے معمولی خبر بھی زیر نظر رہتی۔ آخری زمانہ میں اخبار عام کو یہ عزت حاصل تھی کہ آپ روزانہ اخبار عام کو خریدتے تھے اور جب تک اسے پڑھ نہ لیتے رومال میں باندھ رکھتے تھے۔ اور بعض اوقات اخبار عام میں اپنا کوئی مضمون بھی بھیج دیتے تھے اخبار عام کی بے تعصبی اور معتدل پالیسی کو پسند فرماتے تھے۔

تصنیف و تالیف کے متعلق آپ کا معمول

آپ نے جب سے اشاعت حق کے لئے قلم ہاتھ میں لیا آپ کی عادت میں یہ امر داخل تھا کہ کاغذ کے نیچے کوئی چیز

بطور زیر مشق کے استعمال نہیں کی۔ بلکہ عام طریق یہ تھا کہ ایک سفید کاغذ بغیر رول کے لیکر اس کے دونوں طرف شکن ڈال لیا کرتے تھے جو قدیم طریق تھا۔ اور پھر جب لکھنے لگتے تو تھوڑے تھوڑے فاصلے سے بطور مسطر کے شکن ڈالتے اور لکھتے جاتے جب وہ صفحہ ختم ہو جاتا تو تازہ لکھے ہوئے حصہ کو اوپر کر کے شروع صفحہ والے حصہ کو الٹ لیتے اور اس طرح پر بغیر استعمال بلاٹنگ پیپر کے لکھتے جاتے۔ نہ آپ کو اس کے نیچے کسی چیز کے رکھنے کی ضرورت ہوتی اور نہ خشک کرنے کے لئے کسی بلاٹنگ پیپر کی۔ زمانہ بعثت سے پہلے آپ جب لکھتے تھے تو بہت سے کاغذات جو چھپے ہوئے ہوں اور کچھ حصہ ان کا سفید ہو ان پر لکھ لیا کرتے اور سیالکوٹی کاغذ استعمال کرتے تھے۔ جب فرنچ پیپر فل سکیپ سائز کا جاری ہوا تو اکثر آپ اسی پر لکھتے۔ اس وقت آپ دیسی کالی سیاہی اور واسطین کا قلم استعمال فرماتے تھے۔ لیکن جب آپ مامور ہو گئے اور بیعت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور انگریزی قلم عام ہو گئے اور بلیو بلیک سیاہی عام ہو گئی تو آپ نے لوہے کے قلم سے کام لینا شروع کیا۔ سیاہی عام طور پر آپ سرخ رنگ کی استعمال فرماتے تھے اور اخیر عمر میں ٹیڑھے نب استعمال فرماتے تھے۔ ایک زمانہ تک شمشیر قلم نب بھی آپ نے استعمال کئے ٹیڑھے نب کا رواج حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب نے دیا پھر یہی نب آپ کو پسند تھا۔ تحریر کے وقت حضور کی عادت تھی کہ گنگناتے بھی جاتے تھے۔ مضمون لکھ کر دوبارہ پڑھتے اور ہر دفعہ جب مضمون پر نظر ثانی کرتے تو اس میں اضافہ کرتے یہاں تک کہ کاپی اور پروف تک پر اضافہ کرتے جاتے اور آخری پروف تک بھی بعض اوقات ایزادی ہوتی رہتی تھی۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ آپ کے دماغ میں مضامین کی آمد کس زور سے تھی اور اس کا چشمہ کوئی دوسری ہستی تھی۔

تحریر کے وقت یہ بھی آپ کی عادت شریف میں داخل تھا کہ اکثر ٹہل کر لکھا کرتے تھے اور اس مطلب کے لئے دو طرف دوات رکھ لیا کرتے تھے ٹہلتے بھی جاتے اور لکھتے بھی جاتے تھے۔ بعض لوگوں کو آپ کی اس عادت پر تعجب بھی ہوا کہ ٹہل کر

کتاب پڑھی تو جاتی ہے مگر لکھی نہیں جاتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی اس عادت کو خود جب ذکر فرماتے تھے تو یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہی وجہ ہے کہ ہمارے مضامین چلتے پھرتے ہیں یعنی ان میں حس اور زندگی ہے۔

خطوط نویسی میں آپ کی عادت

جب آپ اپنے کسی خادم کو خط لکھتے تو ہمیشہ آپ کی عادت میں داخل تھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور نحمدہ و نصلی سے ابتدا کیا کرتے اور آپ کے خط میں القاب عام طور پر حبی فی اللہ۔ اخویم ہوا کرتے تھے اور مکرمی بھی لکھا کرتے تھے۔ خواہ کوئی شخص بظاہر کتنے ہی چھوٹے درجہ کا ہو۔ اور آپ کے ساتھ جو لوگ ارادت اور عقیدت کا تعلق رکھتے وہ آپ کے غلاموں کے غلام ہونا اور کہلانا بھی اپنی عزت سمجھتے تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کو ہمیشہ اکرام اور احترام کے الفاظ سے یاد فرمایا کرتے تے اور آپ کی عادت میں تھا ہی نہیں کہ کسی کو صرف نام لیکر پکاریں بلکہ کوئی نہ کوئی تعظیمی لفظ شامل کر لیتے اور جمع کا صیغہ بغرض تعظیم استعمال فرماتے تھے۔ آپ کہہ کر خطاب کرتے۔ یہ تمام امور آپ کے مکتوبات کے ملاحظہ سے عیاں ہیں جن کی کچھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور بعض اپنے اپنے وقت پر انشاء اللہ العزیز شائع ہو جائیں گی۔ آج تک ان مکتوبات کی اشاعت کی توفیق (بجز ایک کتاب کے) اسی عاجز کو ملی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

سیر کی عادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت میں یہ بات بھی داخل تھی کہ آپ روزانہ سیر کو جایا کرتے تھے اور یہ عادت آپ کو اس وقت سے تھی جب سے آپ نے ہوش سنبھالا تھا ابتداءً تنہا جایا کرتے تھے۔ پھر جب لالہ ملاوامل اور شرمپت رائے آپ کے پاس آنے جانے لگے تو یہ لوگ بھی سیر میں ساتھ ہوا کرتے تھے۔ اور سیر کا وقت سردی کے دنوں میں آٹھ یا نو بجے اور گرمیوں میں صبح ہی جیسا کہ میں حیات احمد کے صفحہ ۱۸۴ پر درج کر آیا ہوں کہ لالہ ملاوامل کہتے ہیں۔

"سردیوں کے دنوں میں آٹھ یا نو بجے کے قریب اور گرمیوں میں صبح ہی سیر کو چلے جاتے۔ اور دو اڑھائی میل تک ہوا خوری کے لئے جاتے۔ اور اس عرصہ میں واقعات جاریہ اور مذہبی معاملات پر تبادلہ خیالات ہوتا تھا۔ اور کبھی کبھی تفریح مگر نہایت پاک اور بے ضرر تفریح کی باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں"۔

تفریح انسان کی فطرت میں داخل ہے اس لئے فطرت صحیحہ کا یہ صحیح نقشہ ہے اور انبیاء جو انسانوں کی راہنمائی کے لئے آتے ہیں وہ زندگی کے ہر شعبہ اور صیغہ میں اسوہ حسنہ ہوتے ہیں۔ پس مزاح اور تفریحی امور میں بھی وہ کامل نمونہ ہوتے ہیں۔ یہ سلسلہ سیر کا اخیر عمر تک بدستور جاری رہا۔ اور سفر۔ حضر میں کبھی بند نہیں ہوا۔ یعنی جب آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے مثلاً لودہانہ۔ لاہور سیالکوٹ۔ دہلی وغیرہ تو بھی آپ نے سیر کے سلسلہ کو بند نہیں کیا۔

بعثت اور ماموریت کے بعد جب لوگوں کی کثرت ہوئی تو سیر کا نظارہ ایک قابل دید نظارہ ہوتا تھا۔ اور آج قلم میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظارہ کی دلچسپیوں کا مرقع کھینچ سکے۔ خدام کی جماعت کا ایک تانتا لگا ہوا ہوتا تھا۔ اور کئی سو گز کے فاصلے تک یہ جماعت پھیلی ہوئی ہوتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عصا ہاتھ میں لئے ہوئے چلے جایا کرتے تھے اور تمام راستہ میں تعلیم اسلام اور حقائق و معارف قرآنی کا ایک دریا موجیں مارتا ہوا بہا کرتا تھا۔ میں ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہوں (والحمد للہ علیٰ ذالک) کہ خدا تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ ان سیروں کے حالات الحکم کے ذریعہ شائع کرنے کے قابل رہا۔ صبح کی سیر الحکم کا ایک خاص عنوان ہوا کرتا تھا آپ نے بیماری میں بھی اس سیر کو بہت ہی کم ملتوی کیا۔ بلکہ بیماری کا ایک علاج سمجھتے تھے۔ اور فی الحقیقت فائدہ ہوا کرتا تھا۔ آپ کے معمولات سیر میں یہ بات بھی داخل تھی کہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب اور حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر تھوڑی دیر ٹھہر کر ان کا انتظار بھی فرمالیا کرتے تھے۔ اور

جب حضرت مولوی صاحب ساتھ ہوتے اور وہ چونکہ سبک رفتار تھے پیچھے رہ جاتے اور حضرت اقدس کو معلوم ہوتا تو اکثر ٹھہر کر ان کو ساتھ ملا لیتے اور سیر کے فاصلے کو مختصر کر دیتے۔

بعض خاص دوستوں کی مشایعت کے لئے آپ دور تک تشریف لے جایا کرتے ان معزز احباب میں سے جن کو یہ عزت نصیب ہوئی حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ عنہ۔ مولوی حسن علی صاحب مرحوم سیٹھ عبدالرحمان صاحب مرحوم مدراسی۔ مفتی محمد صادق صاحب۔ مسٹر ڈکسن صاحب سیاح۔ نواب مہدی نواز جنگ۔ منشی محمد اروڑا مرحوم کے نام میں اس جگہ بیان کرتا ہوں اور یوں یہ عزت اور سعادت اکثر کے حصہ میں آئی ہے ممکن ہوا تو اکرام ضیف میں اس کا بیان وضاحت سے کیا جائے گا۔

آپ کی یہ عادت چلنے پھرنے کی ایسی عام تھی کہ ریلوے کے سفر میں بھی آپ کو جہاں گاڑی کا انتظار کرنا پڑتا پلیٹ فارم پر ٹہلتے رہتے تھے۔

سیر کے لئے کبھی کبھی آپ بالکل تنہا بھی چلے جاتے تھے۔ اور کسی کو علم بھی نہ دیتے تھے۔ جب ایسی حالت ہوتی تھی تو اس وقت آپ کا مقصد جنگل میں چھپ کر دعا کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر خود آپ نے لکھا ہے جو نزول المسیح روحانی خزائن جلد ۱۸ کے صفحہ ۶۱۲ پیشگوئی نمبر ۱۱۷ کے ضمن میں شائع ہوا ہے کہ

> "ایک دفعہ ہمیں اتفاقاً پچاس روپیہ کی ضرورت پیش آئی اور جیسا کہ اہل فقر اور توکل پر کبھی کبھی ایسی حالت گزرتی ہے اس وقت ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ سو جب ہم صبح کے وقت سیر کے واسطے گئے تو اس ضرورت کے خیال نے ہم کو یہ جوش دیا کہ اس جنگل میں دعا کریں پس ہم نے ایک پوشیدہ جگہ میں جاکر اس نہر کے کنارہ پر دعا کی جو قادیان سے تین میل کے فاصلہ پر بٹالہ کی طرف واقعہ ہے۔ جب ہم دعا کر چکے تو دعا کے ساتھ ہی ایک الہام ہوا جس کا ترجمہ یہ ہے "دیکھ میں تیری دعاؤں کو کیسے جلد

قبول کرتا ہوں"۔ تب ہم خوش ہو کر قادیان کی طرف واپس آئے اور بازار کا رخ کیا۔ تاکہ ڈاک خانہ سے دریافت کریں کہ آج ہمارے نام کچھ روپیہ آیا ہے یا نہیں۔ چنانچہ ہمیں ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ پچاس روپیہ لدھیانہ سے کسی نے روانہ کئے ہیں اور غالباً وہ روپیہ اسی دن یا دوسرے دن ہمیں مل گیا"۔

کبھی کبھی آپ حضرت ام المومنین کو بھی ہمراہ لے کر سیر کو تشریف لے جایا کرتے تھے۔ معمولات یا آداب سیر میں یہ مشاہدہ میں آیا کہ کوئی ترتیب صف بندی کے طور پر نہ ہوتی تھی۔ چونکہ ہر شخص کو یہ خیال ہوتا تھا کہ میں حضرت کے قریب رہوں اس لئے ایک دوسرے پر گویا گرے پڑتے تھے۔ اور بسا اوقات اکثر لوگ آپ سے آگے ہو جاتے تھے۔ مگر کبھی آپ نے کسی کو نہ کہا کہ کیوں آگے ہو گئے ہو۔ اور بعض دفعہ لوگوں کی ٹھوکر سے آپ کا عصا گر پڑتا تو آپ کبھی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھتے کہ کس کی بے احتیاطی سے ایسا ہوا۔ گرد و غبار اڑ کر آپ کے کپڑے خاک آلودہ ہو جاتے تھے مگر آپ پروانہ کرتے اور نہ کبھی ذکر کرتے بلکہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم الملت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ آپ جب سیر کو تشریف لے جاتے ہیں آپ کو گرد و غبار کے اڑنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے آپ کا چہرہ اور کپڑے سب گرد آلود ہو جاتے ہیں آپ ان لوگوں کو منع کر دیں کہ ساتھ نہ چلا کریں ایک دو آدمی ہمراہ لے جایا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ

"مجھے کوئی تکلیف نہیں بلکہ بہت بڑی خوشی ہے میں ان کو اس بات سے روک نہیں سکتا یہ خدا کا فعل ہے خدا نے ہمیں یہی فرمایا ہے وَلَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ یعنی لوگوں کی ملاقات سے ہرگز نہ تھکنا"۔

جب آپ واپس ہوتے تھے تو اکثر لوگ کوشش کرتے کہ ان کو یہ سعادت نصیب ہو کہ وہ اپنے رومال یا پگڑی سے اس گرد و غبار کو صاف کریں۔

سیر کے لئے آپ عموماً بسراواں کی طرف یا بوٹر کی طرف جاتے تھے۔ بہت شاذ

ننگل کی طرف اور بٹالہ کی طرف جاتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں عام طور پر بوٹر کی طرف جایا کرتے تھے اور شام کو بھی تشریف لے جاتے تھے۔

مطالعہ کتب کی عادت

شروع ہی سے آپ کو مطالعہ کتب کا شوق تھا چونکہ آپ کا خاندان ہمیشہ سے ایک علم دوست خاندان تھا۔ ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی آپ کے ہاں تھا جس میں ہر قسم کی کتابیں موجود تھیں۔ آپ اکثر گوشہ تنہائی میں رہتے اور مطالعہ کتب میں مصروف رہتے۔ آپ کی عادت شریف میں یہ بات داخل تھی کہ جب آپ کمرہ کے اندر رہتے تو ہمیشہ دروازہ بند کر کے زنجیر لگا دیتے۔ آپ کو مذہبی اور دینی کتب کے مطالعہ کا شوق تھا اور سب سے زیادہ قرآن شریف ہی کو آپ پڑھتے تھے۔ مختلف مذاہب کی کتابوں کو بھی پڑھتے تاکہ ان کی حقیقت سے واقف ہوں اور اسلام کی حقیقت اور برتری جملہ ادیان پر ثابت کر سکیں۔

بعثت کے بعد چونکہ آپ کی مصروفیت بہت بڑھ گئی تھی اور سلسلہ کے انتظام اور تالیف و تصنیف کے کاموں سے فرصت بہت ہی کم ملتی تھی اس لئے یہ مطالعہ بھی ضرورتاً کم ہو گیا۔ اور ابتدائی زمانہ کے مطالعہ کتب کی کیفیت باقی نہ رہی تاہم کوئی عجیب اور نئی کتاب آتی تو آپ اسے پڑھ لیتے اور اگر انگریزی میں ہوتی تو اس کا خلاصہ اور ضروری حصص سن لیتے۔ میں آپکی اس عادت پر کسی قدر وضاحت سے حیاتِ احمد جلد اوّل میں لکھ آیا ہوں۔

معمولات مجلس

مجلس میں جب آپ تشریف رکھتے تھے تو عام طور پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے۔ جبکہ آپ فرش پر بیٹھے ہوتے تھے اور جب مسجد کے شہ نشین پر بیٹھتے تو ہمیشہ اس طریق سے نشست فرماتے تھے جس طرح پر کرسی پر بیٹھا کرتے ہیں۔ گرمی کے موسم میں دستار مبارک اتار کر رکھ لیا کرتے تھے۔

تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آپ کے منہ سے بہت آہستہ مگر اثر اور درد میں ڈوبی ہوئی آواز میں سبحان اللہ سنا جایا کرتا تھا۔ اگر کوئی تذکرہ نہ شروع ہو تو آپ علی

العموم خاموش رہتے اور کلام کرتے وقت ابتداءً آواز ذرا نرم اور دھیمی ہوتی تھی مگر پھر رفتہ رفتہ بلند ہوتی جاتی تھی خصوصاً جب آپ تبلیغی تقریر کر رہے ہوں یا کسی معترض کا جواب دے رہے ہوں تو آپ کی تقریر میں ایک خاص جوش۔ قوت اور اثر ہوتا۔ اگر دستار مبارک پہنے ہوئے ہوں اور خاموش بیٹھے ہوں تو شملہ کا پلہ دہن مبارک پر رکھ لیا کرتے تھے۔ اور جب کسی کو خطاب کرتے تو ہمیشہ ایسے الفاظ سے جن میں اکرام پایا جاوے۔ "آپ" کے لفظ سے خطاب کرتے۔

مجلس میں کبھی کوئی لغو بات نہ ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اپنا حال سنانے لگے یا کوئی مضمون نظم و نثر سنانے کے لئے اجازت مانگے تو آپ کبھی نہ روکتے اور نہ درمیان میں بولتے سنتے رہتے خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو دوسرے ناپسند کرتے ہوں مگر آپ کبھی بھی اشارتاً کنایتاً یا صراحتاً اس کی مذمت نہ کرتے۔ البتہ اگر کوئی خاص دینی پہلو ہو اور اس کی غلطی کی عدم اصلاح سے نقصان ہوتا ہو تو نہایت ہی لطیف پیرائے میں اس کی اصلاح فرما دیتے۔

بات کرتے وقت جوش میں ران پر ہاتھ بھی مارتے تھے......... جب تک مجلس میں بیٹھتے اور کوئی موقعہ کلام کا آتا تو ہمیشہ قرآن کریم کے حقائق و معارف اور دشمنان اسلام کی تردید پر گفتگو ہوتی رہتی۔ واقعات حاضرہ پر بھی کبھی کبھی سلسلہ گفتگو شروع ہو جاتا۔ غرض حالات وقت کے لحاظ سے بھی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ اور بعض وقت ایسی بات بھی ہو جاتی جو تھوڑی دیر کے لئے حاضرین میں کسی لطیفہ کا رنگ پیدا کر دیتی تھی۔ مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ آپ کی مجلس میں کوئی ایسا مزاح ہوا ہو جو اخلاقی حیثیت سے گرا ہوا سمجھا جاوے۔

معمولات سفر

آپ کو سیر و سیاحت کا بطور تفریح کے کبھی شوق اور عادت نہ تھی اور کوئی سفر محض اس نیت اور خیال سے آپ نے نہیں کیا۔ زمانہ بعثت سے پہلے آپ کو بعض مقدمات کی پیروی کے لئے اپنے والد صاحب مرحوم و مغفور کی اطاعت کے لئے جانا پڑتا تھا۔ اور یہ سفر بٹالہ۔ گورداسپور۔ ڈلہوزی

اور لاہور تک محدود تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے سیالکوٹ اور جموں کے دو سفر بغرض ملازمت کئے۔ ہاں اس حصہ عمر میں بعض صلحا کے پاس بھی آپ جایا کرتے تھے۔ جس کا ذکر میں حیات احمد جلد اوّل میں کر چکا ہوں۔

بعثت کے بعد آپ کے سفروں کی غرض و غایت صرف اعلائے کلمتہ الاسلام اور تبلیغ دین قویم تھی۔ اور اسی میں ان سفروں کو بھی میں شامل کرتا ہوں جو اس حصہ زندگی میں آپ کو ان مقدمات کی پیروی کے لئے کرنے پڑے جو اسلام کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں نے آپ پر یا آپ کی جماعت کے بعض افراد پر کئے۔ یہ سفر گورداسپور۔ بٹالہ۔ دھاریوال۔ پٹھان کوٹ۔ جہلم ملتان تک بغرض پیروی مقدمات اور امرتسر۔ جنڈیالہ۔ لاہور۔ جالندھر۔ کپور تھلہ۔ پٹیالہ۔ سنور۔ علی گڑھ۔ انبالہ۔ فیروزپور۔ لودہانہ۔ دہلی تک بغرض تبلیغ و دعوت حق کئے۔ ان سفروں کی تفاصیل کے لئے یہ مقام نہیں بلکہ اس کتاب میں دوسری جگہ ہے۔ یہاں صرف آپ کے معمولات سفر کا بیان مقصود ہے۔

ان سفروں میں جو آپ نے بعثت سے پہلے زمانہ میں حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب قبلہ مرحوم و مغفور کی اطاعت پیروی کا نمونہ دکھانے کے لئے کئے آپ کے معمولات بہت مختصر تھے۔ کسی قسم کا سامان آپ ساتھ نہیں لیتے تھے۔ صرف وہی لباس ہوتا تھا جو آپ پہنے ہوئے ہوتے تھے۔ اور ایک مختصر سا بستر ایک لوٹا اور ایک گلاس بھی لیا کرتے تھے۔

بعثت کے بعد سفروں کی نوعیت بھی تبدیل ہو گئی اور سفروں میں ایک جماعت ساتھ ہوا کرتی تھی۔ اس لئے آپ کا معمول تھا کہ بہت سی موم بتیاں۔ مختلف قسم کی ضروری ادویات دیا سلائی وغیرہ تک ساتھ رکھا کرتے تھے تاکہ جب جس چیز کی ضرورت ہو تلاش نہ کرنی پڑے چونکہ اس وقت تک انڈی پنڈنٹ قلم نہ نکلے تھے۔ قلم۔ کاغذ۔ دوات یہ چیزیں بھی ساتھ رکھا کرتے تھے۔ لمبے سفروں میں جو تبلیغی سفر تھے عام طور پر حضرت ام المومنین اور بچوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ یکہ کی سواری میں آپ

اندر بیٹھا کرتے تھے۔ اور ریلوے کے سفر میں سیکنڈ کلاس میں ابتداء "تھرڈ اور انٹر میں سفر کیا کرتے تھے۔ مگر آپ تھرڈ۔ انٹر یا سیکنڈ کی کوئی تمیز یا خصوصیت نہ کرتے تھے بلکہ صرف بیت الخلا کی ضرورت کے لحاظ سے درجہ کو پسند کرتے تھے۔ اس لئے کہ آپ کو بار بار پیشاب آتا تھا۔ اور عام طور پر آپ کا طریق تھا کہ علی الصباح سفر پر روانہ ہوتے۔ جب ریلوے سفر ہوتا تو ریل کے اوقات کے لحاظ سے بعد دوپہر بھی روانہ ہوتے۔ رات کے پہلے حصہ میں سفر کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ تھوڑی دیر آرام کر کے پھر سفر کرنا چاہئے۔ اور ثابت نہیں ہے کہ رات کے ابتدائی حصہ میں کبھی آپ نے سفر کیا ہو۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے سفر کا آغاز رات کے ابتدائی حصے میں کیا ہو۔ ریل کے سفر میں بھی اس کو ملحوظ رکھتے تھے۔

حضرت مسیح موعود اور فلسفہ اخلاق

اگرچہ سیرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ حصہ آپ کے شمائل و اخلاق کے لئے مخصوص ہے اور مجھ کو آپ کے اخلاقی کمالات اور اعجاز ہی کی تفسیر واقعات کی روشنی میں کرنی چاہئے۔ مگر اس سے پیشتر کہ میں آپ کے مختلف اخلاقی فضائل کو دکھاؤں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فلسفہ اخلاق پر مختصر سی بحث کروں۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ حقیقت اخلاق کو جس طرح پر حضرت مسیح موعود نے بیان کیا ہے اس کی نظیر گزشتہ تیرہ سو سال کے اندر امت محمدیہ میں نہیں ملتی۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے فلسفہ اخلاق اور حضرت مسیح موعود کے فلسفہ اخلاق میں امتیاز

حضرت امام غزالی علیہ الرحمتہ نے بھی احیاء العلوم میں فلسفہ اخلاق کو بیان کیا ہے گو ان کا فلسفہ اخلاق تمام تر یونانی حکما کے اصولوں سے مستنبط ہے۔ جس کو انہوں

نے ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق (جو یونانی فلسفہ اخلاق کا نچوڑ ہے) سے لیا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ فلسفہ اخلاق پر لکھا ہے اور بیان کیا ہے وہ خدا تعالیٰ کے خاص علم اور تفہیم و تعلیم کا عطر ہے جیسا کہ میں آگے چل کر دونوں کے فلسفہ اخلاق میں ایک موازنہ قائم کرکے دکھاؤں گا۔ (انشاء اللہ العزیز)

خُلق کی تعریف دونوں کی نظر میں

خُلق کی تعریف میں امام صاحب فرماتے ہیں:

"روح میں ایسے ملکہ راسخہ کا پایا جانا جس کی وجہ سے انسان سے اچھے یا برے افعال بلا تکلف آپ سے آپ سرزد ہوں"۔

(الغزالی مصنفہ علامہ شبلی نعمانی صفحہ ۷۷)

آگے چل کر امام صاحب نے لکھا ہے کہ :

"خُلق کے وجود کے لئے افعال کا صادر ہونا شرط نہیں صرف یہ شرط ہے کہ طبیعت میں اس قسم کی کیفیت موجود ہو کہ اگر کام کرنے کے سامان اور مواقع ہاتھ آئیں تو بلا تکلف وہ کام ظہور میں آئے"۔

(الغزالی مصنفہ علامہ شبلی نعمانی صفحہ ۷۸)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نفس اخلاق کے متعلق یہ بتایا ہے کہ طبعی جذبات بطور امہات الاخلاق ہیں اور اخلاق کا کمال روحانیت کے کمال کو پیدا کرتا ہے آپ نے طبعی جذبات اور اخلاق میں ایک امتیاز کرکے دکھایا ہے جو غزالی اور دوسرے فلاسفروں کی تصنیفات میں نہیں پایا جاتا۔ خواہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے۔

پہلی بات جو حضرت مسیح موعود کے فلسفہ اخلاق کو تمام ماہرین نفسیات اور اخلاقیات سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ آخر الذکر لوگ طبعی جذبات اور اخلاقی امور میں مابہ الامتیاز نہیں قائم کر سکے۔ برخلاف اس کے حضرت مسیح موعود نے ایک مابہ الامتیاز قائم کرکے دکھایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"خدا کے پاک کلام نے تمام نیچرل قوی اور جسمانی خواہشوں اور

تقاضوں کو طبعی حالات کی مد میں رکھا ہے۔ اور وہی طبعی حالتیں ہیں جو بالارادہ ترتیب اور تعدیل اور موقعہ بینی اور محل پر استعمال کرنے کے بعد اخلاق کا رنگ پکڑ لیتی ہیں۔ ایسا ہی اخلاقی حالتیں روحانی حالتوں سے کوئی الگ باتیں نہیں ہیں بلکہ وہی اخلاقی حالتیں ہیں جو پورے فنا فی اللہ اور تزکیہ نفس اور پورے انقطاع الی اللہ اور پوری محبت اور پوری محویت اور پوری سکینت اور اطمینان اور پوری موافقت باللہ سے روحانیت کا رنگ پکڑ لیتی ہیں۔ طبعی حالتیں جب تک اخلاقی رنگ میں آئیں کسی طرح انسان کو قابل تعریف نہیں بناتیں۔ کیونکہ وہ دوسرے حیوانات بلکہ جمادات میں بھی پائی جاتی ہیں ایسا ہی مجرد اخلاق کا حاصل کرنا بھی انسان کو روحانی زندگی نہیں بخشتا بلکہ ایک شخص خدا تعالیٰ کے وجود سے ہی منکر رہ کر اچھے اخلاق دکھلا سکتا ہے۔ دل کا غریب ہونا یا دل کا حلیم ہونا یا صلح کار ہونا یا ترک شر کرنا اور شریر کے مقابلہ پر نہ آنا یہ تمام طبعی حالتیں ہیں اور ایسی باتیں ہیں جو ایک نااہل کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں جو اصل سرچشمہ نجات سے بے نصیب اور ناآشنا محض ہے"۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی: روحانی خزائن جلد نمبر ۱۰ صفحہ ۳۲۵-۳۲۶)

گویا آپ نے انسانی معراج اور انسانیت کا کمال ہر ایک خلق کو محل اور موقعہ پر استعمال کرنے میں بتایا ہے جس سے وہ روحانیت ملتی ہے جس کے ذریعہ انسان خدا کی راہ میں وفاداری کے ساتھ قدم مارتا اور اسی کا ہو جاتا ہے اور پھر جو اس کا ہو جاتا ہے اس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ اور اس مقام پر وہ عارف ہوتا ہے۔ جو خدا کی ایک مچھلی ہے اور اس کے ہاتھ سے ذبح کی گئی ہے اور اس کا پانی خدا کی محبت ہے۔

اوپر میں نے بتایا ہے کہ حضرت امام غزالی علیہ الرحمتہ نے یونانی فلسفہ کا خلاصہ اور نچوڑ یہ بتایا ہے کہ وہ طبیعت میں ملکہ راسخہ کے ہوئے ہی کو اخلاق سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام طبعی حالتوں کو نہایت ادنیٰ درجہ دیتے ہیں اور

وہ اپنی طبعی حالتوں میں قطعاً اخلاق کہلانے کی مستحق نہیں ہیں کیونکہ محض طبعی حالتوں میں بعض اوقات درندے بھی انسان سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ان پر خلیق کے لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ایک کتے یا بکری یا بعض دوسرے پالتو جانوروں سے اپنے مالک کے ساتھ محبت اور انکسار ظاہر ہو تو اس کتے یا بکری یا جانور کو خلیق نہیں کہیں گے اس طرح پر حضرت مسیح موعود نے طبعی حالتوں اور اخلاقی حالتوں میں ایک امتیاز کر کے دکھایا ہے اور اس فلسفہ اخلاق کی بنیاد آپ نے قرآن کریم پر رکھی ہے۔ یونانیوں یا دوسرے فلاسفروں کے تخیلات پر اس کی بنیاد نہیں رکھی۔ یہ وہ امتیاز ہے جو قیامت تک قرآن کریم کی شان بلند کا اظہار کرے گا۔ اور حضرت مسیح موعود کو اخلاقیات کے تمام معلموں اور فلاسفروں سے اعلیٰ مقام پر کھڑا کرے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پیشتر کچھ شک نہیں اخلاق پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر اس حقیقت کو کسی نے منکشف نہیں کیا۔

خُلق اور خَلق کے بیان میں غزالی اور مہدی کا امتیاز

خُلق اور خَلق کے متعلق امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ :-

"خُلق اور خَلق قریب المعنی الفاظ ہیں جو اکثر ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا خُلق اور خَلق دونوں اچھا ہے یعنی اس کا ظاہر بھی اچھا ہے۔ اور باطن بھی" (الغزالی : مصنفہ علامہ شبلی نعمانی صفحہ 77)

اس کا مقابلہ کرو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان سے۔ آپ فرماتے ہیں :

"جاننا چاہیئے کہ خَلق خاء کی فتحہ سے ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق خاء کے ضمہ سے باطنی پیدائش کا نام ہے اور چونکہ باطنی پیدائش اخلاق سے ہی کمال کو پہنچتی ہے نہ صرف طبعی جذبات سے اس لئے اخلاق

پر ہی یہ لفظ بولا گیا ہے۔ طبعی جذبات پر نہیں"

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد نمبر۱۰ صفحہ ۳۳۲)

پھر اس حقیقت کو آپ نے کسی قدر وضاحت سے آگے چل کر یوں بیان کیا ہے کہ :

"یہ بات بھی بیان کر دینے کے لائق ہے کہ جیسا کہ عوام الناس خیال کرتے ہیں کہ خُلق صرف حلیمی اور نرمی اور انکسار کا نام ہے یہ ان کی غلطی ہے۔ بلکہ جو کچھ بمقابلہ ظاہری اعضاء کے باطن میں انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئی ہیں ان سب کیفیتوں کا نام خُلق ہے۔ مثلاً انسان آنکھ سے روتا ہے اور اس کے مقابل پر دل میں ایک قوّت رقّت ہے وہ جب بذریعہ عقل خداداد کے اپنے محل پر مستعمل ہو تو وہ ایک خُلق ہے۔ ایسا ہی انسان ہاتھوں سے دشمن کا مقابلہ کرتا ہے اور اس حرکت کے مقابلہ پر دل میں ایک قوّت ہے جس کو شجاعت کہتے ہیں علی ہذا القیاس"

(اسلامی اصول کی فلاسفی: روحانی خزائن جلد نمبر۱۰ صفحہ ۳۳۲)

اب حضرت غزالی اور حضرت مسیح موعود کے فلسفہ اخلاق کا امتیاز اور کمال صاف صاف اور کھلا کھلا نظر آتا ہے۔ غرض طبعی حالت اور اخلاقی حالت میں کسی نے امتیاز کر کے نہیں بتایا یہ یگانہ فخر قابل ناز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہے۔

اقسام خُلق کے بیان میں
حضرت مسیح موعود کا یگانہ طریق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خُلق کے اقسام یا ارکان بیان کرنے میں بھی جس جدت کو اختیار کیا ہے وہ بجائے خود ایک اعجازی رنگ رکھتی ہے۔ غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ :-

"خُلق کے اقسام بہت ہیں لیکن اصلی ارکان جس سے اور تمام

شاخیں نکلتی ہیں چار ہیں۔ علم۔ غضب۔ شہوت اور عدل۔ انہیں قوتوں کے اعتدال کا نام حسنِ خُلق ہے"۔ (الغزالی مصنفہ علامہ شبلی نعمانی صفحہ ۷۸)

الغزالی کے مصنف مولانا شبلی نے رکن چہارم عدل کا خود ہی انکار کر کے تین رکن اخلاق کے بتائے ہیں۔ مجھ کو یہاں اس پر تبصرہ اور تنقید نہیں کرنا ہے کہ غزالی اور شبلی میں سے کون حق پر ہے بلکہ مجھ کو یہ دکھانا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے تقسیم اخلاق میں جو طریق اختیار کیا ہے وہ ممتاز اور یگانہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے طبعی حالتوں کی تعدیل اور ترتیب اور بر محل استعمال کو اخلاق قرار دیا۔ اور اس کی اقسام میں بتایا کہ

"اخلاق دو قسم کے ہیں اول وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ترک شر پر قادر ہوتا ہے دوسرے وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ایصال خیر پر قادر ہوتا ہے۔ اور ترک شر کے مفہوم میں وہ اخلاق داخل ہیں جن کے ذریعہ سے انسان کوشش کرتا ہے کہ تا اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنی آنکھ یا اپنے کسی اور عضو سے دوسرے کے مال یا عزت یا جان کو نقصان نہ پہنچاوے یا نقصان رسانی اور کسر شان کا ارادہ نہ کرے اور ایصال خیر کے مفہوم میں تمام وہ اخلاق داخل ہیں جن کے ذریعہ سے انسان کوشش کرتا ہے کہ اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنے مال یا اپنے علم یا کسی اور ذریعہ سے دوسرے کے مال یا عزت کو فائدہ پہنچا سکے یا اس کے جلال یا عزت ظاہر کرنے کا ارادہ کر سکے۔ یا اگر کسی نے اس پر ظلم کیا تھا تو جس سزا کا وہ ظالم مستحق تھا اس سے درگزر کر سکے۔ اور اس طرح اس کو دکھ اور عذاب بدنی اور تاوان مالی سے محفوظ رہنے کا فائدہ پہنچا سکے یا اس کو ایسی سزا دے سکے جو اس کے لئے حقیقت میں سراسر رحمت ہے"۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی: روحانی خزائن جلد نمبر ۱۰ صفحہ ۳۳۹-۳۴۰)

یہ ہے وہ جامع تقسیم اخلاق جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے۔ غزالی

رحمتہ اللہ علیہ کی تقسیم اور اس تقسیم کا مقابلہ کرو- بالکل واضح اور بین فرق نمایاں ہے- امام غزالی صاحب اس تقسیم و تحدید میں ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق کے پیرو ہیں اور حضرت مسیح موعود اخلاق کی تقسیم و تحدید میں قرآن مجید کے متبع ہیں- آپ قرآن مجید کی شان بلند اور نبی کریم ﷺ کی اعجازی تعلیم کا جلال ظاہر کرنا چاہتے ہیں- چنانچہ جلسہ مذاہب کی اس تقریر کے پڑھنے سے ظاہر ہے کہ آپ نے یہ سب کچھ قرآن مجید ہی سے استنباط کر کے دکھایا ہے-

فلسفہ اخلاق میں نہایت باریک بحث

فلسفہ اخلاق میں ایک نہایت لطیف اور دقیق بحث یہ آتی ہے کہ اخلاق میں اصلاح و فساد کی قابلیت ہے یا نہیں- امام غزالی نے اخلاق کی تقسیم و تحدید کے بعد یہی بحث کی ہے اور اس میں قدمائے یونان کے مختلف سکول آف تھاٹس کا ذکر کیا ہے اور انہیں کے اقوال اور اصولوں کی پیروی کر کے ارسطو کی رائے اختیار کی ہے- چونکہ اس اہم اور نازک بحث میں مجھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طرہ امتیاز دکھانا ہے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اولاً الغزالی سے اس حصہ کو نقل کروں جو اس بحث کے متعلق ہے- چنانچہ مولانا شبلی فرماتے ہیں-

> "امام صاحب نے اس تحدید و تقسیم کے بعد اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ اخلاق میں اصلاح و فساد کی قابلیت ہے یا نہیں؟
>
> "قدمائے یونان اس بات کے قائل تھے کہ انسان بالطبع شریر اور بداخلاق پیدا ہوا ہے- لیکن تربیت و تعلیم سے خوش اخلاق ہو سکتا ہے-
>
> "رواقین [1] اس کے خلاف تھے- اور انسان کو بالطبع پاکیزہ خو خیال کرتے تھے- جالینوس نے ان دونوں مذہبوں کو اس دلیل سے باطل کیا تھا

---

[1] رواقین یونانی فلسفہ اخلاق کا وہ مذہب ہے جس کی تعلیم یہ تھی کہ انسان کو رنج و راحت غم و مسرت دونوں سے غیر متاثر رہنا چاہئے- اور جو کچھ پڑے اسے صبر و سکون کے ساتھ جھیلنا چاہئے- اس کا بانی زینو ہوا ہے- (۳۰۸ قبل مسیح) (ایڈیٹر)

کہ مثلاً اگر یہ فرض کیا جائے کہ تمام آدمی خلقتہً نیک ہوں تو کوئی شخص تعلیم سے بھی شریر نہیں ہو سکتا۔ خود تو اس میں سرے سے شرارت کا مادہ ہی نہیں۔ دوسروں سے سیکھ سکتا تھا۔ لیکن پہلے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ تمام آدمی نیک ہیں اس لئے جب خود سکھلانے والے میں شرارت کا وجود نہیں تو وہ کسی دوسرے کو شرارت کی تعلیم کیونکر دے سکتا ہے؟ جالینوس کا ذاتی مذہب یہ ہے کہ بعض انسان بالطبع شریر ہوتے ہیں بعض بالطبع نیک بعض دونوں کے بیچ بیچ میں ہوتے ہیں اور صرف یہی اخیر فرقہ اصلاح کے قابل ہوتا ہے۔

"ارسطو نے کتاب الاخلاق میں یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ بداخلاقی یا خوش اخلاقی کوئی چیز انسان کی طبعی اور جبلی نہیں جو کچھ ہے تعلیم و تربیت کا اثر ہے البتہ تعلیم و تربیت کی قابلیت کے مدارج مختلف ہیں۔

"امام صاحب نے ارسطو کی رائے اختیار کی وہ لکھتے ہیں کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مکمل طور پر پیدا ہوئیں اور ہمارے اختیار سے باہر ہیں مثلاً آفتاب۔ ماہتاب۔ زمین۔ دوسرے وہ جو ناقص پیدا کی گئیں ہیں اور ان میں یہ قابلیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کامل ہو جائیں مثلاً کسی درخت کا بیج کہ وہ اس وقت بیج ہے لیکن درخت بن سکتا ہے اخلاق انسانی اسی دوسری قسم میں داخل ہیں اس قدر ضرور ہے کہ تمام آدمیوں کی جبلتیں یکساں نہیں بعض کے اخلاق بآسانی اصلاح پذیر ہو سکتے ہیں اور بعض کے بمشکل"۔ (الغزالی مصنفہ علامہ شبلی نعمانی صفحہ ۸۰۔۸۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اصول

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اصول اس بارہ میں وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام نے ہمیشہ پیش کیا ہے۔ آپ اس بارہ میں کسی فلسفی کے مقلد اور معتقد نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کے طریق و تعلیم کے پیرو ہیں اور

خود خدا تعالیٰ سے آپ نے اس راہ مستقیم کو براہ راست بھی حاصل کیا۔ جس طرح پر انبیاء علیہم السلام اور فلاسفروں کے ایمان میں فرق ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور فلاسفروں کے فلسفہ اخلاق میں فرق ہے۔ بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گناہ کو انسانی فطرت کا خاصہ یا جزو قرار نہیں دیا جیساکہ غلطی سے عیسائیوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اور نہ گناہ کو کوئی ایسی چیز قرار دیا جو قطعاً" دور ہی نہ ہو سکتی ہو۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی صفات غافر الذنب اور قابل التوب کو پیش کرکے بدلائل قویہ ثابت کیا ہے کہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مجھ کو یہاں یہ بحث نہیں کرنی ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اخلاق کو ایک طبعی قوت قرار دیا ہے۔ اور اس قوت کا جائز اور ناجائز استعمال ہی اس کو بداخلاق یا خوش اخلاق بنا دیتا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو باہر سے آتی ہے بلکہ جیسے تلوار کو صیقل کرنے سے اس کی چمک اور تیزی اندر ہی سے پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح طبعی قوتوں کی تعدیل اور ترتیب سے اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جلسہ دھرم مہوتسو والا مضمون (اسلامی اصول کی فلاسفی) خوب روشنی ڈالتا ہے۔

غرض حضرت مسیح موعود نے فلسفہ اخلاق میں ارسطو یا غزالی کا اتباع نہیں کیا بلکہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کے طریق کو اختیار کیا اور خدا تعالیٰ سے براہ راست تعلیم پاکر اخلاقی تعلیم کے وہ اصول پیش کئے جو قرآن مجید نے تعلیم کئے ہیں۔ چونکہ اس مقام پر مجھ کو اخلاقیات کی تقسیم کرکے ہر ایک خلق کے متعلق تفصیلی بحث نہیں کرنی ہے بلکہ مختصر طور پر حضرت مسیح موعود کے فلسفہ اخلاق کے امتیاز کو دکھانا ہے اس واسطے میں ان امور کو بیان کروں گا جو آپ کے فلسفہ میں خصوصیت رکھتے ہیں۔

اخلاق فاضلہ کا صدور بر محل

آپ سے پہلے جن لوگوں نے فلسفہ اخلاق پر بحث کی ہے انہوں نے اس بات کی تصریح نہیں کی مثلاً وہ احسان کو عمدہ چیز بتائیں گے لیکن اس کو عدل کے ساتھ نہیں رکھیں گے۔

مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ اخلاق فاضلہ اسی وقت اخلاق فاضلہ ہیں جب ان کا صدور بر محل ہو۔ اور اس میں رعایت عدل ہو۔ اور یہ اصول آپ نے قرآن مجید کی اس آیت سے مستنبط کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی چنانچہ فرمایا

"احسان کو خدا تعالیٰ نے عدل سے موخر کیا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ احسان وہی قابل تعریف ہے کہ جس میں عدل کی رعایت مفقود نہ ہو۔ یعنی وضع شے کا غیر محل میں نہ ہو کیونکہ عدل کے یہی معنی ہیں جو ہر یک شئے کو اپنے محل پر وضع کریں۔ پس ایسا احسان کہ مثلاً کوئی شخص چوری کر کے کسی کو مروت سے کچھ دے دے یہ احسان جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عدل کی پابندی سے نہیں یا مثلاً ایسا احسان کہ حق دار کے حق سے تغافل کر کے کسی دوسرے سے سلوک کرے اسی طرح ایک خلق فاضل جو احسان میں داخل ہے وہ عدل کی پابندی سے محمود ہے۔ اور اگر عدل کی پابندی نہ رہے یعنی ایسا رحم ہو کہ جس میں عدل فوت ہو جائے یا ایسا عفو ہو کہ جس میں عدل فوت ہو جائے وہ جائز نہیں"

(الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳، ۴)

اخلاق فاضلہ اتصال بالمبدء کے لئے ہیں

دوسری بات جو اخلاق فاضلہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اصولی طور پر بتائی ہے وہ یہ ہے کہ اخلاق فاضلہ کی علت غائی اتصال بالمبدء ہے۔ انسان کی پیدائش کی علت غائی خدا تعالیٰ کا فرمانبردار عبد بننا ہے۔ اس لئے جب تک اس میں یہ حقیقت اخلاق فاضلہ کی نمایاں نہ ہو یہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور اسی لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اخلاق فاضلہ میں اگر عدل یعنی بر محل صدور کا التزام نہ ہو تو اس سے یہ حقیقت نہیں پیدا ہو سکتی چنانچہ فرماتے ہیں۔

"یاد رہے کہ احسان کے معاملے میں ہریک شخص کو ایثار تو درست ہے یعنی اپنا حق بطور احسان کے دوسرے کو دے دے مگر یہ جائز نہیں کہ کسی دوسرے کا حق احسان میں تلف کرے اسی طرح عفو میں یہ جائز نہیں کہ ایسے موقع میں کہ مقتضاء عدل کا قصاص ہو عفو کرے لیکن یاد رہے کہ عدل سے مراد وضع الشئی فی محلہ ہے۔ اور جمع ہونا عدل اور عفو یا عدل اور احسان یا عدل اور انتقام کا ایک محل میں اجتماع ضدین میں سے نہیں ہے اور عدل میں بہرحال سزا دنیا لازم نہیں بلکہ حقیقت عدل کی یہ ہے کہ جو ایک امر باعث اکثر اغلب لوگوں کی بھلائی کا ہے وہی بجالایا جائے یعنی وضع شے کا اپنے محل پر کیا جائے۔ اس صورت میں عدل اور اخلاق فاضلہ میں کچھ تضاد نہیں بلکہ اخلاق فاضلہ وہی اچھے ہیں کہ جب عدل کے ساتھ جمع ہوں اور جو علت غائی اخلاق فاضلہ کی یہ ہے یعنی اتصال بالمبدء کے لئے ذریعہ ہونا وہ تب ہی متحقق ہو سکتی ہے کہ جب بشمول عدل اخلاق فاضلہ صادر ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ حق محض ہے اور ہر ایک امر جو حقانیت سے خالی ہو وہ ذریعہ اس کے حصول کا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سے بعد اور دوری پیدا ہوتی ہے اور اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اخلاق فاضلہ فی نفسہ کچھ چیز ہی نہیں بلکہ وہ اس لئے استعمال میں لائے جاتے ہیں کہ تا حصول وصال الٰہی کے لئے وسائل ہوں۔ پس وہ اسی حالت میں وسیلہ ٹھہر سکتے ہیں کہ جب عَلٰی وَجْہِ الْحَقِّ وَالْحِکْمَۃِ صادر ہوں کیونکہ جب اخلاق عَلٰی وَجْہِ الْحَقِّ وَالْحِکْمَۃِ صادر ہوں گے تو انسان کو التزام حق کا ایک ملکہ پیدا ہو جائے گا۔ اور وہ حقانی طبع کا آدمی بن جائے گا۔ اور یہ امر اس کے لئے باعث اتصال بالمبدء کا ہے۔ کیونکہ التزام حق کو بجز مبدء قدیم کے اور کسی چیز سے تشبہ اور مناسبت نہیں اور جب تک انسان تخلق باخلاق اللہ اختیار نہ کرے درجہ محویت کا اس کو حاصل نہیں ہو سکتا"۔ *

* (الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳،۴)

اس بیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اخلاق فاضلہ کی اصل غرض بتادی ہے اور عیسائیوں کے اس فلسفہ نجات کا استیصال کر دیا ہے جو وہ مسئلہ کفارہ کی بنیاد قائم کرنے کے لئے اس اصول پر قرار دیتے ہیں کہ عدل اور رحم یکجا جمع نہیں ہو سکتے آپ نے اس عام خیال سے ممتاز اصل بتایا ہے عدل کی حقیقت وضع الشئے فی محلہ ہے اور یہ تمام صفات کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے فلسفہ اخلاق پر بحث کرنے والوں میں سب سے ممتاز طریق یہی ہے۔

اخلاق فاضلہ کی علت غائی کیونکر پیدا ہو

اخلاق فاضلہ کی تقسیم تعریف اخلاق فاضلہ کی تقسیم و تحدید اخلاق فاضلہ کے صدور کا مقام و محل اور اخلاق فاضلہ کی غرض و غایت کو پہلے تمام اخلاقین سے ممتاز طریق پر آپ نے بیان کر کے پھر حصول اخلاق کے طریقوں میں بھی یگانہ رنگ اختیار کیا ہے۔ اس بارہ میں تربیت و تعلیم کا جو طریق امام غزالی نے یا دوسرے اخلاقین نے بیان کیا ہے وہ اخلاق کی ظاہری حالت سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ انہوں نے اخلاق فاضلہ کی علت غائی پر بحث نہیں کی اور سطحی طور پر اس سے گزر گئے ہیں مگر حضرت مسیح موعود نے انسانی پیدائش کی علت غائی کو مدنظر رکھ کر اس پر بحث کی ہے۔ حصول اخلاق کے لئے یہ اصل بتایا کہ اولاً" نیت درست ہو۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی یہی تعلیم دی ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اور آج تیرہ سو سال کے بعد واضعان قوانین نے افعال میں نیت کو مقدم کیا ہے جب تک نیت کی تصریح نہ ہو کوئی جرم۔ جرم نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور یہ اصل حضرت مسیح موعود نے اپنے آقا سید ولد آدم ﷺ اور قرآن مجید ہی سے لی ہے آپ نے خطرات اور عزیمت میں فرق کر کے بتایا ہے کہ مجرد خطرات پر مواخذہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ انسانی فطرت کے قبضہ میں نہیں ہیں لیکن جب انسان عزیمت کر لیتا ہے تو وہ

قابل مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے "وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ" یعنی جن گناہوں کو دل اپنی عزیمت سے حاصل کرے ان گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔

یہ نہایت قیمتی اور نادر اصل ہے جس سے دنیا کے تمام دوسرے مذاہب اور ان کی کتب خالی ہیں۔ قرآن مجید ہی نے نیّات اور مرکز قویٰ اور اعصاب افعال کو صاف کرنے اور پاک رکھنے کا گر بتایا ہے اور اس کی ابتدا نیت سے ہوتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود نے صدور اخلاق کے لئے پہلی چیز نیت بتائی ہے۔ اور اس کے لئے یہ قرار دیا کہ چونکہ انسان کی اصل غرض اتصال بالمبدء ہے لہٰذا وہ اپنے اخلاق کو اس نیت کا تابع کرے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اخلاق فاضلہ کی ورزش سے یہ غرض ہے کہ وہ اتصال بالمبدء کے لئے ذریعہ ہوں۔ یعنی ایسے طور سے استعمال میں ہوں کہ جس سے انسان اپنی ذات سے بالکل محو ہو کر اتصال بالمبدء حاصل کرے اور وہ طریق بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ انسان اپنے اخلاق کو محض اس نیت سے استعمال کرے جو وہ خدا کے اخلاق کے تابع ہو جائیں اور جیسے سایہ اپنے وجود میں کچھ چیز ہی نہیں بلکہ وہ اصل سے ہی پیدا ہوتا ہے اور اصل کی ہی متابعت میں محو ہوتا ہے ویسا ہی سالک کے لئے لازم ہے کہ اس کو اپنی ذات میں نفی اخلاق کا درجہ حاصل ہو یعنی ایسا ہو کہ اس کے لئے کوئی بھی صفت نہیں۔ نہ اس میں رحم کی صفت ہے نہ عفو کی نہ قہر کی نہ لطف کی اور ان صفتوں کو اس میں پیدا کرنے والا محض اخلاق الٰہی ہوں اور یہ اخلاق اسی طور سے اس سے صادر ہوں کہ جن سے توحید فعلی پیدا ہوتی ہے اور توحید فعلی اخلاق کی تب ہی پیدا ہوتی ہے کہ جب اخلاق انسان کی بہ تبعیت اخلاق اپنے خالق کے صادر ہوں اور خالق کے تمام اخلاق میں حقیقی نیکی بھری ہوئی ہے جو حق اور حکمت پر مبنی ہے دنیا میں صرف اس کا لطف ہی

نہیں پایا جاتا بلکہ قہر بھی پایا جاتا ہے لیکن خالق کا مقصود بالذات نہ لطف ہے نہ قہر ہے بلکہ حقیقی نیکی مقصود بالذات ہے اور لطف اور قہر اس کے لباس ہیں اور جس طرح تبدیل لباس سے صاحب لباس کی ذات میں کوئی فرق نہیں آتا اسی طرح تبادل لطف و قہر سے حقیقی نیکی میں کچھ بھی تبدیلی واقع نہیں ہوتی چونکہ خدا اپنے بندوں سے حقیقی نیکی بجالاتا ہے اس لئے وہ شخص جو توحید فعلی کے حصول کا خواہاں ہو اس کو سمجھنا چاہئے کہ یہ توحید فنا فی اخلاق اللہ سے حاصل ہوتی ہے اور مرتبہ فنا فی اخلاق اللہ کا تب متحقق ہو سکتا ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ حقیقی نیکی کا مصدر ہے۔ یہ بھی حقیقی نیکی کا مصدر ہو جائے۔ "عَسٰۤی اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ" پس جب حقیقی نیکی کا مصدر ہوا تو بباعث فنا فی اخلاق اللہ کے مرتبہ توحید فعلی کا پائے گا"۔ (الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳، ۴)

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اخلاق فاضلہ فی نفسہ کچھ چیز نہیں بلکہ وہ قوتیں خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لئے عطا فرمائی ہیں تاکہ انسان فنا فی اخلاق اللہ کا مرتبہ حاصل کر کے توحید فعلی کو حاصل کرے۔

اصل معیار اخلاق صراط مستقیم پر قائم ہونا ہے

پھر آپ نے بتایا ہے کہ اخلاق کا اصل معیار صراط مستقیم پر قائم ہونا ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہو کہ جب تک اعتدال اور توسط کا مقام انسان کو اپنے افعال و اعمال میں حاصل نہیں ہوتا اس وقت تک وہ نہ اس حقیقت کو پا سکتا ہے جو فنا فی اخلاق اللہ کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے اور اس لئے اس کو حقیقی نیکی اور توحید فعلی کا درجہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"اب جبکہ مدار فنا فی اخلاق اللہ کا حقیقی نیکی ٹھہری تو ایسی حقیقی نیکی پر قدم مارنا صراط مستقیم ہے اور اسی کا نام توسط اور اعتدال ہے۔ کیونکہ

توحید فعلی جو مقصود بالذات ہے وہ اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جو شخص اس نیکی کے حاصل کرنے میں غافل رہے وہ درجہ تفریط میں ہے اور جو شخص اس سے آگے ہو وہ افراط میں پڑتا ہے ہر جگہ رحم کرنا افراط ہے کیونکہ محل کے ساتھ بے محل کا پیوند کر دینا اصل پر زیادتی ہے اور یہی افراط ہے اور کسی جگہ بھی رحم نہ کرنا یہ تفریط ہے کیوں اس میں محل بھی فوت کر دیا اور یہی تفریط ہے اور وضع شے کا اپنے محل پر کرنا۔ یہ توسط اور اعتدال ہے۔ کہ جو صراط مستقیم سے موسوم ہے۔ جس کی تحصیل کے لئے کوشش کرنا ہر ایک مسلمان پر فرض کیا گیا ہے اور اس کی نماز اور دعا ہی یہی مقرر ہوئی کہ صراط مستقیم مانگتا ہوں کیونکہ یہ امر اس کو توحید پر قائم کرنے والا ہے اس لئے کہ صراط مستقیم پر ہونا خدا کی صفت ہے علاوہ اس کے صراط مستقیم کی حقیقت حق اور حکمت ہے" (الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴)

حق و حکمت کے اقسام ثلاثہ یا اخلاق فاضلہ کی تثلیث

"پس اگر وہ حق اور حکمت خدا کے بندوں کے ساتھ بجا لایا جاوے تو اس کا نام حقیقی نیکی ہے اور اگر خدا کے ساتھ بجا لایا جاوے تو اس کا نام اخلاص اور احسان ہے اور اگر اپنے نفس کے ساتھ ہو تو اس کا نام تزکیہ نفس ہے۔ اور صراط مستقیم ایسا لفظ ہے کہ جس میں حقیقی نیکی اور اخلاص مابعد اور تزکیہ نفس تینوں شامل ہیں اب اس جگہ یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ صراط مستقیم جو حق اور حکمت پر مبنی ہے تین قسم پر ہے علمی۔ عملی۔ اور حالی اور پھر یہ تینوں تین قسم پر ہے علمی میں حق اللہ۔ حق العباد اور حق النفس کا شناخت کرنا اور عملی میں ان حقوق کو بجا لانا مثلاً حق اللہ علمی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک سمجھنا اور اس کو مبدء تمام فیوض کا اور جامع تمام خوبیوں کا اور مرجع اور مآب ہر ایک چیز کا اور منزّہ ہر ایک عیب اور نقصان

سے جاننا اور جامع تمام صفات کاملہ ہونا اور قابل عبادت ہونا اس میں محصور رکھنا تو یہ حق اللہ میں علمی صراط مستقیم ہے۔ اور عملی صراط مستقیم یہ ہے جو اس کی طاعت اخلاص سے بجالانا اور طاعت میں اس کا کوئی شریک نہ کرنا اور اپنی بہبودی کے لئے اسی سے دعا مانگنا اور اسی پر نظر رکھنا اور اسی کی محبت میں کھوئے جانا یہ عملی صراط مستقیم ہے۔ کیونکہ یہی حق ہے اور حق العباد میں علمی صراط مستقیم یہ ہے جو ان کو اپنا بنی نوع خیال کرنا اور بندگان خدا سمجھنا اور بالکل ہیچ اور ناچیز خیال کرنا کیونکہ معرفت حقہ مخلوق کی نسبت یہی ہے کہ جو ان کا وجود ہیچ اور ناچیز ہے اور سب فانی ہیں۔ یہ توحید علمی ہے۔ کیونکہ اس سے عظمت ایک ہی ذات کی نکلتی ہے کہ جس میں کوئی نقصان نہیں اور اپنی ذات میں کامل ہے۔ اور عملی صراط مستقیم یہ ہے کہ حقیقی نیکی بجالانا۔ یعنی وہ امر جو حقیقت میں ان کے حق میں اصلح اور انسب ہے بجالانا یہی توحید عملی ہے کیونکہ موحد کی اس میں یہ غرض ہوتی ہے کہ اس کے اخلاق سراسر خدا کے اخلاق میں فانی ہوں۔"

"اور حق النفس میں علمی صراط مستقیم یہ ہے کہ جو جو نفس میں آفات پیدا ہوتی ہیں جیسے عجب اور ریا اور تکبر اور حقد اور حسد اور غرور اور حرص اور بخل اور غفلت اور ظلم ان سب سے مطلع ہونا اور جیسے وہ حقیقت میں اخلاق رزیلہ ہیں ویسا ہی ان کو اخلاق رزیلہ جاننا یہ علمی صراط مستقیم ہے اور یہ توحید علمی ہے کیونکہ اس سے عظمت ایک ہی ذات کی نکلتی ہے کہ جس میں کوئی عیب نہیں اور اپنی ذات میں قدوس ہے۔

"اور حق النفس میں عملی صراط مستقیم یہ ہے جو نفس سے ان اخلاق رزیلہ کا قلع قمع کرنا اور صفت تخلّی عن الرزائل اور تجلّی بالفضائل سے متصف ہونا یہ عملی صراط مستقیم ہے اور یہ توحید حالی ہے کیونکہ موحد کی

اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ تا اپنے دل کو غیر اللہ کے دخل سے خالی کرے اور اس کو فنائی تقدس اللہ کا درجہ حاصل ہو"۔

(الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴)

حق العباد اور حق النفس میں عملی صراط مستقیم کا امتیاز یا ادائے خدمت اور تزکیہ نفس کی حقیقت

پھر اسی سلسلہ میں حضرت مسیح موعود نے ایک اور باریک اور لطیف امتیاز ان اخلاق میں بتایا ہے۔ جو ذاتی و نفسی خوبیوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا نام تزکیہ نفس رکھا جا سکتا ہے اور ان اخلاق میں جو دوسروں پر موثر ہوتے ہیں۔ اس فلسفہ کا امتیاز بتاتے ہوئے آپ نے اخلاق پر بحث کرنے والوں سے بالکل جداگانہ طرز اختیار کی ۔ ہر اگرچہ دونوں قسمیں تزکیہ نفس سے تعلق رکھتی ہیں یعنی تزکیہ نفس کے ساتھ ہی مخلوق خدا کی ہمدردی و خدمت کا جوش بھی انسان میں پایا جاتا ہے مگر اس باریک امتیاز کو اخلاقین نے اس حیثیت سے بیان نہیں کیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"اور اس میں اور حق العباد میں جو عملی صراط مستقیم ہے ایک فرق باریک ہے اور وہ یہ ہے۔ جو عملی صراط مستقیم حق النفس کا وہ صرف ایک ملکہ ہے جو بذریعہ ورزش کے انسان حاصل کرتا ہے اور وہ ایک باطنی شرف ہے۔ خواہ خارج میں کبھی ظہور میں آوے یا نہ آوے لیکن حق العباد میں جو عملی صراط مستقیم ہے وہ ایک خدمت ہے اور یہ تب ہی متحقق ہوتی ہے کہ جب افراد کثیرہ بنی آدم کو خارج میں اس کا اثر پہنچے اور شرط خدمت کی ادا ہو جاوے غرض تحقیق عملی صراط مستقیم حق العباد ادائے خدمت میں ہے اور عملی صراط مستقیم حق النفس کا صرف تزکیہ نفس پر مدار ہے۔ کسی خدمت کا ادا ہونا ضروری نہیں۔ یہ تزکیہ نفس ایک جنگل میں اکیلے رہ کر بھی ادا ہو سکتا ہے لیکن حق العباد بجز مجالست بنی آدم کے

ادا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فرمایا گیا ہے جو رہبانیت اسلام میں نہیں۔ اب جاننا چاہئے جو صراط مستقیم علمی اور عملی سے غرض اصلی توحید علمی اور توحید عملی ہے یعنی وہ توحید جو بذریعہ علم کے حاصل ہو اور وہ توحید جو بذریعہ عمل کے حاصل ہو۔ پس یاد رکھنا چاہئے جو قرآن شریف میں بجز توحید کے اور کوئی مقصود اصلی قرار نہیں دیا گیا اور باقی سب اس کے وسائل ہیں ایسا ہی اخلاق فاضلہ کا حاصل کرنا توحید عملی کے قائم کرنے کے لئے ہے کہ تا انسان کے آئینہ وجود میں اخلاق اللہ کا عکس منعکس ہو کر اس کو بالکل خودی اور ہستی سے محو کرے۔ پس اگر انسان بطور خدمت مخلوق کو اپنے اخلاق کو معرض ظہور میں لاتا ہے تو یہ سارا کام اس غرض سے ہوتا ہے کہ تا اپنے افعال کو مبدء قدیم کے افعال میں فانی اور گم کرے جیسا فرمایا ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اور جیسا فرمایا بی یسمع بی یبصر بی یمشی بی یبطش اور اس حالت میں کہ افعال اس کے افعال الٰہی کا ایک سایہ ہوتے ہیں تو اس صورت میں بجز التزام حق اور حکمت کے اور کسی چیز کا التزام اس کے افعال میں نہیں آتا اور جو مقتضائے حق اور حکمت کا ہوتا ہے وہی اس سے صادر ہوتا ہے اور اسی کو وہ اصل محکم سمجھ کر اس سے جو کمی بیشی ہو اس کو افراط اور تفریط سمجھتا ہے۔ ایسا ہی تزکیہ نفس کی حالت میں توحید عملی غرض ہوتی ہے اور اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ تا اپنے صحن قلب کو دخل غیر اللہ سے پاک اور صاف کرے"۔ (الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴)

امام غزالی نے اخلاقی امراض کی تقسیم پر بڑی موشگافی کی ہے اور متاخرین نے اس کی بہت داد دی ہے اور کچھ شک نہیں وہ قابل قدر بھی ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے اخلاقی امراض کی تقسیم اور اس کے علاج میں جو طریق اختیار کیا ہے وہ اپنی نوعیت میں ہی نہیں کہ نرالا اور مکمل ہے بلکہ و انسانی زندگی کے مقصد اور مدعا کو

پورا کرنے والا ہے حق العباد حق النفس میں عملی صراط مستقیم کا امتیاز بتاتے ہوئے ایک ایسے جامع طریق پر اخلاقی امراض اور ان کے علاج کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ طریق کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا جب تک اس نے خدا تعالیٰ سے خاص قوت نہ پائی ہو اور وہ اس کی روح سے نہ بولتا ہو۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"ایسا ہی تزکیہ نفس کی حالت میں توحید عملی غرض ہوتی ہے اور اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ تا اپنے صحن قلب کو دخل غیر اللہ سے صاف اور پاک کرے اور بلاشبہ اخلاق رذیلہ سب غیر اللہ ہیں جو کسی خود غرضی کے منشاء سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص جو تکبر کرتا ہے اسے اپنے نفس کو بزرگ بنانا مدنظر ہوتا ہے۔ ایسا ہی عجب میں اپنے نفس کی خوبی دیکھی جاتی ہے۔ بخل میں بھی اپنی ہی خودداری منظور ہوتی ہے۔ حرص بھی اپنا ہی نفس خوش کرنے کے لئے ہوا کرتی ہے۔ پس انسان کی فلاح کلی شرک سے اسی میں ہے کہ وہ اخلاق ذمیمہ سے تزکیہ اپنے نفس کا کرکے توحید عملی اختیار کرے اور اسی کی طرف اشارہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا اور اسی کی طرف اشارہ ہے "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ" یعنی جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی نوع کے شرک سے ملوث نہ کیا اور انہیں کو خطرات عذاب سے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں یعنی ان کا قول اور فعل اور حال سب خدا کے لئے ہو گیا۔ ایمان بھی خالصاً خدا پر لائے اور توحید فی ذات اللہ اور توحید فی صفات اللہ کا درجہ پایا۔ اور پھر اپنی اخلاقی قوتوں کو بھی خدا کی راہ پر خرچ کیا یعنی توحید فی تبعیت اخلاق اللہ اختیار کی اور یہ توحید فی تبعیت اخلاق اللہ اس لئے توحید ہے کہ اس سے اپنی صفات سے فنا لازم آتی ہے اور پھر توحید آخری جو توحید حالی ہے یہ ہے کہ نفس کو اخلاق رذیلہ اور ہر ایک خواہش ماسوی اللہ سے پاک کرکے انس

اور شوق الٰہی میں مستغرق کریں۔ یہ اس لئے توحید ہے جو اس میں فنا اپنی ذات سے لازم آتی ہے۔ کیونکہ بکلی تزکیہ نفس کا تب ہی ہوتا ہے جب نفس ہی درمیان میں نہ رہے۔

صیقل زدم آنقدر کہ آئینہ نماند

"یہ توحید کامل دعا اور تفرع سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اپنے وجود اور اپنی خواہشوں سے بکلی منقطع ہو جانا وضع انسان کے برخلاف ہے اس لئے محض اپنے علم اور زور سے اس مہم کو فتح کرنا نہایت درجہ مشکل ہے اور عبودیت خالص بجز اس توحید کے ممکن نہیں اس لئے اس توحید کے حاصل کرنے کے لئے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی دعا ہے۔ کیونکہ بجز فضل الٰہی کے یہ توحید حاصل نہیں ہو سکتی۔

"اب خلاصہ یہ ہے کہ توحید تین قسم کی ہے ایک توحید علمی کہ جو تصحیح عقائد سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری توحید عملی کہ جو قوائے اخلاقی کو خدا کے راستہ میں محو کرنے سے یعنی فنافی اخلاق اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تیسری توحید حالی جو اپنے نفس ہی کا حال اچھا بنانے سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی نفس کو کمال تزکیہ کے مرتبہ تک پہنچانا اور غیر اللہ سے صحن قلب کو بالکل خالی کرنا اور نابود اور بے نمود ہو جانا یہ توحید بوجہ کامل تب میسر آتی ہے کہ جب جذبہ الٰہی انسان کو پکڑے اور بالکل اپنے نفس سے نابود کردے اور بجز فضل الٰہی کے نہ یہ علم سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ عمل سے اسی کے لئے عابدین مخلصین کی زبان پر نعرہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ لیکن جو شخص ظلم صریح اور کذب فاش کو چھوڑ دے اور حتی الوسع و استطاعت تزکیہ نفس میں مجاہدہ کرے اس کو جناب الٰہی سے امیدوار ہونا چاہئے جو اس توحید کے پیالہ کو اس کے نصیب کرے۔

گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند -:- ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش"

(الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴) یہ مضمون جس کے اقتباس میں نے اوپر دیئے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آج سے قریباً پچاس برس پہلے لکھا تھا اور اس کی اشاعت کی سعادت صرف ایڈیٹر الحکم کے حصہ میں آئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فلسفہ اخلاق کا بیان اور بھی طویل ہو سکتا تھا جبکہ میں تمام اخلاقی امراض کو لیکر انکے فلسفہ علامات اور اسباب اور علاج پر بحث کرتا مگر میرے مدنظر یہ امر نہیں ہے بلکہ مجھے یہ دکھانا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے فلسفہ اخلاق میں انبیاء علیہم السلام کے طریق کو اختیار کیا۔ فلاسفروں کا اتباع نہیں کیا اور خدا تعالیٰ سے خاص علم پاکر آپ نے اس کو دنیا پر ظاہر کیا۔ آپ نے اخلاق کی تقسیم دو طرح پر کی ہے ایصال خیر اور ترک شر۔ میں آئندہ آپ کے اخلاق میں اسی تقسیم کو مدنظر رکھوں گا۔ و باللہ التوفیق۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق فاضلہ واقعات کی روشنی میں

ایصال خیر کے ماتحت اخلاق

فلسفہ اخلاق کی بحث میں میں نے بتایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اخلاق کی تقسیم دو قسموں پر کی ہے اخلاق متعلق ایصال خیر و اخلاق متعلق ترک شر انہیں ہر دو اقسام کے ماتحت میں آپ کے اخلاق فاضلہ کا بیان کرتا ہوں و باللہ التوفیق۔

عفو و درگذر

ان اخلاق میں سے جو ایصال خیر سے تعلق رکھتے ہیں پہلا خلق عفو و درگزر ہے۔ یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا اور بجائے سزا دینے یا دلانے کے اس کے قصور سے چشم پوشی اور درگزر کرنا چنانچہ قرآن مجید نے فرمایا ہے وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ یعنی ایک آدمی وہ ہیں جو غصہ ہونے کے محل پر اپنا غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے کے محل پر معاف کر دیتے ہیں۔ آؤ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کریں کہ آپ میں یہ خلق کس حد تک اور کس رنگ میں پایا جاتا ہے۔

یاد رہے اخلاق فاضلہ میں سے عفو اور درگذر ایک ایسی صفت ہے جو انسان کے کمال کا ایک خاص نشان ہے اس لئے کہ جب تک انسان اپنے غصہ و انتقام کے جذبات پر کامل قدرت اور حکومت حاصل نہ کر لے اس وقت تک یہ قوت اس میں پیدا نہیں ہو سکتی کہ وہ دوسروں کے قصوروں پر برمحل معاف کر دے۔ اس اخلاقی قوت کی عظمت اور شان اسی قدر بڑھتی جاتی ہے جس قدر ان واقعات اور حالات کی اہمیت ہو جن کے صدور اور ظہور پر کسی شخص سے اس اخلاق کا نمونہ دیکھا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود کے عفوودرگذر پر ربانی شہادت

حضرت مسیح موعود کے اس خلق کو واقعات کی روشنی میں بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے اس خُلق عظیم کے متعلق ربانی شہادت بھی موجود ہے یعنی خدا تعالیٰ کی اس وحی میں جو آپ پر نازل ہوئی آپ کے اس خلق کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا تَلَطَّفْ بِالنَّاسِ وَ تَرَحَّمْ عَلَيْهِمْ یعنی تو لوگوں کے ساتھ رحم اور لطف کے ساتھ پیش آ۔ اور فرمایا يَا اَحْمَدُ فَاضَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰى شَفَتَيْكَ اے احمد تیرے لبوں پر رحمت جاری کی گئی ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اور ہم نے تجھ کو تمام دنیا پر رحمت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

غرض بہت سے الہامات میں آپ کے اس خلق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن اگر واقعات کی روشنی میں یہ صداقت ظاہر نہیں ہوتی تو الہامات بجائے خود ایک دعوٰے ہوتے۔ ان الہامات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی میں ایسے واقعات اور حالات پیش آنے والے تھے کہ آپ کے اس خلق کا ظہور ہوگا۔ اور وہ ہوا چنانچہ آپ کی زندگی کے بہت سے واقعات اس کی زبردست شہادت ہیں کہ دنیا کے معاملات میں آپ کو کسی پر غصہ نہ آتا اور آپ اپنے خطاکاروں کو موقع اور محل کے لحاظ سے ہمیشہ معاف کر دیتے تھے آپ نے بے محل اس خلق کا کبھی استعمال نہیں کیا اگر آپ کسی پر غصہ اور خفا ہوئے تو وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب کے لئے غیرت کا مقام ہوتا تھا نہ کچھ اور۔ کیونکہ غیرت اور حمیّت کے احساسات کو زندہ رکھنا اور نشو و نما دینا بھی ایک خلق عظیم ہے۔ اب میں واقعات کی روشنی میں اس خلق کو دکھاؤں گا۔ جس کو دوسرے الفاظ میں آپ کے اخلاقی معجزات کہتا ہوں۔

آپ کے عفو و درگذر کے دو جداگانہ مقامات

آپ کے عفو و درگذر کے دو جدا جدا مقامات میں دکھانا چاہتا ہوں دوستوں سے دشمنوں سے۔ اولاً میں وہ واقعات پیش کروں گا جو آپ کے خدام اور دوستوں سے متعلق ہیں اور پھر آپ کے اس سلوک کا ذکر کروں گا جو آپ اپنے دشمنوں سے کرتے تھے۔ و باللہ التوفیق

خدام سے عفو و درگذر

محمد اکبر خان صاحب سنوری کا واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے خادموں میں سے ایک محمد اکبر خان صاحب سنوری ہیں جو مدت سے دارالامان میں ہجرت کر کے آگئے اور اب یہاں ہی رہتے ہیں اس واقعہ کے قلم بند کرنے کے وقت تک وہ خدا کے فضل سے زندہ ہیں وہ حضرت اقدس کے عملی طور پر خادم تھے اور خادم کو اپنے مالک و آقا کے حضور متعدد مرتبہ پیش ہونے کا بھی موقع ملتا ہے اور اس کی زندگی میں بہت سے ایسے واقعات آتے ہیں جبکہ اس سے کسی فرض کی ادائیگی یا تکمیل میں کوئی نقص اور کمی پیدا ہو اور اس کے کسی فعل سے مالک کے مال یا آرام پر اثر پڑے اور وہی وقت اس کے اخلاق کے ظہور اور اندازہ کا ہوتا ہے۔ خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب ہم وطن چھوڑ کر قادیان آگئے تو ہم کو حضرت اقدس نے اپنے مکان میں ٹھہرایا حضرت اقدس کا قاعدہ تھا کہ رات کو عموماً موم بتی جلایا کرتے تھے اور بہت سی موم بتیاں اکٹھی روشن کر دیا کرتے تھے جن دنوں میں میں آیا میری لڑکی بہت چھوٹی تھی۔ ایک دفعہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمرے میں بتی جلا کر رکھ آئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ بتی گر پڑی اور تمام مسودات جل گئے علاوہ ازیں اور بھی چند چیزوں کا نقصان ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب معلوم ہوا کہ حضرت اقدس کے کئی مسودات ضائع ہو گئے ہیں تو تمام گھر میں گھبراہٹ میری بیوی اور لڑکی کو سخت پریشانی کیونکہ

حضرت اقدس کتابوں کے مسودات بڑی احتیاط سے رکھا کرتے تھے۔ لیکن جب حضور کو معلوم ہوا تو حضور نے اس واقعہ کو یہ کہہ کر رفت گذشت کر دیا کہ خدا کا بہت ہی شکر ادا کرنا چاہئے کہ کوئی اس سے زیادہ نقصان نہیں ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے لئے اس واقعہ پر غور کیا جاوے۔ حضرت اقدس ایک کتاب تصنیف کر رہے ہیں اور شبانہ روز محنت سے اس کا مسودہ لکھا گیا ہے آن کی آن میں وہ ایک خادمہ کی غفلت اور بے پروائی سے ضائع ہو گیا ہے دوسری طرف کاتب اور پریس کے اخراجات سر پر پڑ رہے ہیں ایسے موقعہ پر اگر کوئی اور آقا ہو تو خدا جانے اس کے غصّہ اور غضب کی کیا حالت ہوتی مگر خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور فرستادہ مسیح موعود علیہ السلام کے عفو اور درگزر کی شان کو ملاحظہ کرو کہ اس کے قلب مطہّر پر اس سے کچھ اثر ہی نہیں پڑتا۔ اور وہ نہ نقصان کی پرواہ کرتا ہے اور نہ اسے غصّہ آتا ہے بلکہ اس نقصان پر خدا کا شکر اس لئے کرتا ہے کہ اس نے اپنے فضل سے مزید نقصان سے محفوظ رکھا۔

ایک اور واقعہ

اسی طرح پر خان صاحب اکبر خان صاحب نے بتایا کہ مسجد مبارک کی اوپر کی چھت پر سے حضرت اقدس کے مکان پر جانے کے لئے پہلے بھی اسی طرح ایک راستہ ہوتا تھا۔ (جس مقام پر آج کل دروازہ ہے یہاں چھوٹی سی کھڑکی ہوتی تھی اور اس کے نیچے ایک لکڑی کی سیڑھی ہوتی تھی۔ ایڈیٹر) جیسا کہ اب ہے اور اس میں نیچے اترنے کے لئے ایک دیار کی سیڑھی لگی ہوئی تھی۔

" ایک دفعہ میں لالٹین اٹھا کر حضرت اقدس کو راستہ دکھانے لگا اتفاق سے لالٹین ہاتھ سے چھوٹ گئی لکڑی پر تیل پڑا اوپر سے نیچے تک آگ لگ گئی میں بہت پریشان ہوا۔ بعض لوگ بھی کچھ بولنے لگے لیکن حضرت اقدس نے فرمایا "خیر! ایسے واقعات ہو ہی جاتے ہیں مکان بچ گیا"۔

یہ واقعہ اپنی نوعیت میں اس پہلے سے کم نہیں بلکہ ایک طرح بڑھ کر ہے وہ

غفلت تو ایک بچہ کی تھی مگر یہ حرکت ایک تجربہ کار آدمی سے وقوع میں آئی مگر حلم و عفو کے مجسمہ نے اسے بھی معاف ہی کر دیا اور اس نقصان کو نظرانداز کر کے اس بات کا خیال فرمایا کہ مکان بچ گیا۔

اس میں دراصل یہ بھی ایک سبق ہے کہ ایسے موقعہ پر انسان کس طرح پر اپنے غیظ و غضب کے جذبات کو دبا سکتا ہے اور اس کی یہی صورت ہے کہ اس نقصان عظیم کا خیال کرے جس کے ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ بہرحال آپ نے دونوں موقعوں پر درگزر سے کام لیا۔ اور نہ تو خان صاحب کو کچھ کہا اور نہ ان کی صاحب زادی کو۔

یہ واقعات آپ کی سیرت کے ایک اور پہلو پر بھی روشنی ڈالتے ہیں کہ کیسا قلب مطمئن آپ کے سینہ میں تھا۔ اور کوئی گھبراہٹ اور اضطراب آپ کو آ ہی نہیں سکتی تھی چونکہ سکینت قلب پر الگ اسی کتاب میں لکھا گیا ہے اس لئے اس پر اس وقت زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔

ایک چاول چرانے والی خادمہ کا واقعہ

حضرت مخدوم الملت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ الحکم میں ہفتہ وار ایک خط لکھا کرتے تھے جو نہایت مقبول ہوتے تھے ان خطوط میں بعض میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے بعض حصص بھی لکھے جو سیرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام سے الگ بھی شائع ہوئی ہے اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

> "ایک عورت نے اندر سے کچھ چاول چرائے۔ چور کا دل نہیں ہوتا اور اس لئے اس کے اعضا میں غیر معمولی قسم کی بے تابی اور اس کا ادھر ادھر دیکھنا بھی خاص وضع کا ہوتا ہے کسی دوسرے تیز نظر نے تاڑ لیا اور پکڑ لیا۔ شور پڑ گیا۔ اس کی بغل سے کوئی پندرہ سیر کی گٹھڑی چاولوں کی نکلی۔ ادھر سے ملامت ادھر سے پھٹکار ہو رہی تھی جو حضرت کسی تقریب

سے ادھر آنکلے پوچھنے پر کسی نے واقعہ کہہ سنایا۔ فرمایا

"محتاج ہے کچھ تھوڑے سے اسے دے دو اور فضیحت نہ کرو اور خداتعالیٰ کی ستاری کا شیوہ اختیار کرو"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۲۵)

غور کرو اور بتاؤ کہ کیا یہ کسی معمولی حوصلہ اور قلب کے انسان کا کام ہے یا یہ فعل ایسے عالی ہمت سے سرزد ہو سکتا ہے جس کا دل ہر قسم کی تلخی سے صاف کر دیا گیا ہو اور کوہ وقار ہو۔ چوری کی ہے اور خوب کی ہے اور معلوم نہیں کہ کتنے دنوں اور عرصہ سے یہ کام جاری تھا مگر خدا کا برگزیدہ فرستادہ ظاہر ہو جانے اور پکڑے جانے پر بھی صاف معاف کر دیتا ہے اور نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ کچھ دے دیتا ہے۔ اور دوسروں کو فضیحت سے روکتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا ایک واقعہ

حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ اپنی اسی سیرت میں لکھتے ہیں۔

"محمود چار ایک برس کا تھا۔ حضرت معمولاً اندر بیٹھے لکھ رہے تھے میاں محمود دیا سلائی لے کر وہاں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ بچوں کا ایک غول بھی تھا۔ پہلے کچھ دیر تک آپس میں کھیلتے جھگڑتے رہے پھر جو کچھ دل میں آئی ان مسودات کو آگ لگا دی اور آپ لگے خوش ہونے اور تالیاں بجانے اور حضرت لکھنے میں مصروف ہیں۔ سر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے' اتنے میں آگ بجھ گئی اور قیمتی مسودے راکھ کا ڈھیر ہو گئے اور بچوں کو کسی اور مشغلہ نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ حضرت کو سیاق عبارت کے ملانے کے لئے کسی گزشتہ کاغذ کے دیکھنے کی ضرورت ہوئی۔ اس سے پوچھتے ہیں خاموش! اس سے پوچھتے ہیں دبکا جاتا ہے آخر ایک بچہ بول اٹھا کہ میاں صاحب نے کاغذ جلا دئے۔ عورتیں' بچے اور گھر کے سب

لوگ حیران اور انگشت بدندان کہ اب کیا ہوگا اور درحقیقت عادتاً ان سب کو علیٰ قدر مراتب بری حالت اور مکروہ نظارہ کے پیش آنے کا گمان اور انتظار تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا مگر حضرت مسکرا کر فرماتے ہیں

'خوب ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے'۔

مولانا فرماتے ہیں کہ "اس موقعہ پر بھی ابنائے زمانہ کی عادات سے مقابلہ کئے بغیر ایک نکتہ چین نگاہ کو اس نظارہ سے واپس نہیں ہونا چاہئے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۲۰-۲۱)

حقیقت میں اس صدمہ اور تکلیف کو وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جس نے بحیثیت ایک مصنف کے کبھی کام کیا ہو اس کی گھبراہٹ اور اضطراب کا اس وقت اندازہ کرنا چاہئے جبکہ اس کی محنت اور تلاش کی ساری متاع ایک دم میں ضائع ہو جائے مگر دیکھو! کہ یہ خدا کا برگزیدہ ذرا بھی چیں بہ جبیں نہیں ہوتا وہ اس کو ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور اپنے خدا پر اسے اس قدر ایمان ہے کہ وہ بہتر سے بہتر عطیہ کا یقین رکھتا ہے اس سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس کی تصانیف اس کی اپنی محنت اور کاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ اسے خدا سے پاتا ہے اور اس کے لاانتہا خزانوں پر ایک لذیذ ایمان رکھتا ہے۔

حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح کا واقعہ

اسی سلسلہ میں حضرت مخدوم الملت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"ایسا ہی ایک دفعہ اتفاق ہوا جن دنوں حضرت تبلیغ لکھا کرتے تھے (آئینہ کمالات اسلام میں جو تبلیغ ہے ایڈیٹر) مولوی نورالدین صاحب تشریف لائے حضرت نے ایک بڑا بھاری دو ورقہ مضمون لکھا اور اس کی فصاحت و بلاغت خداداد پر حضرت کو ناز تھا اور وہ فارسی ترجمہ کے لئے مجھے دینا تھا مگر یاد نہ رہا اور جیب میں رکھ لیا۔ اور باہر سیر کو چل دیئے

مولوی صاحب اور جماعت بھی ساتھ تھی واپسی پر کہ ہنوز راستہ ہی میں
تھے مولوی صاحب کے ہاتھ میں کاغذ دے دیا کہ وہ پڑھ کر عاجز راقم کو
دے دیں مولوی صاحب کے ہاتھ سے وہ مضمون گر گیا واپس ڈیرہ میں
آئے اور بیٹھ گئے۔ حضرت معمولاً اندر چلے گئے۔ میں نے کسی سے کہا کہ
آج حضرت نے مضمون نہیں بھیجا اور کاتب سر پر کھڑا ہے۔ اور ابھی مجھے
ترجمہ بھی کرنا ہے۔ مولوی صاحب کو دیکھتا ہوں تو رنگ فق ہو رہا ہے۔
آپ نے نہایت بے تابی سے لوگوں کو دوڑایا کہ لیجیو! پکڑیو! لپکیو! کاغذ راہ
میں گر گیا۔ مولوی صاحب اپنی جگہ بڑے خجل اور حیران تھے کہ بڑی خفت
کی بات ہے؟ حضرت کیا کہیں گے؟ یہ عجیب ہوشیار آدمی ہے ایک کاغذ
اور ایسا ضروری کاغذ بھی سنبھال نہیں سکا۔ حضرت کو خبر ہوئی۔ معمولی
ہشاش بشاش چہرہ تبسم ریز لب تشریف لائے اور بڑا عذر کیا کہ مولوی
صاحب کو کاغذ کے گم ہونے سے بڑی تشویش ہوئی مجھے افسوس ہے کہ اس
کی جستجو میں اس قدر دوا دو اور تگاپو کیوں کیا گیا؟ میرا تو اعتقاد ہے کہ اللہ
تعالیٰ اس سے بہتر ہمیں عطا فرمائے گا۔"

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ صفحہ ۲۱)

اس واقعہ کو نظر امعان سے دیکھو! اگر کوئی اور شخص ہوتا تو اس کی خفگی اور
خشونت کا اندازہ بھی نہ ہو سکتا۔ آپے سے باہر ہو جاتا مگر یہ عفو اور رحم کی زندہ تصویر
بجائے اس کے کہ افسوس کرے بجائے اس کے کہ کوئی ذرا بھی اثر یا حرکت خفگی کی
ظاہر کرے الٹا اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ مولوی صاحب کو اس کے گم ہو جانے
سے تشویش ہوئی۔ مولوی صاحب کی تکلیف کا اسے احساس ہے اور اپنے حرج اور
تکلیف کو بھول ہی گیا ہے۔ دنیا کے مصنفین میں اس کی نظیر بتاؤ کبھی نہیں ملے گی۔

"ان سب باتوں کی جڑ خدائے زندہ اور قادر کی ہستی پر ایمان ہے یہ
ایمان ہر وقت قویٰ کو زندہ اور تازہ رکھتا ہے اور ہر قسم کی پژمردگی اور

افسردگی سے بچاتا رہتا ہے جو دنیاداروں کو بسا اوقات بڑی بڑی شرم ناک حرکات پر مجبور کرتی ہے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۲۱-۲۲)

حافظ حامد علی مرحوم کا واقعہ

اوپر کے واقعات سے پایا جاتا ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا نقصان کر دے آپ معاف کر دیتے اور معمولی چشم نمائی بھی نہیں کرتے تھے اور اس میں ایسا اثر اور جادو تھا کہ انسان ایک فوری تبدیلی کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔

حافظ حامد علی صاحب حضرت کے پرانے خدام میں سے تھے اور باوجود ایک خادم ہونے کے حضرت صاحب ان سے اس قسم کا برتاؤ اور معاملہ کرتے تھے جیسا کسی عزیز سے کیا جاتا ہے اور یہ بات حافظ حامد علی صاحب ہی پر موقوف نہ تھی حضرت کا ہر ایک خادم اپنی نسبت یہی سمجھتا تھا کہ مجھ سے زیادہ اور کوئی عزیز آپ کو نہیں۔ بہر حال حافظ حامد علی صاحب کو ایک دفعہ کچھ لفافے اور کارڈ آپ نے دیئے کہ ڈاک خانہ میں ڈال آؤ۔ حافظ حامد علی صاحب کا حافظہ کچھ ایسا ہی تھا۔ پس وہ کسی اور کام میں مصروف ہو گئے اور اپنے مفوّض کو بھول گئے۔ ایک ہفتہ کے بعد حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ (جو ان ایام میں میاں محمود اور ہنوز بچہ ہی تھے) کچھ لفافے اور کارڈ لئے دوڑتے ہوئے آئے کہ ابا ہم نے کوڑے کے ڈھیر سے خط نکالے ہیں۔ آپ نے دیکھا تو وہی خطوط تھے جن میں بعض رجسٹرڈ خط بھی تھے اور آپ ان کے جواب کے منتظر تھے۔ حامد علی کو بلوایا اور خط دکھا کر بڑی نرمی سے صرف اتنا ہی کہا

"حامد علی! تمہیں نسیان بہت ہو گیا ہے ذرا فکر سے کام کیا کرو"

ضروری اور نہایت ضروری خطوط جن کے جواب کا انتظار مگر خادم کی غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور بجائے ڈاک میں جانے کے وہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں جا ملتے ہیں اس پر کوئی باز پرس کوئی سزا اور کوئی تنبیہہ نہیں کی جاتی!

حافظ غلام محی الدین مرحوم کا واقعہ

حافظ غلام محی الدین مرحوم بھیرہ کے باشندہ تھے اور حضرت حکیم الامت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی تھے حضرت مولوی صاحب کے ساتھ ہی قادیان میں آگئے اور آپ کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ وہ مولوی صاحب کے مکان میں ڈیوڑھی کے اس کمرے میں رہا کرتے تھے جو مفتی فضل الرحمان صاحب کے اندرونی دروازہ کے بالمقابل ہے یا یوں کہو کہ ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ کو ہے۔ اور جس کی کھڑکیاں گلی کی طرف ہیں۔

حافظ صاحب جلد سازی کا کام کیا کرتے تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ڈاک لایا کرتے تھے۔ اور ڈاک لے بھی جایا کرتے تھے۔ چونکہ ڈاک خانہ میں وہی جایا کرتے تھے اس لئے دوسرے اکثر دوستوں کے خطوط لے آتے اور جب ڈاک میں ڈالنے کو جاتے تو لے بھی جاتے۔ اس وقت ڈاک خانہ معمولی ایک برانچ آفس تھا اور کوئی لیٹر بکس شہر میں نہیں رکھا ہوا تھا خصوصیت کے ساتھ وہ اس کام کو حضرت کی خدمت یقین کرکے کرتے تھے۔

پنڈت لیکھرام کی پیش گوئی جب پوری ہوئی اور وہ لاہور میں قتل ہو گیا تو اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خانہ تلاشی بھی ہوئی۔ یہ تلاشی بجائے خود ایک نشان تھا۔ اسی سلسلہ میں حافظ غلام محی الدین صاحب کے حجرہ کی بھی تلاشی ہوگئی اس تلاشی میں بہت سے خطوط تو ایسے برآمد ہوئے جو ابھی حضرت کے پاس نہیں پہنچے تھے اور بہت سے ایسے نکلے تھے جو ابھی ڈاک خانہ میں ڈالے نہ گئے تھے۔ بات یہ تھی کہ حافظ صاحب ڈاک لاتے تو اپنے حجرہ میں بیٹھ کر سارٹ کرتے اسی حالت میں بعض خطوط رکھ دیئے گئے اور ان کا اٹھانا یاد نہ رہا۔ اسی طرح کوئی آیا اور خط دے گیا کہ ڈاک خانہ میں ڈالنا ہے اور وہ بھول گئے غرض اس طرح پر بہت سے خطوط ان کے حجرہ سے نکلے جو نہ تو تقسیم ہوئے تھے اور نہ ڈاک میں ڈالے گئے تھے۔ حضرت اقدس کو اطلاع ہوئی اور اس وقت اس کا علم ہو جانا لازمی تھا۔ کیونکہ ان کے حجرہ کی

تلاشی ہو رہی تھی پولیس کو یہ خیال تھا کہ کوئی خط و کتابت پائی جاوے جس سے اس قتل کا تعلق ہو اور حافظ صاحب چونکہ ایک قسم کے پوسٹ ماسٹر بنے ہوئے تھے اس لئے ان کے کاغذات کو دیکھا گیا تھا۔

غرض جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو علم ہوا اور وہ خطوط بھی پیش ہوئے تو آپ نے حافظ صاحب سے ہنستے ہوئے پوچھا کہ "حافظ جی! یہ خط رکھنے کے لئے تو نہیں دیئے گئے تھے اگر آج یہ نہ دیکھے جاتے تو پتہ بھی نہ لگتا اور ہم سمجھتے رہتے کہ خط لکھ دیا ہوا ہے ادھر دوسرے لوگ سمجھتے کہ ہم خط لکھ چکے ہیں خیر جو ہو گیا اچھا ہو گیا مصلحت الٰہی یہی ہوگی"۔

حافظ صاحب بیچارے شرمندہ اور نادم تھے مگر حضرت نے اس سے زیادہ نہ کچھ کہا اور نہ پھر کبھی ذکر ہی کیا کہ کوئی ایسا واقعہ ہوا تھا۔ اور نہ ان کو اس ڈاک کے کام سے معزول کیا بلکہ وہی ہمیشہ جب تک زندہ رہے اور کام کرنے کے قابل رہے ڈاک خانہ سے جاکر ڈاک لاتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے دیئے ہوئے خطوط ڈاک خانہ میں جاکر پوسٹ کرتے۔

دشمنوں سے سلوک
عفو و درگذر کے حیرت انگیز نظارے

میں نے آپ کے خدام کے کچھ واقعات بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسے حالات میں بھی عفو اور درگذر سے کام لیتے تھے جہاں بڑے بڑے عالی حوصلہ انسان بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور اپنے غیظ و غضب کے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے لیکن ان واقعات اور حالات کو دیکھ کر کوئی نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں محض دوستوں سے مخصوص تھیں مگر یہ بات نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق کی شان دشمنوں کے مقابلہ میں اور دشمنوں سے سلوک کرنے میں اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے یہ تعلیم تو بے شک دی ہے کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو مگر اس کا عملی نمونہ آپ کی زندگی میں نہیں پایا جاتا۔ آپ کو وہ مقدرت اور موقعہ نصیب نہیں ہوا کہ آپ کے دشمن پکڑے ہوئے آپ کے سامنے آتے اور آپ ان کو معاف کر دیتے۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس خوش نما تعلیم کا معلم اس پہلو میں کن اخلاق کا مالک تھا۔ اس سے نعوذ باللہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہتک نہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے ایک مامور و مرسل اور نبی تھے۔ اور قرآن کریم نے آپ کی شان اور عظمت کا ذکر فرمایا ہے۔ جس پر ہر ایک مسلمان ایمان لاتا ہے۔ اور میں بھی ایمان لاتا ہوں۔ لیکن اس امر واقعہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی کہ اپنے عہد میں نہ تو اقتدار و حکومت کا کوئی موقع انہیں ملا۔ اور نہ کوئی ایسی تقریب ہی پیدا ہوئی کہ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے سکتے تھے۔ اور انہیں اس خُلق کے اظہار کا موقع ملا اور معاف کر دیا اور اس طرح پر اپنے دشمنوں سے محبت اور پیار کا نمونہ نہ دکھا سکے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی شان تو بہت ہی بلند اور اعلیٰ ہے۔ جن کو یہ موقع علیٰ وجہ الاتم حاصل ہوا۔ اور وہ مکہ جہاں سے آپ بے حد تکالیف اٹھا کر ہجرت پر مجبور و مامور ہوئے تھے۔ وہ مکہ جہاں آپ کے خادموں پر انتہائی مظالم اور ستم توڑے گئے اور نااہل و ناحق شناس دشمنوں نے غریب اور ضعیف مسلمان عورتوں تک پر ظلم کئے جب آپ نے اس کو فتح کیا اور ایک شہنشاہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور آپ کو حق تھا کہ ان ظالموں کو ان کے ناسزا افعال کی سزا دیتے۔ اور وہ اپنے کیفر کردار کو پاتے مگر آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ دنیا کی تاریخ میں عفو و رحم کی ایسی مثال نہ ملے گی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ آپ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ اسی رنگ میں برتاؤ کیا جس کی مثالیں آپ کے آقا و محسن حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں نمایاں تھیں۔ یہ سچ ہے۔ کہ آپ کے سامنے آپ کے دشمن اس حیثیت میں نہیں آئے۔ کہ آپ ایک فاتح سلطان کی طرح ہوتے

مگر حقیقت یہ ہے کہ صرف حالات کا فرق ہے ورنہ صورت واقعات وہی تھی۔ ایسی حالت میں دشمن آپکے سامنے آتے ہیں کہ آپ جائز اور بجا طور پر ان سے انتقام لے سکتے ہیں اور آپ کو موقعہ اور اختیار حاصل ہے۔ مگر آپ نے اس حالت میں تلخ سے تلخ دشمنوں کو معاف کیا ہے اور کبھی بھی تو یہ کوشش اور خواہش نہیں کی کہ ان سے انتقام لیا جاوے۔ میں ان واقعات کو تاریخی ترتیب سے درج کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ یہاں یہ ترتیب مدنظر نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے اخلاق کی ایک شان کو دکھانا ہے۔

شوکت میرٹھی کے متعلق

میرٹھ سے احمد حسین شوکت نے ایک اخبار شحنہ ہند جاری کیا ہوا تھا۔ یہ شخص اپنے آپ کو مجدد السنہ مشرقیہ کہا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود کی مخالفت میں اس نے اپنے اخبار کا ایک ضمیمہ جاری کیا۔ جس میں ہر قسم کے گندے مضامین مخالفت میں شائع کرتا۔ اور اس طرح پر جماعت کی دل آزاری کرتا میرٹھ کی جماعت کو خصوصیت سے تکلیف ہوتی۔ کیونکہ وہاں ہی سے وہ گندہ پرچہ نکلتا تھا۔ ۲/ اکتوبر ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے۔ کہ میرٹھ کی جماعت کے پریذیڈنٹ جناب شیخ عبدالرشید صاحب جو ایک معزز زمین دار اور تاجر ہیں تشریف فرما تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ضمیمہ شحنہ ہند کے توہین آمیز مضامین پر عدالت میں نالش کردوں۔ حضرت حجتہ اللہ نے فرمایا

> "ہمارے لئے خدا کی عدالت کافی ہے۔ یہ گناہ میں داخل ہوگا اگر ہم خدا کی تجویز پر تقدم کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ صبر اور برداشت سے کام لیں"۔

جو لوگ اس گندہ لٹریچر سے واقف نہیں وہ اس فیصلہ کی اہمیت سمجھ نہیں سکتے۔ مگر جنہوں نے اس کو دیکھا ہے۔ وہ یقیناً کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر اس شخص سے عدالت کے ذریعے انتقام لیا جاتا تو عقلاً عرفاً اخلاقاً جائز ہوتا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ

السلام نے ہرگز پسند نہ فرمایا۔

یہ پہلا ہی موقع نہ تھا۔ کہ حضرت اقدس نے اپنے دشمن کو اس طرح پر معاف کر دیا۔ بلکہ اسی قسم کا ایک واقعہ اس سے پہلے بھی گزرا۔

ڈاکٹر کلارک کو معاف کر دیا

میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے

ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک جو امرتسر کے میڈیکل مشن کے مشنری تھے اور مباحثہ آتھم میں عیسائیوں کی جانب سے پریذیڈنٹ تھے ایک دن خود بھی مناظر رہے۔ انہوں نے ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود کے خلاف ایک مقدمہ اقدام قتل کا دائر کیا۔ یہ مقدمہ کچھ عرصہ تک چلتا رہا اور بالآخر محض جھوٹا اور بناوٹی پایا گیا اور حضرت اقدس عزت کے ساتھ اس مقدمہ میں بری ہوئے۔ میں جو اس مقدمہ کو شائع کرنے والا ہوں اور ایک عینی شاہد ہوں اس وقت عدالت میں موجود تھا۔ جب کپتان ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے حضرت اقدس کو مخاطب کر کے کہا کہ :-

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر کلارک پر مقدمہ چلائیں اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کو حق ہے"۔

حضرت مسیح موعود نے فرمایا :-

"میں کوئی مقدمہ کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے"۔

اس موقع پر اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا۔ جس پر قتل کے اقدام کا مقدمہ ہو۔ وہ اپنے دشمن سے ہر ممکن انتقام لینے کی کوشش کرتا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کو معاف کرو کی تعلیم پر صحیح عمل کر کے دکھایا۔ ایک وقت تھا کہ مارٹن کلارک نے مباحثہ امرتسر میں حضرت اقدس کو اور آپ کی جماعت موجودہ کو چائے کی دعوت دی مگر آپ نے غیرت اسلامی کی بناء پر اس دعوت کو مسترد کیا۔ کہ یہ شخص نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہے۔ اور آپ کی تکذیب پر زور دیتا اور

مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کے لئے پورا زور لگاتا ہے۔ اور مجھے دعوت دیتا ہے میری غیرت اس کو قبول نہیں کر سکتی کہ میں آنحضرت ﷺ کے دشمن کے ہاں چائے پیؤں اس حیثیت کا دشمن ہو اور پھر ذاتی طور پر اس نے حضرت مسیح موعود کو خطرناک سازش کا نشانہ بنانا چاہا ہو۔ اس میں وہ بری ہو کر اپنے اور نبی کریم کے دشمن سے جائز طور پر انتقام لے سکتے تھے مگر آپ نے ایک منٹ کے لئے بھی اس کو گوارا نہ فرمایا۔ اور کوئی مقدمہ کرنا نہ چاہا یہ عفو اور درگزر اگر ایسی حالت میں ہوتا کہ آپ کو قدرت نہ ہوتی تو اس کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوتی لیکن یہ ایسے موقع پر آپ نے دکھایا کہ آپ کو حق تھا اور قانونی طور پر آپ سزا دلا سکتے تھے۔ مگر آپ نے پسند نہ فرمایا اور معاف کر دیا۔

یہ واقعہ ممکن ہے کہ کسی شخص کو شبہ میں ڈالے کہ شاید فریق مخالف کی طاقت اور رسوخ کے باعث ایسا نہ کیا گیا ہو لیکن یہ شبہ محض لغو اور بے اصل ہو گا۔ اس لئے کہ اسی بارسوخ اور طاقتور فریق سے مقدمہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے اپنے تمام رسوخ اور قوت سے کام لے لیا تھا۔ بلکہ بعض بڑے پادریوں نے بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو کہا اور سفارش کی۔ مگر مجسٹریٹ کا جواب یہ تھا کہ مجھ سے ایسی بدذاتی نہیں ہو سکتی کہ میں انصاف کو ہاتھ سے چھوڑوں۔

تو یہ شبہ محض بے اصل ہے جس چیز نے حضرت اقدس کو روکا وہ ایک ہی چیز تھی کہ آپ اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لینا چاہتے تھے اور اپنے عمل سے درگزر اور عفو کا سبق دینا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر مارٹن کلارک کی ذات سے آپ کو کوئی دشمنی نہ تھی بلکہ آپ کو اس کے عقاید باطلہ اور اس کے اس طریق عمل سے نفرت تھی جو وہ اسلام کے متعلق رکھتا تھا۔ اس لئے اگر آپ بذریعہ عدالت اس کو سزا دلاتے تو اس غیرت مذہبی اور اخلاص فی الدارین کے خلاف ہوتا۔ جو اللہ تعالیٰ نے فطرتاً آپ کو دیا تھا۔ اور اس میں نفسانیت کے کسی شائبہ کا شبہ بھی گزر سکتا تھا۔ گو انصاف اور عقل کے نزدیک یہ انتقام

صحیح ہوتا اس لئے کہ ڈاکٹر کلارک نے آپ کی عزت و آبرو اور آپ کی جان پر حملہ کیا تھا۔ مگر آپ کو جب موقع دیا گیا تو آپ نے پسند نہیں کیا کہ اس سے وہی سلوک کیا جائے۔ جس کا اس نے خود ارتکاب کیا۔ گو وہ اس کا خود مستحق تھا اور یہ پہلی مثال نہ تھی آپ کی زندگی میں اس کی بہت کثرت سے مثالیں ملتی ہیں اور بعض کا میں یہاں بھی ذکر کروں گا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی پر احسان

اسی مقدمہ ڈاکٹر کلارک میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایک گواہ کی حیثیت سے حضرت مسیح موعود کے خلاف پیش ہوئے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ بٹالہ کے رہنے والے تھے ابتداء میں انہوں نے حضرت مسیح موعود کی پہلی تصنیف براہین احمدیہ پر ایک زبردست ریویو لکھا اور حضرت کا اکرام و احترام بہت کرتے تھے۔ مگر بعد میں کسی مخفی شامت اعمال کی وجہ سے وہ مخالف ہوئے اور خطرناک مخالفت کا رنگ انہوں نے اختیار کیا۔ یہ مقام انکی مخالفت کی نوعیت اور اس بارہ میں اس کی تفاصیل اور تذکرہ کا نہیں۔ وہ اتنا تلخ دشمن تھا کہ کفر و قتل کے فتوے اسی نے شائع کرائے اور بالآخر وہ اس مقدمہ اقدام قتل میں عیسائیوں کا گواہ ہو کر آیا۔ اور وہ یہ ثابت کرنے کے لئے آیا تھا کہ فی الحقیقت جو الزام لگایا گیا ہے وہ گویا (نعوذ باللہ) درست ہے۔ عدالت میں اس کے ساتھ کیا گزرا اور اسکی کس طرح پر کرکری ہوئی میں اسے بھی چھوڑ دیتا ہوں کہ یہ حصہ مخصوص ہے اس سیرت و سوانح کے اس باب سے جو آپ کے دشمنوں کے انجام کے متعلق ہے۔

غرض اس مقدمہ میں مولوی محمد حسین صاحب کی یہ پوزیشن تھی کہ وہ حضرت مسیح موعود کے خلاف گواہ تھا روزانہ عدالتوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ ہر ایک فریق اپنے مخالف گواہوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ انکی عزت و وقار پر واقعات حقّہ سے قطع نظر ایسے حملے ہوتے ہیں کہ وہ عاجز ہو جاتے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب جب حضرت کے خلاف دل کھول کر گواہی دے چکے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کو ان پر جرح کا موقع دیا گیا۔ حضرت کی طرف سے مولوی فضل الدین پلیڈر لاہور وکیل تھے جو اس سلسلہ میں داخل نہیں ہیں انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب پر کچھ ایسے سوالات کرنے چاہے جو ان کی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیتے۔ اس نے حضرت مسیح موعود سے کہا کہ میں یہ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ مگر حضرت صاحب نے ان کو روک دیا۔ اور باصرار و بزور روکا۔ مولوی فضل الدین صاحب اپنے فرض منصبی کو دیانت داری سے ادا کرنے کے لئے اور اپنے موکل کی صفائی اور بیگناہی ثابت کرنے کے لئے ایسے تلخ دشمن اور معاند گواہ کو اصلی صورت میں دکھا دینا چاہتے تھے۔ اور اگر وہ سوالات ہو جاتے تو خدا جانے مولوی محمد حسین صاحب اس مقام پر کھڑے رہ سکتے یا گر جاتے۔ مگر حضرت نے قطعا" اجازت نہ دی۔ بلکہ ایک بار انکو کسی قدر سختی سے روک دیا کہ میں ہرگز اجازت نہیں دیتا یہ ایسی بات ہے کہ اس کے اپنے اختیار سے باہر ہے۔ اور میں اس کی عزت کو برباد نہیں کرنا چاہتا۔ آخر مولوی فضل الدین صاحب بھی رک گئے۔

مولوی فضل الدین صاحب احمدی نہیں مگر اس بلند ہمتی نے انہیں ہمیشہ آپ کا مداح رکھا ہے۔ خیال کرو کہ مولوی محمد حسین تو جان تک کا دشمن ہے اور آپ کو ایک قاتل ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اور آپ کی یہ شان رحم و درگزر ہے۔ کہ ایک امر واقعہ کے متعلق بھی (جو کوشش کی حیثیت و حالت پر ایک اثر ڈال سکتا ہے اور جو صحیح ہے) اپنے وکیل کو اجازت نہیں دیتے کہ اس سے پوچھا جاوے محض اس لئے کہ

وہ ذلیل نہ کیا جاوے

اس تمام خطرناک نتیجہ کے لئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں مگر دشمن کو اس عمل سے بچا لیتے ہیں۔ اس درگزر و علو ہمتی کی نظیر تلاش کرو نہیں ملے گی۔

قادیان کے سکھوں اور ہندوؤں کا مقدمہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کے ابتدائی ایام میں ہماری یہ حالت تھی کہ قادیان کی زمین باوجود فراخی کے

ہم پر تنگ تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان کے مالکوں میں سے تھے لیکن باوجود اس کے بھی۔ آپ کی غریب اور قلیل جماعت کو سخت تکلیف دی جاتی تھی بعض اوقات باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کے دامن میں قادیان کے شریر اور خبیث مخالفوں نے پاخانہ ڈلوا دیا اور ایک ٹوکری مٹی کی بھی غریب مہاجرین کو اٹھانی مشکل ہو جاتی تھی اور کوئی دن ہم پر ایسا نہ گزرتا تھا کہ ہماری کہیاں اور ٹوکریاں قادیان کے ظالم طبع دشمن نہیں لے جاتے تھے۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ چونکہ خود حضرت اقدس کے اقارب اور عم زاد بھائی (جنکا سردار مرزا امام الدین تھا) دشمن تھے۔ اس لئے انکی حمایت اور شہ سے ایسا ہوتا تھا۔ سید احمد نور مہاجر جب اپنے ملک سے ہجرت کر کے قادیان آگئے تو انہوں نے ڈھاب میں ایک موقعہ پر حضرت اقدس کی اجازت سے اپنا مکان بنانا چاہا۔ چنانچہ جب انہوں نے تعمیر مکان شروع کی تو قادیان کے سکھوں اور بعض برہمنوں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کو اور اس کے بھائی کو مارا اس کشاکش میں ایک برہمن کو بھی چوٹ لگی اور اس کی پیشانی میں سے خون نکل آیا سید احمد نور بھی لہولہان ہو گیا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر میں (راقم) مرزا نظام الدین صاحب اور دفعدار چوکیداران کے پاس گیا اور ان کو موقع پر لاکر دکھایا کہ سکھوں کی بہت بڑی تعداد (شاید ہی کوئی گھر میں رہا ہو) اس موقعہ پر حملہ آوروں کی صورت میں موجود ہے مرزا نظام الدین صاحب ان کو وہاں سے ہٹا لائے۔ اور سمجھایا۔ حضرت صاحب کو میں نے اور مفتی فضل الرحمان صاحب نے اطلاع کی اور واقعات کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ :

"باہم صلح اور سمجھوتہ کرا دینا چاہئے جس طرح بھی ہو"

چنانچہ میں نے اور مفتی صاحب نے ہر چند کوشش کی ہماری موجودگی میں تو یہ سب لوگ یہی کہتے تھے کہ ہاں صلح ہو جانی چاہئے عدالت میں نہیں جانا چاہئے مگر دراصل اس شخص کو جس کی پیشانی سے خون نکلا اور اس کا نام پالا رام تھا کہا کہ جا کر نالش کرو چنانچہ اس نے جا کر حضرت مولوی نور الدین صاحب' مولوی محمد علی صاحب

اور سید احمد نور پر نالش کر دی یہ مقدمہ سردار غلام حیدر خاں صاحب مزاری کے اجلاس میں تھا۔

حضرت مسیح موعود کا منشا یہی تھا کہ مقدمہ نہ ہو اور ہم ہر طرح صلح کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن جب کامیابی نہ ہوئی اور فریق مخالف نالش کرنے کے لئے چلا گیا تو چونکہ یہ بلوہ تھا اس لئے پولیس کو اطلاع دی گئی۔ پولیس نے اپنی تفتیش سے جرم ثابت پاکر سولہ آدمیوں کا چالان کر دیا۔ اور یہ مقدمہ بھی سردار غلام حیدر صاحب کے اجلاس میں تھا۔ قادیان کے آریوں نے انتہائی کوشش کی کہ ہمارے خلاف مقدمہ خطرناک طور پر ثابت ہو مگر چونکہ اس کی بنا محض جھوٹ پر تھی اس لئے وہ پہلی ہی پیشی میں خارج ہو گیا۔ اور دوسرے مقدمہ میں جو پولیس نے چالان کیا تھا ملزموں پر فرد جرم لگائی گئی آخر شہادت صفائی بھی گزر گئی اور اب صرف آخری مرحلہ تھا۔ یعنی صرف فیصلہ اس کے متعلق یقینی تھا کہ ملزم سزایاب ہونگے کیونکہ روئداد مقدمہ میں جرم ان پر ثابت ہو چکا تھا۔ اس مرحلہ پر ملزمین لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل اور بعض دوسرے لوگوں کو لیکر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس ان لوگوں سے اس مکان میں ملے.......... جو حضرت صاحب زادہ مرزا شریف احمد صاحب کا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان کے اوپر بنا ہوا ہے۔ اس موقعہ پر انہوں نے بڑی معذرت کی اور یہ بھی کہا کہ آپ کے بزرگ ہمیشہ ہم سے سلوک کرتے آئے ہیں اور یہ بھی بڑے موثق وعدوں کے ساتھ کہا کہ آئندہ ایسی حرکت سرزد نہ ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی عرضداشت کو سن کر

معاف کر دیا

اور مجھ کو حکم دیا کہ میں عدالت سردار غلام حیدر صاحب میں جاکر حضرت صاحب کی طرف سے کہوں کہ حضرت صاحب نے ان لوگوں کو معاف کر دیا ہے اور ہم نے مقدمہ چھوڑ دیا ہے۔ میں نے واقعات کی صورت بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ مقدمہ پولیس نے چالان کیا ہے اس میں سرکار مدعی ہے۔ سولہ ملزم ہیں پولیس سولہ

ملزموں کا رہا ہو جانا کبھی پسند نہیں کرے گی۔ اور ہمارے اختیار سے باہر ہے کہ ہم یہ مقدمہ بطور راضی نامہ ختم کر دیں کیونکہ ہم مدعی نہیں پھر مقدمہ ایسے مرحلے پر ہے کہ صرف حکم باقی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ

"ہمارے اختیار میں جو کچھ ہے وہ کر لینا چاہئے میں نے ان کو معاف کر دیا ہے۔ میری طرف سے جا کر کہہ دیا جاوے کہ انہوں نے معاف کر دیا ہے ہم کو اس سے کچھ غرض نہیں ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ اگر عدالت منظور نہ کرے تو اس میں ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے فوراً چلے جاؤ"۔

دوسرے دن تاریخ تھی میں اور مفتی فضل الرحمان صاحب گئے اور عدالت میں جا کر...... حضرت اقدس کا فیصلہ سنا دیا۔ وہی تاریخ حکم سنانے کے لئے مقرر تھی۔ پولیس کو قدرتی طور پر جو افسوس ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر ہے۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا کہ اب کیا ہو سکتا ہے؟ آپ کا کیا اختیار ہے؟ سرکار مدعی ہے۔ تمام روئیداد مقدمہ ختم ہو چکی ہے صرف حکم باقی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ بھی ہو حضرت صاحب نے معاف کر دیا ہے آپ کا جو اختیار ہے آپ کریں ہم کو یہی حکم ہے اور وہ آپ تک پہنچا دیا۔ اس پر مجسٹریٹ صاحب بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ جب حضرت صاحب نے معاف کر دیا تو میں بھی معاف ہی کرتا ہوں۔

اور ملزموں کو مخاطب کر کے اس نے کہا کہ ایسا مہربان انسان کم دیکھا گیا ہے۔ جو دشمنوں کو اس وقت بھی معاف کر دے جبکہ وہ اپنی سزا بھگتنے والے ہوں اور بہت ملامت کی کہ ایسے بزرگ کی جماعت کو تم تکلیف دیتے ہو بڑے شرم کی بات ہے آج تم سب سزا پاتے مگر یہ مرزا صاحب کا رحم ہے کہ تم کو جیل خانے سے بچا دیا۔

یہ واقعہ کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ قادیان میں کسی کو معلوم نہ ہو۔ یہ وہ دشمن تھے جنہوں نے حضرت صاحب کے مہمانوں کے دامنوں میں پاخانہ ڈلوایا اور ایسا ذلیل فعل کیا جو انسانیت کو اس پر ماتم کرنا پڑتا ہے مگر باوجود اس کے آپ کے رحم اور عفو کو

دیکھو کہ آخری وقت میں جبکہ وہ سزا کا حکم سننے کو تیار تھے معاف کر دیا۔

عفو اور درگزر کی ایسی مثال کم ملے گی اسی کے ضمن میں مجھے ایک اور واقعہ کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

نہال سنگھ بانگرو پر دوران مقدمہ میں احسان

اسی مقدمہ کے دوران

ایک شخص سنتا سنگھ بانگرو بھی ملزم تھا۔ اس کا ایک چچا نہال سنگھ بانگرو تھا۔ ادھر اس نے فریق مخالف کو مقدمہ دائر کرنے پر آریوں کے ساتھ ملکر اکسایا تھا چند ہی روز بعد اسے مشک کی ضرورت پڑی اور یہ ظاہر بات ہے کہ وہ نہایت قیمتی چیز ہے۔ میں اس وقت موجود تھا جبکہ وہ حضرت اقدس کے دروازہ پر گیا اور دستک دی۔ حضرت صاحب باہر تشریف لائے اس نے کہا کہ

”مرزا صاحب مشک کی ضرورت ہے کسی جگہ سے ملتی نہیں آپ کچھ مشک دیں“

حضرت صاحب کو علم تھا کہ یہ اس فتنہ میں ایک لیڈر کی طرح حصّہ لیتا ہے حضرت صاحب نے بجز اس کے کچھ جواب نہیں دیا کہ ٹھہرو میں لاتا ہوں چنانچہ آپ اندر تشریف لے گئے۔ اور قریباً نصف تولہ مشک اس کے حوالہ کر دی۔ یہ ہے عفو و عطا کی ایک عدیم المثل نظیر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کیریکٹر میں پائی جاتی ہے۔

اپنے عم زاد بھائیوں کو باوجود ان سے دکھ اٹھانے کے معاف کر دیا

جن دوستوں کو قادیان آنے کا اتفاق ہوا ہے ان کو دفتر بیت المال اور محاسب کے محل وقوع کا پتہ ہے اور اس کے سامنے گول کمرہ ہے۔ دفتر محاسب اور گول کمرہ کی دیوار کے درمیان سے بازار اور مسجد اقصیٰ کو راستہ جاتا ہے اور چھوٹی مسجد کو

بھی۔ آج سے پچیس برس پیشتر نہ تو گول کمرہ کے سامنے کے احاطہ کی دیواریں تھیں اور نہ دفتر محاسب کے کمرے تھے۔ دفتر محاسب کے کمروں کی بجائے ایک چار دیواری بدوں چھت کے تھی اور اس جگہ کسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چچا زاد بھائیوں کا خراس ہوتا تھا۔ بالآخر یہ جگہ خاکسار ایڈیٹر الحکم کے توسط سے خریدی گئی اور توسیع مسجد مبارک کے لئے اسے مخصوص کیا گیا۔ نیچے دفاتر اور اوپر کا حصہ شامل مسجد مبارک ہو گیا۔

غرض وہ گلی جو بازار اور جامع مسجد کو جاتی ہے ایک شارع عام تھی۔ حضرت مسیح موعود کے چچا زاد بھائیوں میں سے مرزا امام الدین کو حضرت صاحب اور سلسلہ کے ساتھ عداوت اور عناد تھا۔ اور وہ کوئی دقیقہ تکلیف دہی کا اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مل کر اس راستہ کو جو بازار اور مسجد مبارک کا تھا ایک دیوار کے ذریعہ بند کر دیا۔ دیوار ہماری آنکھوں کے سامنے بن رہی تھی اور ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ ہم کچھ نہ کر سکتے تھے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم تھی کہ شر کا مقابلہ شر سے نہ کرو۔

ورنہ اگرچہ جماعت اس وقت بہت قلیل تھی اور قادیان میں بہت ہی تھوڑے آدمی تھے لیکن اگر اجازت ہوتی تو وہ دیوار ہرگز نہ بن سکتی۔ چنانچہ ایک دوسرے موقعہ پر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اجازت سے حضرت کی ذاتی زمین پر ایک مکان بنانے کا ارادہ کیا گیا اور فریق مخالف نے روکنے کا ارادہ کیا تھا تو ایک ہی دن میں وہ پورا مکان بن گیا تھا۔

وہ ایام عجیب ایام تھے۔ ابتلاؤں پر ابتلا آتے تھے اور جماعت ان ابتلاؤں کے اندر ایک لذیذ ایمان کے ساتھ اپنی ترقی کی منزلیں طے کرتی تھی۔ غرض وہ دیوار چن دی گئی اور اس طرح ہم سب کے سب پانچ وقت کی نمازوں کے لئے مسجد مبارک میں جانے سے روک دیئے گئے۔

اور مسجد مبارک کے لئے حضرت صاحب کے مکانات کا ایک چکر کاٹ کر آنا پڑتا

تھا۔ یعنی اس کوچہ میں سے گزرنا پڑتا تھا جو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے مکان کے آگے سے جاتا ہے اور پھر منور بلڈنگ کے پاس سے بازار کی طرف کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان کی طرف کو چلا جاتا ہے۔ جماعت میں بعض کمزور اور ضعیف العمر انسان بھی تھے۔ بعض نابینا تھے۔ اور بارشوں کے دن تھے۔ راستہ میں کیچڑ ہوتا تھا۔ اور بعض بھائی اپنے مولیٰ حقیقی کے حضور نماز کے لئے جاتے ہوئے گر پڑتے تھے۔ اور ان کے کپڑے گارے کیچڑ میں لت پت ہو جاتے تھے۔ ان تکلیفوں کا تصور بھی آج مشکل ہے جبکہ احمدیہ چوک میں پکے فرش پر سے احباب گزرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود اپنے خدام کی ان تکالیف کو دیکھ کر بہت تکلیف محسوس کرتے تھے۔ مگر کچھ چارہ سوائے اس کے نہ تھا کہ حضرت رب العزت کے سامنے گڑگڑائیں۔

غرض وہ دیوار ہو گئی۔ راستہ بند ہو گیا۔ اور پانی تک بند کر دیا گیا آخر مجبوراً عدالت میں جانا پڑا۔ اور عدالت کے فیصلہ کے موافق خود دیوار بنانے والوں کو اپنے ہی ہاتھ سے دیوار ڈھانی پڑی جو بجائے خود ایک نشان تھا اور اس کی تفصیل انہیں دنوں میں الحکم میں چھپ چکی ہے۔ (دیکھو الحکم ۲۴/ اگست ۱۹۰۱ء)

عدالت نے نہ صرف دیوار گرانے کا حکم دیا بلکہ حرجانہ اور خرچہ کی ڈگری بھی فریق ثانی پر کر دی۔

ناظرین خیال کریں گے کہ جس فریق نے آپ کو اور آپ کی جماعت کو اس قدر تکلیف دی ہو کہ ان کی آمد و رفت کا راستہ محض ایذا دہی کے لئے بند کر دیا ہو اور پانی بند کر کے کربلا کا نمونہ دکھایا ہو۔ کیا وہ فریق اس قابل تھا کہ اس کے ساتھ کوئی سلوک کیا جاتا؟

اس جرم کی پاداش میں جو سلوک بھی ان سے کیا جاتا وہ عقل اور انصاف و اخلاق کے معیار پر بالکل جائز اور درست ہوتا مگر اخلاق اور اعلیٰ اخلاق کے معلم کی زندگی کے آئینہ میں دیکھو کہ وہ ان دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔

حضرت اقدس نے کبھی اس خرچہ اور حرجہ کی ڈگری کا اجرا پسند نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ اس کی میعاد گزرنے کو آگئی۔ جب گورداسپور میں مقدمات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تو خواجہ کمال الدین صاحب نے محض اس خیال سے کہ اس کی معیاد نہ گزر جائے اس کے اجرا کی کارروائی کی۔ اور اس میں حسب ضابطہ نوٹس مرزا نظام الدین صاحب کے نام جاری ہوا کہ اس وقت فریق ثانی میں سے وہی زندہ تھے۔ مرزا امام الدین فوت ہو چکے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس واقعہ کی کچھ خبر نہ تھی۔ مرزا نظام الدین صاحب کو جب نوٹس ملا تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک خط لکھا۔ میں اس وقت قادیان میں موجود تھا۔ مرزا نظام الدین صاحب نے مجھ کو وہ خط سنایا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ دیوار کے مقدمہ کے خرچہ وغیرہ کی ڈگری کے اجرا کا نوٹس میرے نام آیا ہے اور میری حالت آپ کو معلوم ہے۔ اگرچہ میں قانونی طور پر اس روپیہ کے ادا کرنے کا پابند ہوں اور آپ کو بھی حق ہے کہ آپ ہر طرح وصول کریں۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہماری طرف سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی تکلیف آپ کو پہنچتی رہی ہے۔ مگر یہ بھائی صاحب کی وجہ سے ہوتا تھا۔ مجھ کو بھی شریک ہونا پڑتا تھا۔ آپ رحم کر کے معاف فرمادیں تو آپ اس قابل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس خط کا مفہوم تھا اور یہ بھی چاہا گیا تھا کہ اگر معاف نہ کریں تو باقساط وصول کرلیں۔

حضرت اقدس اس وقت گورداسپور میں مقیم تھے اور یہ بھی بارشوں کے ایام تھے۔ حضرت اقدس کے پاس جس وقت خط پہنچا آپ نے سخت رنج کا اظہار کیا کہ کیوں اجرا کرائی گئی ہے مجھ سے کیوں دریافت نہیں کیا گیا۔ اس وقت خواجہ صاحب نے یہ عذر کیا کہ "محض میعاد کو محفوظ کرنے کے لئے ایسا کیا گیا وَاِلَّا اجرا مقصود نہ تھا"

حضرت اقدس نے اس عذر کو بھی پسند نہ فرمایا اور فرمایا کہ آئندہ کبھی اس ڈگری کو اجرا نہ کرایا جاوے۔ ہم کو دنیا داروں کی طرح مقدمہ بازی اور تکلیف دہی سے کچھ کام نہیں۔ انہوں نے اگر تکلیف دینے کے لئے یہ کام کیا تو ہمارا یہ کام نہیں

ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اس غرض کے لئے دنیا میں نہیں بھیجا۔

اور اسی وقت ایک مکتوب مرزا نظام الدین صاحب کے نام لکھا اور مولوی یار محمد صاحب کو دیا کہ وہ جہاں ہوں ان کو جاکر فوراً پہنچائیں۔

چنانچہ مولوی یار محمد صاحب اسے لے کر قادیان پہنچے اور قادیان میں انہیں نہ پاکر اور یہ معلوم کرکے کہ مرزا نظام الدین صاحب موضع مسانیاں گئے ہوئے ہیں مسانیاں پہنچے۔ اور وہاں جاکر وہ خط ان کو دیا گیا جس میں نہایت ہمدردی کا اظہار تھا اور ان کو اس ڈگری کے کبھی اجرا نہ کرنے کے متعلق یقین دلایا گیا تھا اور سب کچھ معاف کر دیا تھا۔

مرزا نظام الدین صاحب پر اس خط کا جو اثر ہوا وہ ان کی زندگی کے باقی ایام سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہوں نے عملاً مخالفت کو ترک کر دیا تھا۔

میں نے نہایت سادہ الفاظ میں واقعات کو لکھ دیا ہے اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عفو و درگزر کی جو نمایاں مثال نظر آتی ہے مجھ کو ضرورت نہیں کہ اسے رنگ آمیزی سے پیش کروں۔

یہ ہے عفو و درگذر کا نمونہ اور دشمنوں کو معاف کرنے کی تعلیم کا عملی سبق جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو دیا۔

مرزا نظام الدین صاحب کا ایک اور واقعہ

اسی سلسلہ میں مجھے ایک اور واقعہ کا اضافہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف معاف ہی نہیں کر دیا بلکہ مزید احسان اور لطف فرمایا۔ ہمارے ایک نہایت ہی دوست اور حضرت کی راہ میں فداشدہ بھائی حضرت حکیم فضل الدین رضی اللہ عنہ کے ساتھ قادیان کے ایک جولاہا نے (جو ہمیشہ مقدمہ بازی کرنا ضروری سمجھتا تھا) ایک زمین کے متعلق جہاں آج کل شیخ نور الدین تاجر کا مکان ہے مقدمہ بازی شروع کر دی۔ وہ جگہ دراصل حضرت ہی کی تھی حکیم فضل الدین صاحب کو دے دی گئی تھی۔ سو اس جولاہا

نے حکیم صاحب مرحوم کے خلاف ایک مقدمہ دائر کر دیا۔ چونکہ حضرت اقدس پسند نہ فرماتے تھے کہ شرارتوں کا مقابلہ کیا جاوے آپ نے حکیم فضل الدین صاحب کو حکم دیا کہ جواب دہی چھوڑ دو۔ زمینوں کی پروا نہیں خدا تعالیٰ چاہے گا تو آپ ہی دے دے گا زمین خدا کی ہے۔ مرزا نظام الدین صاحب کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ آپ اپنے حق کو تو چھوڑتے ہیں مجھے ہی زمین دے دیں اور میں قیمت بھی دے دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک پرامیسری نوٹ بھی لکھ کر بھیج دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مرزا نظام الدین صاحب ہی کو یہ ٹکڑا زمین کا دے دیا جاوے چنانچہ وہ قطعہ زمین کا دے دیا گیا۔ جو بعد میں مرزا صاحب موصوف نے ایک معقول قیمت پر حضرت کے ایک خادم کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مگر حضرت نے کبھی اس زمین کی قیمت یا پرامیسری نوٹ کی رقم کا مطالبہ نہ فرمایا۔ اس لئے کہ آپ کی فطرت ہی میں احسان و مروت رکھی گئی تھی۔

یہ واقعہ ایسے وقت کا ہے کہ اس مقدمہ کی کل کارروائی ختم ہو چکی تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی فریق ثانی نے بطور شہادت طلب کرایا تھا اور اس طرح پر آپ کو اور آپ کی جماعت کو تکلیف رسانی میں کمی نہ کی تھی۔ مقدمہ کی حالت یہ تھی کہ اس میں اب حکم سنانا باقی تھا اور وہ ہمارے حق میں تھا۔ مگر آپ نے ایسے وقت میں اس زمین کو مرزا نظام الدین صاحب کے عرض کرنے پر ان کو دے دیا۔

امر واقعہ کے طور پر میں یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ سلسلہ کے ابتدائی ایام میں مرزا نظام الدین صاحب اور ان کے زیر اثر لوگوں کی وجہ سے ہماری جماعت کو ایسی تکالیف پہنچ چکی تھیں کہ قدرتی طور پر کوئی دنیا دار ان کے مقابلہ میں ہوتا تو ان کی تکلیف اور ایذا رسانی کے لئے منتقمانہ طور پر جو چاہتا کرتا مگر نہیں حضرت مسیح موعود کو جب موقعہ ملا اور ان پر ایک اقتدار حاصل ہوا تو آپ نے اسی طرح لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ دیا جس طرح پر سید الرسل ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا۔

اکرام ضیف

اکرام ضیف یعنی مہمان نوازی ان اخلاق فاضلہ میں سے ہے جو سوسائٹی اور تمدن کے لئے بمنزلہ روح کے ہیں مہمان نوازی سوسائٹی میں احترام اور امن کا جذبہ پیدا کرتی ہے اس سے عناد اور حسد دور ہوتا ہے اور ایک دوسرے پر اعتماد بڑھتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے اکرام ضیف کے لئے خاص طور پر ہدایت فرمائی ہے بلکہ اس کو ایمان کے نتائج اور ثمرات میں سے قرار دیا ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ یعنی جو شخص خدا تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک یہ اخلاقی قوت اس میں نشو و نما نہیں پاتی۔ اکرام ضیف میں بہت سی باتیں داخل ہیں یا یہ کہو کہ اس کے مختلف اجزاء ہیں۔ اس کے حقوق کی رعایت کرنا۔ مرحبا کہنا۔ نرمی کرنا۔ اظہار بشاشت کرنا۔ حسب طاقت کھانا وغیرہ کھلانا۔ اور اس کے آرام میں ایثار سے کام لینا اور جب وہ روانہ ہو تو اس کی مشایعت کرنا۔

اکرام ضیف انبیاء علیہم السلام کی سنت میں داخل ہے اور حقیقت میں یہ خلق کامل طور پر ان میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور پھر اس کا کامل ترین نمونہ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آپ کے بروز حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ان کے پاس بغرض حصول ہدایت آتی ہے اور وہ حق پہنچانے کے لئے اپنے دل میں ایک جوش اور تڑپ رکھتے ہیں اور پھر سنت اللہ کے موافق ان کی مخالفت بھی شدید ہوتی ہے مگر ہر حالت میں وہ اپنے مہمانوں کے آرام اور خاطر مدارات میں کبھی فرق نہیں کرتے اور ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے مہمانوں کو آرام ملے۔

حضرت مسیح موعود کی خصوصیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو خصوصیت سے اس کی طرف توجہ تھی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت آپ کو وحی الٰہی کے ذریعہ ایک آنے والی مخلوق کی خبر دی تھی اور فرمادیا تھا کہ تیرے پاس دور دراز سے لوگ آئیں گے اور ایسا ہی فرمایا تھا لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ۔ غرض یہاں تو پہلے ہی سے مہمانوں کے بکثرت آنے کی خبر دی گئی تھی۔ اور پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کو وسعت اور دل میں حوصلہ پیدا کر رکھا تھا۔ اور مہمان نوازی کے لئے آپ گویا بنائے گئے تھے۔ اب میں آپ کی زندگی کے واقعات میں انشاء اللہ العزیز دکھاؤں گا۔ کہ آپ نے کس طرح پر مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ اور ایک اسوہ حسنہ اکرام ضیف کا چھوڑا۔

اکرام ضیف کی روح آپ میں فطرتاً آئی تھی

حضرت مسیح موعود کو خدا تعالیٰ نے جس خاندان میں پیدا کیا وہ اپنی عزت و وقار کے لحاظ سے ہی ممتاز نہ تھا بلکہ اپنی مہمان نوازی اور جود و سخا کے لئے بھی مشار الیہ تھا۔ اس خاندان کا دستر خوان ہمیشہ وسیع تھا۔ جس عظیم الشان خاتون کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام جیسا بیٹا جننے کا فخر حاصل ہے وہ خاص طور پر مہمان نوازی کے لئے مشہور تھیں۔ قادیان میں پرانے زمانہ کے لوگ ہمیشہ ان کی اس صفت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اور میں نے بلاواسطہ ان سے سنا جنہوں نے اس زمانہ ہی کو نہیں بلکہ اس مائدہ سے حصہ لیا۔ چنانچہ میں حیات احمد جلد اول کے صفحہ ۱۷۴-۱۷۵ پر حضرت مائی چراغ بی بی صاحبہ مرحومہ کا ذکر کر چکا ہوں اور ان کی اس اخلاقی خوبی کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "مہمان نوازی کے لئے ان کے دل میں نہایت جوش اور سینہ میں وسعت تھی وہ لوگ جنہوں نے ان کی فیاضیاں اور مہمان نوازیاں دیکھی ہیں ان میں سے بعض اس وقت تک زندہ ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں

اگر باہر سے یہ اطلاع ملتی کہ چار آدمیوں کے لئے کھانا مطلوب ہے تو اندر سے جب کھانا جاتا تو وہ آٹھ آدمیوں سے بھی زائد کے لئے بھیجا جاتا اور مہمانوں کے آنے سے انہیں بہت خوشی ہوتی"۔

(حیات احمد جلد اول صفحہ ۱۷۴-۱۷۵)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شیر مادر کے ساتھ مہمان نوازی کو پیا تھا۔ جب سے آپ نے آنکھ کھولی اس خوبی کو سیکھا۔ اور پھر جب خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے ان کو مسح کیا اور معطر فرمایا تو حالت ہی بدل گئی۔ اور وہ قوتیں جو آپ میں بطور بیج کے تھیں ایک بہت بڑے درخت کی صورت میں نمودار ہوئیں۔

آپ پہلے سے خدا تعالیٰ سے وحی پا کر ان مہمانوں کے استقبال اور اکرام کے لئے تیار تھے جن کے آنے کا خدا نے وعدہ فرمایا تھا۔

قبل بعثت اور بعد بعثت کی مہمان نوازی

آپ کی مہمان نوازی پر کبھی کسی وقت نے کوئی خاص اثر نہیں پیدا کیا۔ جب آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور نہ ہوئے تھے اس وقت بھی بعض لوگ آپ کے پاس آتے تھے ان کی مہمان نوازی میں بھی آپ کا وہی طریق تھا جو ماموریت کے بعد تھا۔ پہلے جب بہت ہی کم اور کبھی کبھار کوئی شخص آتا تھا اس وقت کوئی خاص التفات نہ تھی کہ خرچ کم ہے بعد میں جب سینکڑوں ہزاروں آنے لگے تو کوئی غیر التفاتی نہیں ہوئی کہ بہت آنے لگے ہیں۔

غرض ہر زمانہ میں آپ کی شان مہمان نوازی یکساں پائی جاتی ہے یعنی کیفیت وہی رہی۔ مہمانوں کی کثرت نے اس میں ترقی کا رنگ پیدا کیا کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اب میں واقعات کی روشنی میں آپ کے اس خلق عظیم کی تصویر دکھاتا ہوں۔

ایک عجیب واقعہ

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب جب سے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں آنے لگے ہیں ان کو ایک خاص مذاق اور شوق رہا ہے کہ وہ اکثر باتیں حضرت کی نوٹ کر لیا کرتے اور دوستوں

کو سنایا کرتے۔

انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض اخلاق کا ذکر برادرم منشی محمد عبداللہ بوتالوی سے کیا اور منشی محمد عبداللہ صاحب نے مجھے لکھ کر بھیجا جو میں نے ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء کے الحکم میں سیرت المہدی کا ایک ورق کے عنوان سے چھاپ دیا۔ اس میں اکرام ضیف کے عنوان کے نیچے یہ واقعہ درج ہے۔ کہ

"ایک مرتبہ ایک مہمان نے آکر کہا کہ میرے پاس بسترا نہیں ہے حضرت صاحب نے حافظ حامد علی صاحب کو (جو ۱۹۱۸ء میں مختصر سی دکان قادیان میں کرتے تھے اور حضرت کے پرانے مخلص خادم تھے اور اب فوت ہو چکے ہیں اللہم ارحمہ) کہا کہ اس کو لحاف دے دو۔ حافظ حامد علی صاحب نے عرض کیا کہ یہ شخص لحاف لے جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ

"اگر یہ لحاف لے جائے گا تو اس کا گناہ ہوگا اور اگر بغیر لحاف کے سردی سے مر گیا تو ہمارا گناہ ہوگا"۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ وہ مہمان بظاہر کوئی ایسا آدمی نہ معلوم ہوتا تھا جو کسی دینی غرض کے لئے آیا ہو بلکہ شکل و صورت سے مشتبہ پایا جاتا تھا مگر آپ نے اس کی مہمان نوازی میں کوئی فرق نہیں کیا۔ اور اس کی آسائش و آرام کو اپنے آرام پر مقدم کیا۔

مہمان نوازی کے لئے ایثار کلّی کی تعلیم ایک کہانی کے رنگ میں

وہی صاحب حضرت مفتی صاحب کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مہمان کثرت سے آگئے بیوی صاحبہ (حضرت ام المومنین) گھبرائیں (اس زمانہ میں مہمانوں

کا کھانا سب اندر تیار ہوتا تھا اور تمام انتظام اور انصرام اندر ہوتا تھا اس لئے گھبرا جانا معمولی بات تھی- عرفانی) مجھے (مفتی محمد صادق کو) جو مکان حضرت صاحب نے دے رکھا تھا وہ بالکل نزدیک تھا (یہ وہ مکان ہے جہاں آج کل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رہتے ہیں اس وقت یہ مکان نہایت شکستہ حالت میں تھا- بعد میں خاکسار عرفانی نے اسے خرید لیا اور خدا نے اسے توفیق دی کہ اس کا 1/3 حصہ حضرت اقدس کے نام ہبہ کر دے خدا تعالیٰ اسے قبول فرمائے آمین- پھر وہ سارا مکان حضرت کے قبضہ میں آ گیا- عرفانی) میں سنتا رہا- حضرت صاحب نے بیوی صاحبہ کو ایک کہانی سنانی شروع کی- فرمایا ایک شخص کو جنگل میں رات آ گئی اس نے ایک درخت کے نیچے بسیرا کر دیا- اس درخت کے اوپر ایک کبوتر اور کبوتری کا گھونسلہ بنا ہوا تھا- وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے کہ ہمارے ہاں مہمان آیا ہے- اس کی کیا خاطر کریں- نر نے کہا کہ سردی ہے بستر اس کے پاس نہیں ہم آپنا آشیانہ گرا دیں اس سے آگ جلا کر یہ رات گزار لے گا- چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا- انہوں نے سوچا کہ اب اس کے واسطے کھانا نہیں ہے ہم دونوں اپنے آپ کو نیچے گرا دیں تاکہ یہ ہمیں بھی کھالے-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کس لطیف پیرایہ میں اکرام ضیف کی تاکید فرمائی حضرت ام المومنین کو اللہ تعالیٰ نے خود ایک وسیع حوصلہ دیا ہے اور وہ مہمانوں کی خدمت و دلداری میں جو حصہ لیتی ہیں اس سے وہ لوگ خوب واقف ہیں جن کی مستورات سالانہ جلسہ پر آتی ہیں- شروع شروع میں قادیان میں ضروری اشیاء بھی بڑی دقت سے ملا کرتی تھیں تو مہمانوں کی کثرت بعض اوقات انتظامی دقتیں پیدا کر دیا کرتی تھی- یہ گھبراہٹ بھی انہیں دقتوں کے رنگ میں تھی- یہ واقعہ حضرت صاحب کی مہمان نوازی کا ہی بہترین سبق نہیں بلکہ مہمانوں کے لئے وہ اعلیٰ درجہ کی محبت اور ایثار جو آپ میں تھا اور جو آپ اپنے گھر والوں کے دل میں پیدا کرنا چاہتے تھے اس کی بھی نظیر ہے پھر آپ کے حسن

معاشرت پر بھی معارو شنی ڈالتا ہے۔ کہ کس رفق اور اخلاق کے ساتھ ایسے موقعہ پر کہ انسان گھبرا جاتا ہے اصل مقصد کو زیر نظر رکھتے ہیں۔ (عرفانی)

ڈاکٹر عبداللہ صاحب نو مسلم کا واقعہ

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے نیاز حاصل کرنے کے لئے لاہور سے دو دن کی رخصت لے کر آیا۔ (ڈاکٹر صاحب لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے شفاخانہ میں کام کرتے تھے ایڈیٹر) رات کی گاڑی پر بٹالہ اترا اس لئے رات کو وہیں رہا۔ اور صبح سویرے اٹھ کر قادیان کو روانہ ہو گیا۔ اور ابھی سورج تھوڑا ہی نکلا تھا کہ یہاں پہنچ گیا۔ میں پرانے بازار کی طرف سے آرہا تھا جب میں مسجد اقصیٰ کے قریب جو بڑی حویلی (ڈپٹی شنکر داس کی حویلی) ہے وہاں پہنچا تو میں نے اس جگہ (جہاں اب صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کا مکان ہے اور اس وقت یہ جگہ سپید ہی تھی) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک مزدور کے پاس جو کہ اینٹیں اٹھا رہا تھا کھڑے ہوئے دیکھا حضرت صاحب نے بھی مجھے دیکھ لیا آپ مجھے دیکھتے ہی مزدور کے پاس سے آکر راستہ پر کھڑے ہو گئے۔ میں نے قریب پہنچ کر السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہا آپ نے وعلیکم السلام فرمایا اور فرمایا کہ اس وقت کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میں رات بٹالہ رہا ہوں اور اب حضور کی خدمت میں وہاں سے سویرے چل کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پیدل آئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور۔ افسوس کے لہجے میں فرمایا کہ تمہیں تو بڑی تکلیف ہوئی ہو گی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا اچھا بتاؤ چائے پیو گے یا لسی میں نے عرض کیا کہ حضور کچھ بھی نہیں پیئوں گا۔ آپ نے فرمایا تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہمارے گھر گائے ہے جو کہ تھوڑا سا دودھ دیتی ہے گھر والے چونکہ دہلی گئے ہوئے ہیں اس لئے اس وقت لسی بھی موجود ہے اور چائے بھی جو چاہو پی لو۔ میں نے کہا حضور لسی پیئوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا چلو مسجد مبارک میں بیٹھو۔ میں مسجد میں آکر بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد

بیت الفکر کا دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ایک کوری ہانڈی معہ کوری چینی کے جس میں لسی تھی خود اٹھائے ہوئے دروازہ سے نکلے چینی پر نمک تھا اور اس کے اوپر ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ حضور نے وہ ہانڈی میرے سامنے لا کر رکھ دی اور خود اپنے دست مبارک سے گلاس میں لسی ڈالنے لگے میں نے خود گلاس پکڑ لیا۔ اتنے میں چند اور دوست بھی آ گئے میں نے انہیں بھی لسی پلائی اور خود بھی پی۔ پھر حضور خود وہ ہانڈی اور گلاس لے کر اندر تشریف لے گئے۔ حضور کی اس شفقت اور نوازش کو دیکھ کر میرے ایمان کو بہت ہی ترقی ہوئی اور یہ حضور کے اخلاق کریمانہ کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ صاحب اس وقت تک خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے زندہ ہیں اور یہ خود ان کا اپنا بیان ہے۔ سادگی کے ساتھ اس واقعہ پر غور کرو کہ حضرت مسیح موعود کے کیریکٹر (سیرت) کے بہت سے پہلوؤں پر اس سے روشنی پڑتی ہے آپ کی سادگی اور بے تکلفی کی ایک شان اس سے نمایاں ہے اکرام ضیف کا پہلو واضح ہے۔ اپنے احباب پر کسی بھی قسم کی برتری حکومت آپ کے قلب میں پائی نہیں جاتی اور سب سے بڑھ کر جو پہلو اس مختصر سے واقعہ میں پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے دوستوں جو آپ کے خادم کہلانے میں اپنی عزت و فخر یقین کرتے اور آپ کی کفش برداری اپنی سعادت سمجھتے ہیں کی تکلیف کا احساس از بس ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے پیدل چل کر آنے پر فوراً آپ کے قلب مطہّر کو اس تکلیف کا احساس ہوا عام طور پر ایک ایسے شخص کو جو پیدل چلنے کا عادی نہ ہو دس گیارہ میل کا سفر کرنے سے ہو سکتی ہے۔ غرض یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔

مولوی علی احمد بھاگلپوری کا واقعہ

مولوی علی احمد صاحب ایم۔اے بھاگلپوری بیان کرتے ہیں کہ میں جب پہلی مرتبہ دارالامان میں فروری ۱۹۰۸ء کو آیا۔ جب حضرت اقدس

علیہ التحیتہ والسلام کا وجود باجود ہم میں موجود تھا۔ یوں تو حضرت اقدس کی مہمان نوازی اور اکرام ضیف کے قصے زبان زد خاص وعام ہیں لیکن میں اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ علاوہ خلیل اللہ جیسی مہمان نوازی کے حضور کو اپنے ان خدام کے وابستگان کا جن کو اس دار فانی سے رحلت کئے ایک عرصہ گزر گیا تھا کتنا خیال تھا اور ان کی کیسی دلجوئی حضور فرماتے تھے۔ میں جس دن یہاں پہنچا تو ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیر مبلغ اسلام متعینہ نائیجیریا نے حضور کو ایک رقعہ کے ذریعہ مجھ جیسے ہیچمیرز آدمی کے آنے کی اطلاع کی اور اس میں اس تعلق کو بھی بیان کیا جو مجھے حضرت مولانا حسن علی صاحب واعظ اسلام رضی اللہ عنہ سے تھا جن کی وفات فروری ۱۸۹۶ء میں واقع ہوئی تھی۔ میں نے بچشم خود دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا کہ حضور نے مہمان خانہ کے مہتموں کو بلا کر سخت تاکید میری راحت رسانی کی فرمائی۔ وہ بیچارے کچھ ایسے پریشان سے ہو گئے۔ میں نے انہیں یہ کہہ کر کہ میں یہاں آرام اٹھانے اور مہمانداری کرانے کے لئے نہیں آیا ہوں میں اس مقصد کے حصول کی کوشش میں آیا ہوں جس کو لیکر حضور مبعوث ہوئے ہیں ان کو مطمئن کیا۔

حضرت مولوی حسن علی صاحبؓ کا واقعہ اور اعتراف مہمان نوازی

حضرت مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری پہلے اسلامی مشنری تھے جنہوں نے ۱۸۸۶ء میں پٹنہ کے ایک سکول کی ہیڈ ماسٹری سے استعفیٰ دیکر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا اہم فرض اپنے ذمہ لیا۔ وہ ۱۸۸۷ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ پر تشریف لائے اور امرتسر میں بابو محکم الدین صاحب مختار عدالت اور دوسرے لوگوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر سنا۔ اس وقت آپ نے کوئی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اور نہ ابھی بیعت لیتے تھے البتہ براہین احمدیہ اور دوسری کتابیں شائع ہو چکی

تھیں۔ اکثر نیک دل اور سلیم الفطرت لوگ آپ سے فیض پانے کے لئے قادیان بھی آتے رہتے تھے۔ مولوی حسن علی صاحب مرحوم نے اپنے واقعہ کا خود اپنی قلم سے ذکر کیا جو ان کی کتاب تائید حق میں چھپا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

"جب میں امرتسر گیا تو ایک بزرگ کا نام سنا۔ جو مرزا غلام احمد کہلاتے ہیں ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان نامی میں رہتے ہیں اور عیسائیوں۔ برہمو اور آریہ سماج والوں سے خوب مقابلہ کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے ایک کتاب براہین احمدیہ نام بنائی ہے جس کا بڑا شہرہ ہے۔ ان کا بہت بڑا دعویٰ یہ ہے کہ ان کو الہام ہوتا ہے۔ مجھ کو یہ دعویٰ معلوم کرکے تعجب نہ ہوا۔ گو میں ابھی تک اس الہام سے محروم ہوں جو نبی کے بعد محدث کو ہوتا رہا ہے۔ لیکن میں اس بات کو بہت ہی عجیب نہیں سمجھتا تھا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ علاوہ نبی کے بہت سے بندگان خدا ایسے گزرے ہیں جو شرف مکالمہ الہیہ سے ممتاز ہوا کئے ہیں۔ غرض میرے دل میں جناب مرزا غلام احمد صاحب سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ امرتسر کے دو ایک دوست میرے ساتھ چلنے کو مستعد ہوئے ریل پر سوار ہوا بٹالہ پہنچا۔ ایک دن بٹالہ میں رہا پھر بٹالہ سے یکہ کی سواری ملتی ہے اس پر سوار ہو کر قادیان پہنچا مرزا صاحب مجھ سے بڑے تپاک اور محبت سے ملے۔ جناب مرزا صاحب کے مکان پر میرا وعظ ہوا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے لئے چندہ بھی ہوا۔ میرے ساتھ جو صاحب تشریف لے گئے وہ مرزا صاحب کے دعویٰ الہام کی وجہ سے سخت مخالف تھے اور مرزا صاحب کو فریبی اور مکّار سمجھتے تھے لیکن مرزا صاحب سے مل کر ان کے سارے خیالات بدل گئے اور میرے سامنے انہوں نے جناب مرزا صاحب سے اپنی سابق کی بدگمانی کے لئے معذرت کی مرزا صاحب کی مہمان نوازی کو دیکھ کر مجھ کو بہت تعجب سا گزرا ایک چھوٹی سی بات لکھتا ہوں جس سے سامعین ان کی مہمان نوازی

کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مجھ کو پان کھانے کی بری عادت تھی امرتسر میں تو مجھے پان ملا۔ لیکن بٹالہ میں مجھ کو کہیں پان نہ ملا ناچار الائچی وغیرہ کھا کر صبر کیا۔ میرے امرتسر کے دوست نے کمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب سے نہ معلوم کس وقت میری اس بری عادت کا تذکرہ کر دیا جناب مرزا صاحب نے گورداسپور ایک آدمی کو روانہ کیا دوسرے دن گیارہ بجے دن کے جب کھانا کھا چکا تو پان موجود پایا۔ سولہ کوس سے پان میرے لئے منگوایا گیا تھا"۔ (تائید حق صفحہ ۵۵-۵۶)

یہ واقعہ اس شخص نے بیان کیا ہے جو اسلامی جوش تبلیغ اور اپنی قربانی کے لحاظ سے بے غرض اور صاف گو تھا اور واقعہ اس زمانہ کا ہے جبکہ آپ کا کوئی دعویٰ مسیحیت و مہدویت نہ تھا۔ اور نہ آپ بیعت لیتے تھے۔ ایک مہمان کی ضرورت سے واقف ہو کر اس قدر تردد اور کوشش کہ سولہ کوس کے فاصلہ سے پان منگوایا گیا۔

مہمان نوازی کے اس وصف نے اس شخص کو جو ہندوستان کے تمام حصوں میں پھر چکا تھا۔ اور بڑے بڑے آدمیوں کے ہاں مہمان رہ چکا تھا۔ حیران کر دیا۔ اس کی سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ اسے سات سال بعد ۱۸۹۴ء میں پھر قادیان لائی اور اس کو حضرت اقدس کی غلامی کی عزت بخشی جس پر وہ ساری عزتوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا غرض یہ واقعہ بھی اپنی نوعیت میں ایک عجیب روشنی آپ کے وصف مہمان نوازی پر ڈالتا ہے۔

حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ کا واقعہ

حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ اپنی ذات کے متعلق تحریر فرمایا کہ

"ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے حضور مرحوم و مغفور کی خدمت میں قادیان میں کچھ عرصہ قیام کے بعد

رخصت حاصل کرنے کے واسطے عرض کیا حضور اندر تشریف رکھتے تھے اور چونکہ حضور کی رافت و رحمت بے پایاں نے خادموں کو اندر پیغام بھجوانے کا موقع دے رکھا تھا اس واسطے اس عاجز نے اجازت طلبی کے واسطے پیغام بھجوایا۔ حضور نے فرمایا کہ

وہ ٹھہریں ہم ابھی باہر آتے ہیں

یہ سن کر میں بیرونی میدان میں گول کمرہ کے ساتھ کی مشرقی گلی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور باقی احباب بھی یہ سن کر کہ حضور باہر تشریف لاتے ہیں پروانوں کی طرح ادھر ادھر سے اس شمع انوار الٰہی پر جمع ہونے کے لئے آگئے۔ یہاں تک کہ حضرت سیدنا مولانا نورالدین صاحب بھی تشریف لے آئے اور احباب کی جماعت اکٹھی ہو گئی۔ ہم سب کچھ دیر انتظار میں ہم بر سرراہ رہے کہ حضور اندر سے بر آمد ہوئے خلاف معمول کیا دیکھتا ہوں کہ حضور کے ہاتھ میں دودھ کا بھرا ہوا لوٹا ہے اور گلاس شاید حضرت میاں صاحب کے ہاتھ میں ہے اور مصری رومال میں ہے۔ حضور گول کمرہ کی مشرقی گلی سے بر آمد ہوتے ہی فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کہاں ہیں؟ میں سامنے حاضر تھا فی الفور آگے بڑھا اور عرض کیا حضور حاضر ہوں۔ حضور کھڑے ہو گئے اور مجھ کو فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں اسی وقت زمین پر بیٹھ گیا۔ گلاس میں دودھ ڈالا گیا۔ اور مصری ملائی گئی۔ مجھے اس وقت یہ یاد نہیں رہا کہ حضرت محمود نے میرے ہاتھ میں گلاس دودھ بھرا دیا یا خود حضور نے (میں اس واقعہ کو دیکھنے والا ہوں خود حضرت نے گلاس اپنے ہاتھ سے دیا۔ اور میری آنکھ اب تک اس موثر نظارے کو دیکھتی ہے گویا وہ بڑا گلاس حضرت کے ہاتھ سے میر صاحب کو دیا جا رہا ہے ایڈیٹر) مگر یہ ضرور ہے کہ حضرت محمود اس کرم فرمائی میں شریک تھے۔ (صورت یہ تھی کہ حضرت نے مصری گھول کر لوٹے میں ڈالی اور اس کو ہلایا اور گلاس

میں دودھ ڈال اچھی طرح سے ہلایا۔ پھر حضرت گلاس میں ڈالتے اور گلاس حضرت محمود کے ہاتھ میں ہوتا۔ پھر حضرت گلاس لیکر میر صاحب کو دیتے۔ بعض دوستوں نے خود یہ کام کرنا چاہا مگر حضرت نے فرمایا نہیں نہیں کچھ حرج نہیں ایڈیٹر) میں نے جب وہ گلاس پی لیا تو پھر دوسرا گلاس پر کر کے عنایت فرمایا گیا میں نے وہ بھی پی لیا۔ گلاس بڑا تھا میرا پیٹ بھر گیا۔ پھر اسی طرح تیسرا گلاس بھرا گیا میں نے بہت شرمگین ہو کر عرض کیا کہ حضور اب تو پیٹ بھر گیا ہے فرمایا ایک اور پی لو۔ میں نے وہ تیسرا گلاس بھی پی لیا۔ پھر حضور نے اپنی جیب خاص سے چھوٹی چھوٹی بسکٹیں نکالیں اور فرمایا کہ جیب میں ڈال لو راستہ میں اگر بھوک لگی تو یہ کھانا میں نے وہ جیب میں ڈال لیں حضرت محمود لوٹا اور گلاس لیکر اندر تشریف لے گئے۔ اور حضور نے فرمایا کہ چلو آپ کو چھوڑ آئیں میں نے عرض کیا کہ حضور اب میں سوار ہو جاتا ہوں۔ اور چلا جاؤں گا حضور تکلیف نہ فرمائیں مگر اللہ رے کرم و رحم کہ حضور مجھ کو ساتھ لیکر روانہ ہو پڑے۔

باقی احباب جو موجود تھے ساتھ ہو لئے اور یہ پاک مجمع اسی طرح اپنے آقا مسیح موعود کی محبت میں اس عاجز کے ہمراہ روانہ ہوا۔ حضور حسب عادت مختلف تقاریر فرماتے ہوئے آگے آگے چلتے رہے یہاں تک کہ بہت دور نکل گئے۔ تقریر فرماتے تھے اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت سیدنا و مولانا مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ نے قریب آکر مجھے کان میں فرمایا کہ

آگے ہو کر عرض کرو اور رخصت لو جب تک تم اجازت نہ مانگو گے حضور آگے بڑھتے چلے جائیں گے۔

میں حسب ارشاد والا آگے بڑھا اور عرض کیا کہ حضور اب سوار ہوتا ہوں حضور تشریف لے جائیں۔

اللہ! اللہ! کس لطف سے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ

اچھا ہمارے سامنے سوار ہو جاؤ

میں یکہ پر بیٹھ گیا اور سلام عرض کیا تو پھر حضور واپس ہوئے۔

" مجھے یاد ہے کہ محمد شادی خان صاحب بھی اس وقت بٹالہ جانے کے واسطے میرے ساتھ سوار ہوئے تھے انہوں نے حضور کی اس کریمانہ عنایت خاص پر تعجب کیا اور دیر تک راستہ میں مجھ سے تذکرہ کرتے رہے اور ہم خوش ہو ہو کر آپ کے اخلاق کریمانہ کے ذکر سے مسرور ہوتے تھے۔

" اے خدا کے پیارے اور محمد کے دلارے مسیح موعود تجھ پر ہزار ہزار سلام ہوں کہ تو اپنے خادموں کے ساتھ کیسا مہربان تھا۔ تیری محبت ہمارے ایمانوں کے لئے اکسیر تھی۔ جس سے ہمارے مس خام کو کندن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تیرے اخلاق کریمانہ اب بھی یاد آ آکر خدا تعالیٰ کے حضور میں ہمارے قرب کا موجب ہو رہے ہیں"

حضرت میر حامد شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ خود راقم الحروف کی آنکھوں کے سامنے گزرا ہے نہ صرف یہ بلکہ ایسے بہت سے واقعات کا وہ عینی شاہد اللہ کے فضل سے ہے۔ اس واقعہ کو پیش کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی اور سیرت کے میں صرف اس اسوہ ہی کو پیش نہیں کر رہا ہوں جو مہمان نوازی۔ اکرام ضیف اور مشایعت مہمان کے پہلوؤں پر حاوی ہے بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو اپنا کام آپ کرنے میں قطعاً تامل نہ ہوتا تھا۔ اور معاً یہ واقعہ آپ کی صداقت کی بھی ایک زبردست دلیل ہے۔ اگر تکلف اور تصنع کو آپ کے اخلاق کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا تو آپ اپنے مخلص اور جان نثار مریدوں کے درمیان اس طرح پر کھڑے ہو کر اپنے ایک خادم کو دودھ نہ پلاتے جیسے ایک خادم اپنے آقا کو پلاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ محبت اور ہمدردی مخلوق کے اس مقام پر کھڑا تھا

جہاں انسان باپ سے بھی زیادہ مہربان اور شفیق ہوتا ہے۔ وہ اپنے خادموں کو غلام نہیں بلکہ اپنے معزز اور شریف بھائی سمجھتا تھا۔ ان کے اکرام و احترام سے وہ سبق دیتا تھا کہ ہم کو کس طرح پر اپنے بھائیوں سے سلوک کرنا چاہئے اور کس طرح ایک دوسرے سے احترام کے اصول پر کاربند ہو کر اس حقیقی عزت و احترام کا دائرہ وسیع کرنا چاہئے جو مومنین کا خاصہ ہے۔

کیا دنیا کے پیروں اور مرشدوں میں اس کی نظیر پائی جاتی ہے؟ ہرگز نہیں ہاں یہ نظیر اگر ملے گی تو اس جماعت میں جو انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے اور یا ان لوگوں میں ملے گی جنہوں نے منہاج نبوت پر خدا تعالیٰ کی تجلیوں اور فیوض کو حاصل کیا ہے۔

منشی عبدالحق نو مسلم کا واقعہ

منشی عبدالحق بی۔ اے جو مولوی چراغ الدین صاحب قصوری مدرس مشن سکول لاہور کے فرزند رشید ہیں وہ ایک زمانہ میں عیسائی ہو گئے تھے اور لاہور مشن کالج میں بی۔ اے کلاس میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے الحکم اور حضرت اقدس کی بعض تحریروں کو پڑھ کر حضرت اقدس کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا کہ وہ اسلام کی حقانیت اور صداقت کو عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت خلیفتہ اللہ نے ان کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ کم از کم دو ماہ کے لئے قادیان آ جائیں چنانچہ وہ ۲۳ دسمبر ۱۹۰۱ء کو بعد دوپہر قادیان پہنچے۔ حضرت اقدس کی طبیعت ان ایام میں ناساز تھی مگر باوجود ناسازی مزاج کے آپ دوسرے مہمانوں اور اس حق جو مہمان کے لئے باہر تشریف لے آئے اور سیر کو تشریف لے گئے۔ اور تمام راستہ میں آتی اور جاتی دفعہ برابر تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس تبلیغ کا نتیجہ تو آخر میں یہ ہوا کہ یہ نوجوان مسلمان ہو گیا اور برہان الحق ایک رسالہ بھی تالیف کیا اور بھی چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے۔ مگر میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ باوجود ناسازی طبیعت آپ مہمان نوازی کے اعلیٰ مقام پر ہونے کے باعث باہر تشریف لائے اور یہ دیکھ کر کہ وقت کو قیمت سمجھنا چاہئے آپ نے پوری تبلیغ فرمائی اور آخر میں منشی عبدالحق صاحب کو

فرمایا

"آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان وہی آرام پا سکتا ہے جو بے تکلف ہو پس آپ کو چاہئے کہ جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بلا تکلف کہہ دیں"

پھر جماعت کو مخاطب کرکے فرمایا کہ

"دیکھو یہ ہمارے مہمان ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو مناسب ہے کہ ان سے پورے اخلاق سے پیش آوے۔ اور کوشش کرتا رہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو"۔ (اخبار الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۳-۴)

منشی عبدالحق صاحب پر تو جو اثر حضرت کی تبلیغ کا ہوا تھا اس کو آپ کے اس خُلق مہمان نوازی نے اور بھی قوی کر دیا اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے منشی صاحب مسلمان ہو گئے۔ اور اب تک مسلمان ہیں۔ انہوں نے میاں سراج الدین صاحب بی۔اے کا بھی ذکر کیا۔ (یہ وہی سراج الدین ہے جن کے نام پر سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب شائع ہوا ہے) اس نے حضرت اقدس کی ایک اعلیٰ درجہ کی اخلاقی خوبی کو خدا جانے کس آنکھ سے دیکھا۔ جب وہ یہاں سے گیا ہے تو حضرت اقدس اس کو چھوڑنے کے لئے تین میل تک چلے گئے تھے اس کا ذکر اس نے منشی عبدالحق سے ان الفاظ میں کیا۔

کہ جب میں آیا تھا تو وہ تین میل تک مجھے چھوڑنے آئے تھے

میں اس موقع پر سلیم الفطرت قلوب سے اپیل کروں گا کہ وہ غور کریں۔ حضرت مسیح موعود ایک شخص کو (جو عیسائی ہو گیا تھا اور اس کے رشتہ دار وغیرہ اسے قادیان اس غرض سے لائے تھے کہ اسے کچھ فائدہ پہنچے۔ چونکہ وہ دراصل اپنے بعض مقاصد کو لے کر عیسائی ہو گیا تھا اس لئے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکا) چھوڑنے جا رہے ہیں۔ کیا یہ کسی ذاتی غرض و مقصد کا نتیجہ ہے یا محض شفقت اور ہمدردی لئے جا رہی تھی۔ آپ کی فطرت میں یہ جوش تھا کہ کسی نہ کسی طرح یہ روح بچ جاوے اور اس وقت اور

موقعہ کو غنیمت سمجھ کر آپ نے اکرام ضیف بھی کیا اور تبلیغ بھی کی مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

الغرض منشی عبدالحق صاحب جب تک یہاں رہے حضرت کی مہمان نوازی کے معترف رہے اور اس کا ان کے قلب پر خاص اثر تھا۔ میں نے ان ایام میں دیکھا کہ حضرت قریباً روزانہ منشی عبدالحق کو سیر سے واپس لوٹتے وقت یہ فرماتے کہ

"آپ مہمان ہیں آپ کو جس چیز کی تکلیف ہو مجھے بے تکلف کہیں کیونکہ میں تو اندر رہتا ہوں اور نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو کیا ضرورت ہے آج کل مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے بعض اوقات خادم بھی غفلت کر سکتے ہیں آپ اگر زبانی کہنا پسند نہ کریں تو مجھے لکھ کر بھیج دیا کریں۔ مہمان نوازی تو میرا فرض ہے"۔ (اخبار الحکم ۷ فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۵)

ایک ہندو سادھو کی تواضع

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں ایک ہندو سادھو کوٹ کپورہ سے آیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا مسلمانوں کے لئے تو کوئی خاص تردد اور تکلیف نہیں ہو سکتی کیونکہ لنگر جاری تھا اور جاری ہے وہاں انتظام ہر وقت رہتا ہے لیکن ایک ہندو مہمان کے لئے خصوصیت سے انتظام کرنا پڑتا ہے اور چونکہ وہ انتظام دوسروں کے ہاں کرانا ہوتا ہے اس لئے اس کی مشکلات ظاہر ہیں تاہم حضرت اقدس ہمیشہ ایسے موقعہ پر بھی پورا التزام مہمان نوازی کا فرماتے تھے۔ ۶۔ اکتوبر کی شام کو اس نے حضرت اقدس سے ملاقات کی آپ نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ

"یہ ہمارا مہمان ہے اس کے کھانے کا انتظام بہت جلد کر دینا چاہئے۔ ایک شخص کو خاص طور پر حکم دیا کہ ایک ہندو کے گھر اس کے لئے بندوبست کیا جاوے"۔

چنانچہ فوراً یہ انتظام کیا گیا۔ آپ کے دستر خوان پر دوست دشمن کی کوئی خاص تمیز نہ تھی۔ ہر شخص کے ساتھ جو آپ کے یہاں مہمان آجاتا آپ پورے احترام اور

فیاضی سے برتاؤ کرتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ

مہمان کا دل شیشہ سے بھی نازک ہوتا ہے

اس لئے بہت رعایت اور توجہ کی ضرورت ہے اور بار بار لنگر خانہ کے خدام کو خود تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور محض اسی خیال سے کہ مہمانوں کو کوئی تکلیف نہ ہو آپ نے اپنی حیات میں لنگر خانہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تاکہ بعض ضوابط اور قواعد کی پابندیاں کسی کے لئے تکلیف کا موجب نہ ہو جائیں۔ اور آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ ہر مہمان کے متعلق اس امر کا بھی التزام رکھتے تھے کہ وہ کس قسم کی عادات کھانے کے متعلق رکھتا ہے مثلاً اگر حیدر آباد یا کشمیر سے کوئی مہمان آتا تو آپ اس کے کھانے میں چاول کا خاص طور پر التزام فرماتے کیونکہ وہاں کی عام غذا چاول ہے اور اس امر کی خاص طور پر تاکید کی جاتی اور کوشش یہ رہتی تھی کہ مہمان اپنے آپ کو اجنبی نہ سمجھے بلکہ وہ یہی سمجھے کہ اپنے گھر میں ہے۔

حضرت اقدس کے معمولات میں یہ بات بھی تھی کہ جب وہ مہمانوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھتے تھے تو ہمیشہ سب مہمانوں کے کھا چکنے کے بعد بھی بہت دیر تک کھاتے رہتے اور غرض یہ ہوتی تھی کہ کوئی شخص حجاب نہ کرے اور بھوکا نہ رہے اس لئے آپ بہت دیر تک کھانا کھاتے رہتے۔ اگرچہ آپ کی خوراک بہت ہی کم تھی غرض آپکی مہمان نوازی عدیم المثل تھی اور آپ کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔

مولانا ابو الکلام آزاد کے بڑے بھائی ابو نصر آہ مرحوم کا واقعہ

مولوی ابو الکلام آزاد (جو آجکل مسلمانوں کے سیاسی لیڈروں میں مشہور ہیں) کے بڑے بھائی مولوی ابو نصر آہ مرحوم ۳ مئی ۱۹۰۵ء کو قادیان تشریف لائے تھے اور اخلاص و محبت سے آئے تھے۔ حضرت اقدس نے ان سے خطاب کر کے ایک مختصر سی

تقریر کی تھی۔ انہوں نے قادیان سے جانے کے بعد امرتسر کے اخبار وکیل میں اپنے سفر قادیان کا حال شائع کیا تھا۔

اگرچہ اس میں بعض دوسری باتوں کا بھی ذکر ہے اور اگر میں صرف اس حصہ کو یہاں درج کر دیتا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی پر روشنی ڈالتا ہے تو اس باب کے موضوع کے لحاظ سے مناسب تھا مگر اس مضمون کے ناتمام چھاپنے سے وہ اثر جو بہیئت مجموعی پڑتا ہے کم ہو جاتا ہے اس لئے میں ان کے خیالات کو پورا درج کر دیتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میں نے اور کیا دیکھا؟ قادیان دیکھا۔ مرزا صاحب سے ملاقات کی مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ میرے منہ میں حرارت کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے اور میں شور غذائیں کھا نہیں سکتا تھا۔ مرزا صاحب نے (جبکہ دفعتاً گھر سے باہر تشریف لے آئے تھے) دودھ اور پاؤ روٹی تجویز فرمائی۔

"آج کل مرزا صاحب قادیان سے باہر ایک وسیع اور مناسب باغ (جو خود ان ہی کی ملکیت ہے) میں قیام پذیر ہیں۔ بزرگان ملت بھی وہیں ہیں۔ قادیان کی آبادی قریباً تین ہزار آدمیوں کی ہے۔ مگر رونق اور چہل پہل بہت ہے۔ نواب صاحب مالیر کوٹلہ کی شاندار اور بلند عمارت تمام بستی میں صرف ایک ہی عمارت ہے۔ راستے کچے اور ناہموار ہیں بالخصوص وہ سڑک جو بٹالہ سے قادیان تک آئی ہے اپنی نوعیت میں سب پر فوق لے گئی ہے! آتے ہوئے یکہ میں مجھے جس قدر تکلیف ہوئی تھی نواب صاحب کے رتھ نے لوٹتے کے وقت نصف کی تخفیف کر دی۔

"اگر مرزا صاحب کی ملاقات کا اشتیاق میرے دل میں موجزن نہ ہوتا تو شاید آٹھ میل تو کیا آٹھ قدم بھی میں آگے نہ بڑھ سکتا۔

"اکرام ضیف کی صفت خاص اشخاص تک محدود نہ تھی چھوٹے سے

لیکر بڑے تک ہر ایک نے بھائی کا سا سلوک کیا۔ اور مولانا حاجی حکیم نورالدین صاحب جن کے اسم گرامی سے تمام انڈیا واقف ہے اور مولانا عبدالکریم صاحب جن کی تقریر کی پنجاب میں دھوم ہے۔ مولوی مفتی محمد صادق صاحب اڈیٹر بدر جن کی تحریروں سے کتنے انگریز یورپ میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ جناب میر ناصر نواب صاحب دہلوی جو مرزا صاحب کے خسر ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے‘ایل۔ایل۔بی اڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ مولوی یعقوب علی صاحب تراب اڈیٹر الحکم۔ جناب شاہ سراج الحق صاحب وغیرہ وغیرہ پرلے درجہ کی شفقت اور نہایت محبت سے پیش آئے! افسوس مجھے اور اشخاص کا نام یاد نہیں ورنہ میں ان کی مہربانیوں کا بھی شکریہ ادا کرتا۔ مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت قوی ہوتا ہے آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے۔ اور باتوں میں ملائمت ہے طبیعت منکسر مگر حکومت خیز۔ مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا اور بردباری کی شان نے انکساری کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا متبسم ہیں رنگ گورا ہے بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں جسم مضبوط اور محنتی ہے سر پر پنجابی وضع کی سپید پگڑی باندھتے ہیں سیاہ یا خاکی لمبا کوٹ زیب تن فرماتے ہیں پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے۔ عمر قریباً چھیاسٹھ سال کی ہے۔

”مرزا صاحب کے مریدوں میں میں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں بہت خوش اعتقاد پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے۔ جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی۔ اور بے حد عقیدت مند تھے۔

”مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی

متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقعہ دیا "ہم آپ کو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتہ قیام کریں" (اس وقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے)۔

"میں جس شوق کو لے کے گیا تھا ساتھ لایا۔ اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے حُسْن خُلقِکَ وَلَوْ مَعَ الْکُفَّار ...... میں نے اور کیا دیکھا بہت کچھ دیکھا مگر قلم بند کرنے کا موقع نہیں سٹیشن جانے کا وقت سر پر آچلا ہے پھر کبھی بتاؤں گا۔ کہ میں نے کیا دیکھا۔ راقم آہ دہلوی"۔ (الحکم ۲۴ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۰)

افسوس ہے کہ مولانا ابو نصر آہ کو موت نے فرصت نہ دی ورنہ وہ دوبارہ قادیان میں آتے اور ضرور آتے اور جو وعدہ کر کے وہ یہاں سے گئے تھے اسے پورا کرتے۔ سلسلہ کے لئے ایک محبت اور اخلاص کی آگ ان کے سینہ میں سلگ چکی تھی اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے اس اخلاص کا نیک بدلہ انہیں دے گا۔ مولانا ابو نصر کی یہ تحریر حضرت مسیح موعود کے شمائل و اخلاق کا ایک مختصر سا مرقع ہے۔

خاکسار مولف کا اپنا واقعہ

میں پہلی مرتبہ ۱۸۹۳ء کے مارچ مہینے کے اواخر میں قادیان آیا۔ راستہ سے ناواقف تھا اور بٹالہ گاڑی شام کے قریب آتی تھی دن تھوڑا سا باقی تھا۔ میرے پاس کچھ سامان سبزی وغیرہ کی قسم سے تھا۔ مجھے یکہ کوئی نہ ملا میں نے ایک مزدور جو بٹالہ میں جوتوں کی مرمت کیا کرتا تھا ساتھ لیا۔ وہ بڈھا آدمی تھا اور اس کا گھر دوانی وال تھا۔ راستہ میں جب وہ اپنے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نے کہا کہ میں گھر سے ہو آؤں اور گھر والوں کو اطلاع دے آؤں کہ قادیان جاتا ہوں۔ اسے گھر میں اچھی خاصی دیر ہو گئی اور آفتاب غروب ہو گیا۔ میں نے بٹالہ میں راستہ کی کچھ تفصیلات معلوم کی تھیں کہ نہر آئے گی اس سے آگے ایک چھوٹی سی پلی آئے گی۔ وہاں سے قادیان کو راستہ جاتا

ہے۔ رات اندھیری تھی ہم دونوں چلے آئے مگر وہ بھی راستہ سے پورا واقف نہ تھا۔ نہر پر پہنچے تو چونکہ نہر بند تھی ہمیں کچھ معلوم نہ ہوا کہ نہر آگئی ہے اور اس لئے آگے جو نشان بتایا گیا تھا اس کا بھی پتہ نہ لگا۔ اور ہم ہرچووال کی نہر پر جا پہنچے مگر سفر کی طوالت وقت کے زیادہ گزرنے سے معلوم ہوتی تھی گو شوق کی وجہ سے کچھ تکان نہ تھی۔ میں نے اس بڈھے مزدور سے کہا کہ تم کہتے تھے میں راستہ کا واقف ہوں اور ہم کو بٹالہ سے چلے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا ابھی تک وہ موڑ نہیں آتا یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ الغرض جب ہم ہرچووال پہنچے تو جاکر معلوم ہوا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں اتفاقاً وہاں ایک آدمی مل گیا اور اس نے ہم کو ہماری غلطی پر آگاہ کیا۔ اور ہم واپس ہوئے۔ اور لیل کلاں کے قریب آکر پھر بھولے مگر اس وقت دو تین آدمی لیل سے نکل کر باہر جا رہے تھے۔ کہ انہوں نے ہم کو سیدھے راستہ پر ڈال دیا۔ اس پریشانی میں اس رفیق سفر پر بہت غصہ آتا تھا مگر اس کا نتیجہ کچھ نہ تھا۔ آخر اس راستہ پر جو لیل سے قادیان کو آتا ہے ہم قادیان باغ کے قریب پہنچے۔ باغ کے پاس آئے تو آگے پانی تھا۔ باغ کی طرف سے ہم نے آواز دی تو ایک شخص نے کہا چلے آؤ پانی پایاب ہے۔ غرض وہاں سے گزر کر مہمان خانہ پہنچے۔ رمضان کا آغاز تھا اور لوگ اس وقت اٹھ رہے تھے مہمان خانہ کی کائنات صرف دو کوٹھریاں ایک دالان تھا جو مطب والا ہے باقی موجودہ مہمان خانہ تک پلیٹ فارم ہی تھا۔ حضرت حافظ حامد علی مرحوم کو خبر ہوئی کہ کوئی مہمان آیا ہے اس وقت مہمان خانہ کے مہتمم کہو داروغہ کہو خادم سمجھو سب کچھ وہی تھے۔ میرے وہ واقف و آشنا تھے۔ جب وہ آکر ملے تو محبت اور پیار سے انہوں نے مصافحہ اور معانقہ کیا اور حیرت سے پوچھا کہ اس وقت کہاں سے۔ میں نے جب واقعات بیان کئے تو بیچارے بہت حیران ہوئے۔ میں نے وہ سبزی وغیرہ ان کے حوالے کی وہ لیکر اسی وقت اندر گئے۔ اور حضرت صاحب کو اطلاع کی۔ میرا خیال ہے کہ تین بجے کے قریب قریب وقت تھا۔ حضرت صاحب نے اسی وقت مجھے گول کمرہ میں بلالیا۔ اور وہاں پہنچنے تک پر تکلف کھانا بھی موجود تھا۔ میں

اس ساعت کو اپنی عمر میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ کس محبت اور شفقت سے بار بار فرماتے تھے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی میں عرض کرتا نہیں حضور تکلیف تو کوئی نہیں ہوئی معلوم بھی نہیں ہوا۔ مگر آپ بار بار فرماتے ہیں راستہ بھول جانے کی پریشانی بہت ہوتی ہے۔ اور کھانا کھانے کے لئے تاکید فرمانے لگے۔ مجھے شرم آتی تھی کہ آپ کے حضور کس طرح کھاؤں میں نے تامل کیا مگر آپ نے خود اپنے دست مبارک سے کھانا آگے کر کے فرمایا کہ کھاؤ بہت بھوک لگی ہوگی۔ سفر میں تکان ہو جاتا ہے۔ آخر میں نے کھانا شروع کیا تو پھر فرمانے لگے کہ خوب سیر ہو کر کھاؤ شرم نہ کرو۔ سفر کر کے آئے ہو۔

حضرت حامد علی صاحب بھی پاس بیٹھے تھے اور آپ بھی تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا کہ حضور آپ آرام فرمائیں میں اب کھالوں گا۔ حضرت اقدس نے اس وقت یہ محسوس کیا کہ میں آپ کی موجودگی میں تکلف نہ کروں۔ "فرمایا اچھا حامد علی تم اچھی طرح سے کھلاؤ اور یہاں ہی ان کے لئے بستر ا بچھا دو۔ تاکہ یہ آرام کر لیں اور اچھی طرح سے سو جائیں"۔ آپ تشریف لے گئے۔ مگر تھوڑی دیر بعد ایک بستر ا لئے ہوئے پھر تشریف لے آئے میری حالت اس وقت عجیب تھی ایک طرف تو میں آپ کے اس سلوک سے نادم ہو رہا تھا کہ ایک واجب الاحترام ہستی اپنے ادنیٰ غلام کے لئے کس مدارات میں مصروف ہے میں نے عذر کیا کہ حضور نے کیوں تکلیف فرمائی فرمایا "نہیں نہیں تکلیف کس بات کی آپ کو آج بہت تکلیف ہوئی ہے اچھی طرح سے آرام کرو"۔

غرض آپ خود بستر ا رکھ کر تشریف لے گئے اور حافظ حامد علی صاحب میرے پاس بیٹھے رہے۔ انہوں نے محبت سے کھانا کھلایا اور بستر ا بچھا دیا میں لیٹ گیا تو مرحوم حافظ حامد علی نے میری چاپی کرنی چاہی تو میں نے بہت ہی عذر کیا تو وہ رکے مگر مجھے کہا کہ حضرت صاحب نے مجھے فرمایا تھا۔ کہ ذرا دبا دینا بہت تھکے ہونگے ان کی یہ بات سنتے ہی میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل گئے کہ اللہ اللہ !! کس شفقت اور

محبت کے جذبات اس دل میں ہیں اپنے خادموں کے لئے وہ کس درد کا احساس رکھتا
ہے۔ فجر کی نماز کے بعد جب آپ تشریف فرما ہوئے تو پھر دریافت فرمایا کہ نیند اچھی
طرح آگئی تھی۔ اب تکان تو نہیں۔ غرض اس طرح پر اظہار شفقت فرمایا کہ مجھے مدت
العمر یہ لطف اور سرور نہ بھولے گا۔ میں چند روز تک رہا اور ہر روز آپ کے لطف و
کرم کو زیادہ محسوس کرتا تھا جانے کے لئے اجازت چاہی تو فرمایا نوکری پر تو جانا نہیں
اور دو چار روز رہو میں پھر ٹھہر گیا۔ آخر آپ کی محبت و کرم فرمائی کے جذبات کا ایک
خاص اثر لے کر گیا اور وہ کشش تھی کہ مجھے ملازمت چھڑا کر یہاں لائی اور پھر
خدا تعالیٰ نے اپنا فضل کیا کہ مجھے اس آستانہ پر دھونی رما کر بیٹھ جانے کی توفیق عطا
فرمائی و الحمد للہ علی ذالک

میں نے مختصراً اس واقعہ کو صاف اور سادہ الفاظ میں بیان کر دیا ہے میں اس
وقت ایک غریب طالب علم تھا اور کسی حیثیت سے کوئی معروف درجہ نہ رکھتا تھا۔ مگر
حضرت اقدس کی مہمان نوازی اور وسعت اخلاق سب کے لئے یکساں تھی۔ وہ ہر
آنے والے کو سمجھتے تھے کہ یہ خدا کے مہمان ہیں ان کی آسائش۔ تالیف قلوب اور
ہمدردی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی پیاری پیاری باتوں اور آرام دہ
برتاؤ کو دیکھ کر گھر بھی بھول جاتا تھا۔ ہر ملاقات میں پہلے سے زیادہ محبت اور شفقت کا
اظہار پایا جاتا تھا۔ اور مخفی طور پر خادم مہمان خانہ کو ہدایات ہوتی تھیں کہ مہمانوں
کے آرام کے لئے ہر طرح خیال رکھو۔ اور براہ راست انتظام اپنے ہاتھ میں اس لئے
رکھا تھا کہ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

میاں رحمت اللہ باغانوالہ کا واقعہ

میاں رحمت اللہ باغانوالہ سیکرٹری انجمن احمدیہ بنگہ حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے مخلص خادموں میں سے ہیں اور بنگہ کی جماعت میں ان کے بعد
خدا تعالیٰ نے بڑی برکت اور ترقی بخشی ۱۹۰۵ء میں جبکہ حضرت اقدس باغ میں
تشریف فرما تھے۔ میاں رحمت اللہ قادیان آئے ہوئے تھے۔ اور وہ مہمان خانہ میں

حسب معمول ٹھہرے ہوئے تھے۔ میاں نجم الدین مرحوم لنگر خانہ کے داروغہ اور مہتمم تھے۔ ان کی طبیعت کسی قدر اکھڑ سی واقع ہوئی تھی۔ اگرچہ اخلاص میں وہ کسی سے کم نہ تھے۔ اور سلسلہ کی خدمت اور مہمانوں کے آرام کا اپنی طاقت اور سمجھ کے موافق بہت خیال رکھتے تھے۔ اور مجتہدانہ طبیعت پائی تھی۔ میاں رحمت اللہ صاحب نے کچھ تکلف سے کام لیا روٹی کچی ملی اور وہ بیمار ہو گئے۔ مجھ کو خبر ہوئی میں نے ان سے وجہ دریافت کی تو بتایا کہ روٹی کچی تھی۔ اور تنور کی روٹی عام طور پر کھانے کی عادت نہیں مجھے ان کی تکلیف کا احساس ہوا۔ میری طبیعت بے دھڑک سی واقعہ ہوئی ہے میں سیدھا حضرت صاحب کے پاس گیا۔ اطلاع ہونے پر آپ فوراً تشریف لے آئے۔ اور باغ کی اس روش پر جو مکان کے سامنے ہے ٹہلنے لگے۔ اور دریافت فرمایا کہ میاں یعقوب علی کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ عرض کرکے کہا کہ حضور! یا تو مہمانوں کو سب لوگوں پر تقسیم کر دیا کرو اور یا پھر انتظام ہو کہ تکلیف نہ ہو۔ میں آج سمجھتا ہوں اور اس احساس سے میرا دل بیٹھنے لگتا ہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل کے حضور اس رنگ میں کیوں عرض کی؟ مگر اس رحم و کرم کے پیکر نے اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کی کہ میں نے کس رنگ میں بات کی ہے فرمایا۔ آپ نے بہت ہی اچھا کیا کہ مجھ کو خبر دی میں ابھی گھر سے چپاتیاں پکوانے کا انتظام کردوں گا۔ اور میاں نجم الدین کو بھی تاکید کرتا ہوں اسے بلا کر میرے پاس لاؤ۔ یہ بہت اچھی بات ہے۔ اگر کسی مہمان کو تکلیف ہو تو فوراً مجھے بتاؤ۔ لنگر خانہ والے نہیں بتاتے اور ان کو پتہ بھی نہیں لگ سکتا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ میاں رحمت اللہ کہاں ہیں؟ وہ زیادہ بیمار تو نہیں ہو گئے اگر وہ آسکتے ہوں تو ان کو بھی یہاں لے آؤ۔

میں نے واپس آکر میاں رحمت اللہ صاحب سے ذکر کیا۔ وہ بیچارے بہت محجوب ہوئے کہ آپ نے کیوں حضرت کو تکلیف دی۔ میری طبیعت اب اچھی ہے۔ خیر میں ان کو حضرت کے پاس لے گیا اور میاں نجم الدین صاحب کی بھی حاضری ہوئی۔ حضرت نے میاں رحمت اللہ صاحب سے بہت عذر کیا کہ بڑی غلطی ہو گئی۔ آپ کو

تکلف نہیں کرنا چاہئے تھے۔ میں باغ میں تھا ورنہ تکلیف نہ ہوتی۔ اب انشاء اللہ انتظام ہو گیا ہے۔ جس قدر حضرت عذر اور دلجوئی کریں میں اور میاں رحمت اللہ اندر ہی اندر نادم ہوں۔ اور پھر جتنے دن وہ رہے حضرت نے روزانہ مجھ سے دریافت فرمایا کہ تکلیف تو نہیں۔ میاں نجم الدین صاحب کو بھی بہت تاکید اور وعظ فرمایا کہ یہ خدا تعالیٰ کے مہمان ہیں یہ خدا کے لئے آتے ہیں اور گھروں کا آرام چھوڑ کر آتے ہیں۔ اگر ان کی صحت ہی درست نہ رہے تو یہ اس غرض کو کیونکر حاصل کر سکیں گے جس کے لئے یہاں آتے ہیں۔ بہت کچھ ان کو سمجھایا اور وہ اپنے طریق کے موافق عذر کرتے رہے۔

میرا مطلب اس سے یہ دکھانا ہے کہ اگر کسی مہمان کو ذرا سی بھی تکلیف ہو تو آپ فوراً بے قرار ہو جاتے تھے۔ اور جب تک اس کو اطمینان اور آرام کی حالت میں نہ دیکھ لیں آپ صبر نہ کرتے تھے۔

مہمان نوازی پر اجمالی نظر

آپ کی مہمان نوازی کے واقعات اور مثالیں اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جاوے تو بجائے خود ایک مستقل کتاب ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے گا وہ اس خصوص میں ایسا ذخیرہ جمع کر دے گا۔

آپ کی عام خصوصیات مہمان نوازی میں یہ تھیں کہ

(ا) آپ مہمان کے آنے سے بہت خوش ہوتے تھے اور آپ کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ مہمان کو ہر ممکن آرام پہنچے۔ اور آپ نے خدام لنگر خانہ کو ہدایت کی ہوئی تھی کہ فوراً آپ کو اطلاع دی جائے۔ اور یہ بھی ہدایت تھی کہ جس ملک اور مذاق کا مہمان ہو اس کے کھانے پینے کے لئے اسی قسم کا کھانا تیار کیا جاوے مثلاً اگر کوئی مدراسی۔ بنگالی یا کشمیری آگیا ہے تو ان کے لئے چاول تیار ہوتے تھے۔ ایسے موقعہ پر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ان کی صحت ہی درست نہ رہی تو وہ دین کیا سیکھیں گے:

ایک مرتبہ سید محمد رضوی صاحب وکیل ہائی کورٹ حیدر آباد دکن حیدر آباد سے ایک جماعت لے کر آئے سید صاحب ان ایام میں ایک خاص جوش اور اخلاص رکھتے تھے حیدر آبادی لوگ عموماً ترش سالن کھانے کے عادی ہوتے ہیں آپ نے خاص طور پر حکم دیا کہ ان کے لئے مختلف قسم کے کھٹے سالن تیار ہوا کریں تاکہ ان کو تکلیف نہ ہو۔ ایسا ہی سیٹھ اسماعیل آدم بمبئی سے آئے تو ان کے لئے بلاناغہ دونوں وقت پلاؤ اور مختلف قسم کے چاول تیار ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ عموماً چاول کھانے کے عادی تھے مخدومی حضرت سیٹھ عبدالرحمان صاحب مدراسی رضی اللہ عنہ بھی ان ایام میں قادیان میں ہی تھے۔ غرض آپ اس امر کا التزام کیا کرتے تھے کہ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف کھانے پینے میں نہ ہو۔

(۲) یہ امر بھی آپ کی مہمان نوازی کے عام اصولوں میں داخل تھا کہ جس وقت کوئی مہمان آتا تھا اسی وقت اس کے لئے موسم کے لحاظ سے چاء یا لسی یا شربت مہیا کرتے اور اس کے بعد کھانے کا فوری انتظام ہوتا تھا اور اگر جلد تیار نہ ہو سکتا ہو یا موجود نہ ہو تو دودھ ڈبل روٹی یا اور نرم غذا فواکہات غرض کچھ نہ کچھ فوراً موجود کیا جاتا اور اس کے لئے کوئی انتظار آپ روا نہ رکھتے۔ بعض اوقات دریافت فرما لیتے اور بعض اوقات کھانا ہی موجود کرتے۔ ایسے واقعات ایک دو نہیں سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک ان کا نمبر پہنچتا ہے۔

جناب قاضی امیر حسین صاحب بھیروی جو عرصہ دراز سے ہجرت کرکے قادیان بیٹھے ہوئے ہیں ایک زمانہ میں امرتسر کے مدرستہ المسلمین میں ملازم تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امرتسر سے قادیان میں آیا اور حضرت صاحب کو اطلاع دی آپ فوراً تشریف لائے اور شیخ حامد علی صاحب کو بلا کر حکم دیا کہ قاضی صاحب کے لئے جلد چائے لاؤ۔ یہ ایک واقعہ نہیں علی العموم ایسا ہی ہوتا تھا۔

(۳) آپ کی مہمان نوازی کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ مہمان کے جلدی واپس جانے سے خوش نہ ہوتے تھے۔ بلکہ آپ کی خواہش ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ

وہ زیادہ دیر تک رہے۔ تاکہ پورے طور پر اس کے سفر کا مقصد پورا اور آپ کی دعوت کی تبلیغ ہو سکے۔ اس لئے جلد اجازت نہ دیتے تھے۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی کچھ دن اور رہو آپ کے جو پرانے خدام ہوتے تھے ان کے ساتھ خصوصیت سے یہی برتاؤ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی یہاں آئے وہ ان دنوں میں مجسٹریٹی کے ریڈر تھے وہ ایک دو دن کے لئے یونہی موقع نکال کر آئے تھے مگر جب اجازت مانگیں تو یہی ہوتا رہا کہ چلے جانا ابھی کون سی جلدی ہے اور اس طرح پر ان کو ایک لمبا عرصہ یہاں ہی رکھا۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ دل سے یہی چاہتے تھے کہ احباب زیادہ دیر تک ٹھہریں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ حضرت کی اس سیرت سے کہ بہت چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس رہیں یہ نتیجہ نکالا کرتا ہوں کہ یہ آپ کی صداقت کی بڑی بھاری دلیل ہے اور آپ کی روح کو کامل شعور ہے کہ آپ منجانب اللہ اور راست باز ہیں جھوٹا آدمی ایک دن میں گھبرا جاتا ہے اور وہ دوسروں کو دھکے دیکر نکالتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کا پول کھل جائے۔

(۴) آپ کی مہمان نوازی کی چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ مہمان کے ساتھ تکلف کا برتاؤ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ آپ اس سے بالکل بے تکلفانہ برتاؤ کرتے تھے اور وہ یقین کرتا تھا کہ وہ اپنے عزیزوں اور غمگسار دوستوں میں ہے۔ اور اس طرح پر وہ تکلف کی تکلیف سے آزاد ہو جاتا تھا۔ حضرت خلیفہ نورالدین صاحب آف جموں (جو حضرت اقدس کے پرانے مخلصین میں سے ہیں اور جنہوں نے بعض اوقات سلسلہ کی خاص خدمات کی ہیں۔ جیسے قبر مسیح کی تحقیقات کے لئے انہوں نے کشمیر کا سفر کیا اور اپنے خرچ پر ایک عرصہ تک وہاں رہ کر تمام حالات کو دریافت کیا)۔ بیان کرتے ہیں کہ جن ایام میں حضرت مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ نواب صاحب کی درخواست پر مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے تھے میں قادیان آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ

السلام کا معمول تھا کہ مجھے دونوں وقت کھانے کے لئے اوپر بلا لیتے اور میں اور آپ دونوں ہی مل کر کھانا کھاتے اور بعض اوقات گھنٹہ گھنٹہ ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھے رہتے۔ اور انوسینٹ ریکری ایشن (تفریح بے ضرر) بھی ہوتی رہتی۔ ایک دن ایک چاء دانی چائے سے بھری ہوئی اٹھا لائے۔ اور فرمایا کہ خلیفہ صاحب یہ تم نے پینی ہے یا میں نے۔

خلیفہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور اس کا کیا مطلب؟ فرمایا ہمارے گھر والوں پر حرام ہے! اس سے اور بھی تعجب خلیفہ صاحب کو ہوا۔ ان کو متعجب پایا تو فرمایا یہ حرام طبی ہے شرعی نہیں۔ ان کی طبیعت اچھی نہیں اور چائے ان کو مضر ہے غرض یہ بظاہر ایک لطیفہ سمجھا جا سکتا تھا۔ مگر آپ کی غرض اس واقعہ سے یہ بھی تھی کہ خلیفہ صاحب خوب سیر ہو کر پئیں کیونکہ گھر میں تو کسی نے چائے پینی نہ تھی اور حضرت کو یہ خیال تھا کہ خلیفہ صاحب بوجہ کشمیر میں رہنے کے چائے کے عادی سمجھے جا سکتے ہیں اور چائے بہت پیتے ہوں گے۔ اس لئے آپ ان کی خاطرداری کے لئے بہت سی چائے بنوا کر لائے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تم نے اور میں نے ہی پینی ہے تاکہ ایک قسم کی مساوات کے خیال سے ان کو تکلف نہ رہے غرض مہمانوں میں کھانے پینے اور اپنی ضروریات کے متعلق بے تکلفی پیدا کر دیتے تھے۔ تاکہ وہ اپنا گھر سمجھ کر آزادی اور آرام سے کھا پی لیں۔

اسی بے تکلفی پیدا کرنے کے لئے کبھی کبھی شہتوت بیدانہ کے ایام میں باغ میں جا کر ٹوکرے بھروا کر منگواتے اور مہمانوں کو ساتھ لے کر خود بھی انہی ٹوکروں میں سے سب کے ساتھ کھاتے۔ آہ! وہ ایام کیا مبارک اور پیارے تھے۔ ان کی یاد آتی ہے تو تڑپا جاتی ہے۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

سفر میں بھی جب کبھی ہوتے تو اپنے مہمانوں کا خاص طور پر خیال رکھتے جن ایام

میں گورداسپور مقدمہ کی پیروی کے لئے گئے ہوئے تھے احباب کو معلوم ہے کہ کس طرح پر مہمانوں کی خاطر مدارات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ آموں کے موسم میں آموں کے ٹوکرے منگوا کر اپنے خدام کے سامنے رکھتے۔

ایک مرتبہ خواجہ صاحب کے لئے آموں کا ایک بار خر خریدا گیا۔ احباب مذاق کرتے تھے کہ خواجہ صاحب آموں کا گدھا کھا گئے۔

خواجہ صاحب کو کھانے پینے کا بہت شوق تھا۔ اور حضرت اقدس انکے احساسات کا خیال رکھتے تھے اس لئے ان کے لئے خاص طور پر اہتمام ہوتا۔ اور خود خواجہ صاحب بھی شب دیگ وغیرہ پکاتے رہتے۔ میرا مطلب ان واقعات کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ اپنے مہمانوں اور خادموں کے ساتھ بے تکلفی کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ ایسا ہی حضرت مولوی شیر علی صاحب کی روایت سے حضرت صاحبزادہ صاحب نے سیرت المہدی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ مولوی صاحب اور چند اور آدمی جن میں خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب بھی تھے حضرت اقدس کی ملاقات کو اندر مکان میں حاضر ہوئے۔ آپ نے خربوزے کھانے کو دیئے۔ اور مولوی صاحب کو ایک موٹا سا خربوزہ دیا اور فرمایا کہ اسے کھا کر دیکھیں کیسا ہے؟ پھر آپ ہی مسکرا کر فرمایا کہ موٹا آدمی منافق ہوتا ہے پھیکا ہی ہوگا۔ چنانچہ وہ پھیکا ہی نکلا۔

یہ لطیفہ بھی بے تکلفی کی ایک شان اپنے اندر رکھتا ہے۔

(۵) آپ کی مہمان نوازی کی ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ مہمانوں کے آرام کے لئے نہ صرف ہر قسم کی قربانی کرتے تھے بلکہ ہر ممکن خدمت سے بھی مضائقہ نہ فرماتے تھے۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے اور اسے شائع کیا ہے کہ چار برس (۱۸۹۶ء کا غالباً" واقعہ ہے کیونکہ ۱۹۰۰ء میں آپ نے یہ بیان شائع کیا تھا۔ عرفانی) کا عرصہ گزرتا ہے کہ آپ کے گھر کے لوگ لودہانہ گئے ہوئے تھے۔ جون کا مہینہ تھا مکان نیا نیا بنا تھا۔ میں دوپہر کے وقت وہاں چارپائی بچھی

ہوئی تھی اس پر لیٹ گیا۔ حضرت ٹہل رہے تھے میں ایک دفعہ جاگا تو آپ فرش پر میری چارپائی کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ میں ادب سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا آپ نے بڑی محبت سے پوچھا۔ آپ کیوں اٹھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نیچے لیٹے ہوئے ہیں میں اوپر کیسے سورہوں مسکرا کر فرمایا :۔

"میں تو آپ کا پہرہ دے رہا تھا لڑکے شور کرتے تھے انہیں روکتا تھا کہ آپ کی نیند میں خلل نہ آوے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۴۱)

یہ محبت یہ دلسوزی اور خیر خواہی ماں باپ میں بھی کم پائی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ان لوگوں میں [illegible]بت کی جاتی ہے جو خدا تعالیٰ کی مخلوق کی ہدایت کے لئے مامور ہو کر آتے ہیں۔ اور اگر یہ ہمدردی مخلوق الٰہی کے لئے ان کے دل میں نہ ہو تو وہ ان مشکلات کے پہاڑوں اور مصائب کے دریاؤں سے نہ گزر سکیں جو تبلیغ حق کی راہ میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی اس انتہائی دلسوزی اور غم خواری کا نقشہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ

یعنی اس ہم و غم میں کہ لوگ کیوں خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور صراط مستقیم کو اختیار کرکے اس مقصد زندگی کو پورا نہیں کرتے جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے تو اپنے آپ کو ہلاک کردے گا۔ یہ جوش مخلوق کی ہدایت کے لئے اور ان کی ہمدردی کے لئے خاصہ انبیاء علیہم السلام ہے۔

میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی کی خصوصیات بیان کر رہا تھا۔ اور اس میں حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ کس طرح پر آپ ان کے آرام کے لئے ایک پہرہ دار کی طرح کام کرتے تھے سچ ہے۔

بخیر و عافیت بگذرد شب اندر خواب

که پاسبانی ایشاں بصد عنا باشد

(٦) چھٹی خصوصیت آپ کی مہمان نوازی کی یہ تھی کہ حفظ مراتب کی ہدایت کے ساتھ عام سلوک اور تعلقات میں آپ مساوات کے برتاؤ کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے اس بات کا بے شک لحاظ ہوتا تھا کہ مہمانوں کو ان کے مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے اتارا جاتا اور یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تھی۔ مگر خبر گیری اور مہمان نوازی کے عام معاملات میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ ۱۹۰۵ء کے سالانہ جلسہ پر کھانے وغیرہ کا انتظام میرے سپرد تھا اور میری مدد کے لئے اور چند دوست ساتھ تھے ہم نے مولوی غلام حسن صاحب پشاوری اور ان کے ہمراہیوں کے لئے خاص طور پر چند کھانوں کا انتظام کرنا چاہا۔ حضرت اقدس تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کیفیت طلب فرماتے تھے۔ کہ کھانے کا کیا انتظام ہے کس قدر تیار ہو گیا کس قدر باقی ہے کیا پکایا گیا ہے اس سلسلہ میں یہ بھی میں نے عرض کیا کہ ان کے لئے خاص طور پر انتظام کر رہے ہیں فرمایا کہ

"میرے لئے سب برابر ہیں اس موقع پر امتیاز اور تفریق نہیں ہو سکتی۔ سب کے لئے ایک ہی قسم کا کھانا ہونا چاہئے۔ یہاں کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ مولوی صاحب کے لئے الگ انتظام ان کی لڑکی کی طرف سے ہو سکتا ہے اور وہ اس وقت میرے مہمان ہیں اور سب مہمانوں کے ساتھ ہیں اس لئے سب کے لئے ایک ہی قسم کا کھانا تیار کیا جائے خبردار کوئی امتیاز کھانے میں نہ ہو"۔

اور بھی بہت کچھ فرمایا اور غربائے جماعت کی خصوصیت سے تعریف کی اور فرمایا کہ

"جیسے ریل میں سب سے بڑی آمدنی تھرڈ کلاس والوں کی طرف سے ہوتی ہے اس سلسلہ کے اغراض و مقاصد کے پورا کرنے میں سب سے بڑا حصہ غربا کے اموال کا ہے اور تقویٰ طہارت میں بھی یہی جماعت ترقی کر

رہی ہے"۔
غرض اس طرح نصیحت کی فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَا۔
آپ ہرگز عام برتاؤ اور سلوک میں کوئی امتیاز نہ رکھتے تھے گو منازل و مراتب مناسبہ کو بھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے اور یہ حضرت نبی کریم ﷺ کے ارشاد کی تعمیل تھی۔
(۷) ساتویں خصوصیت یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ ہمارے دوست خصوصاً کثرت سے آئیں اور بہت دیر تک ٹھہریں اگرچہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا وہ سب کا پسند کرتے تھے۔ غیروں کے لئے اس لئے کہ حق کھل جائے اور اپنوں کے لئے اس لئے کہ ترقی کریں۔ کثرت سے آنے جانے والوں کو ہمیشہ پسند فرمایا کرتے تھے۔ اس کی تہ میں جو غرض اور مقصود تھا وہ یہی تھا کہ تا وہ اس مقصود کو حاصل کرلیں جس کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس خصوصیت کے متعلق لکھا ہے کہ

"حضرت کبھی پسند نہیں کرتے کہ خدام ان کے پاس سے جائیں۔ آنے پر بڑے خوش ہوتے ہیں اور جانے پر کرہ سے رخصت دیتے ہیں اور کثرت سے آنے جانے والوں کو بہت ہی پسند فرماتے ہیں ابکی دفعہ دسمبر میں (۱۸۹۹ء کا واقعہ ہے) بہت کم لوگ آئے اس پر بہت اظہار افسوس کیا اور فرمایا ہنوز لوگ ہمارے اغراض سے واقف نہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں کہ وہ کیا بن جائیں وہ غرض جو ہم چاہتے ہیں اور جس کے لئے ہمیں خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے وہ پوری نہیں ہو سکتی جب تک لوگ یہاں بار بار نہ آئیں اور آنے سے ذرا بھی نہ اکتائیں اور فرمایا جو شخص ایسا خیال کرتا ہے کہ آنے میں اس پر بوجھ پڑتا ہے یا ایسا سمجھتا ہے کہ یہاں ٹھہرنے میں ہم پر بوجھ ہوگا۔ اسے ڈرنا چاہئے کہ وہ شرک میں مبتلا ہے ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ اگر سارا جہان ہمارا عیال ہو جاوے تو ہمارے مہمات کا متکفل خدا

ہے ہم پر ذرا بھی بوجھ نہیں ہمیں تو دوستوں کے وجود سے بڑی راحت پہنچتی ہے یہ وسوسہ ہے جسے دلوں سے نکال دینا چاہئے میں نے بعض کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر کیوں حضرت کو تکلیف دیں ہم تو نکمے ہیں یونہی بیٹھ کر روٹی کیوں توڑا کریں وہ یاد رکھیں یہ شیطانی وسوسہ ہے جو شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالا ہے کہ ان کے پیر یہاں جمنے نہ پائیں۔ ایک روز حکیم فضل الدین صاحب (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ حضور میں یہاں نکما بیٹھا کیا کرتا ہوں مجھے حکم ہو تو بھیرہ چلا جاؤں وہاں درس قرآن ہی کرونگا یہاں مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ میں حضور کے کسی کام نہیں آتا۔ اور شاید بیکار بیٹھنے میں کوئی معصیت ہو فرمایا آپ کا یہاں بیکار بیٹھنا ہی جہاد ہے۔ اور یہ بیکاری بڑا کام ہے غرض بڑے دردناک اور افسوس بھرے لفظوں میں نہ آنے والوں کی شکایت کی اور فرمایا۔ یہ عذر کرنے والے وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں عذر کیا تھا اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ اور خدا تعالٰی نے ان کی تکذیب کر دی "اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا" (سیرت مسیح موعودؑ مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریمؓ صفحہ ۴۹-۵۰)

غرض آپ کو اپنے خدام کے متعلق خصوصیت سے یہ خواہش رہتی تھی کہ آپ بہت بار بار آئیں اور کثرت سے آئیں اور ان کے قیام کی وجہ سے جو کچھ بھی اخراجات ہوں ان کو برداشت کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔

(۸) آٹھویں خصوصیت یہ تھی کہ مہمان نوازی کے لئے دوست دشمن کا امتیاز نہ تھا بلکہ بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست کا مضمون آپ کے دستر خوان پر نظر آتا تھا۔ جیسا کہ میں نے آپ کے اخلاق عفو و درگزر میں دکھایا ہے کہ یہ خلق خادموں اور دوستوں تک محدود نہ تھا اسی طرح مہمان نوازی بھی وسیع اور عام تھی۔ کسی خاص قوم اور فرقہ تک محدود نہ تھی۔ بلکہ ہندو۔ مخالف الرائے مسلمان۔ عیسائی یا کسے باشد جو بھی آجاتا اس کے ساتھ اسی محبت سے پیش آتے چنانچہ حضرت

صاجزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے سیرت المہدی میں بروایت مولوی عبداللہ صاحب سنوری لکھا ہے کہ

"حضرت مسیح موعود بیت الفکر میں (مسجد مبارک کے ساتھ والا حجرہ جو حضرت صاحب کے مکان کا حصہ ہے) لیٹے ہوئے تھے اور میں پاؤں دبا رہا تھا کہ حجرہ کی کھڑکی پر لالہ شرمپت یا شاید ملاوامل نے دستک دی میں اٹھ کر کھڑکی کھولنے لگا مگر حضرت صاحب نے بڑی جلدی اٹھ کر تیزی سے جاکر مجھ سے پہلے زنجیر کھول دی اور پھر اپنی جگہ بیٹھ گئے اور فرمایا آپ ہمارے مہمان ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا چاہئے"۔ (جلد اول صفحہ ۷۲)

اسی طرح ایک مرتبہ بیگووال ریاست کپور تھلہ کا ایک ساہو کار اپنے کسی عزیز کے علاج کے لئے آیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اطلاع ہوئی آپ نے فوراً اس کے لئے نہایت اعلیٰ پیمانہ پر قیام و طعام کا انتظام فرمایا اور نہایت شفقت اور محبت کے ساتھ ان کی بیماری کے متعلق دریافت کرتے رہے اور حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفتہ المسیح اول رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر تاکید فرمائی۔ اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی ذکر کیا کہ سکھوں کے زمانہ میں ہمارے بزرگوں کو ایک مرتبہ بیگووال جانا پڑا تھا۔ اس گاؤں کے ہم پر حقوق ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی وہاں سے آجاتا تو آپ ان کے ساتھ خصوصاً بہت محبت کا برتاؤ فرماتے۔

ایک دفعہ مولوی عبدالحکیم جو نصیر آبادی کہلاتا تھا قادیان میں آیا یہ بہت مخالف تھا اور وہی مولوی تھا جس نے لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ۱۸۹۲ء میں مباحثہ کیا تھا اور اس مباحثہ کے کاغذات بھی لیکر چلا گیا تھا وہ قادیان میں آیا حضرت کو اطلاع ہوئی حضرت نواب صاحب نے اپنا مکان قادیان میں بنوالیا تھا اور وہ اس وقت کچا تھا اس کے ایک عمدہ کمرہ میں اس کو اتارا گیا اور ہر طرح اس کی خاطر تواضع کے لئے آپ نے حکم دیا اور یہ بھی ہدایت کی کہ کوئی شخص اس سے کوئی ایسی

بات نہ کرے جو اس کی دل شکنی کا موجب ہو وہ چونکہ مخالف ہے اگر کوئی ایسی بات بھی کرے جو رنجدہ اور دل آزاری کی ہو تو صبر کیا جاوے۔ چنانچہ وہ رہا۔ میں اس مباحثہ میں جو لاہور فروری ۱۸۹۲ء میں ہوا تھا موجود تھا اور مجھے معلوم تھا کہ اس مباحثہ کے کاغذات وہ لے گیا تھا۔ اور واپس نہ کئے تھے میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ جناب مجھے آپ کی بڑی تلاش تھی آپ کے پاس وہ مباحثہ کے پرچے ہیں مہربانی کرکے مجھے دے دیں آپ کے کام کے نہیں اور اگر اپنا پرچہ نہ بھی دیں تو حرج نہیں مگر حضرت اقدس والے پرچے ضرور دے دیں۔

مولوی عبدالحکیم صاحب کو خیال تھا کہ شاید اسے کوئی اور نہیں جانتا اور حضرت صاحب نے تو اس مباحثہ کا ذکر بھی نہیں فرمانا تھا کہ اسے ندامت نہ ہو۔ بلکہ اخلاق و مروت کا اعلیٰ برتاؤ فرماتے رہے۔ مولوی صاحب بڑے جوش سے آئے تھے کہ میں مباحثہ کرونگا۔ اور وہ اپنے مکان پر مخالفت کرتے تھے اور بڑے جوش سے کرتے تھے ہم انکی مخالفت کو سنتے اور جیسا کہ حکم تھا نہایت ادب اور محبت سے انکی تواضع کرتے رہے آخر جب ان سے میں نے مباحثہ لاہور کے پرچے مانگے تو اس کے بعد وہ بہت جلد تشریف لے گئے اور وعدہ کر گئے کہ جاتے ہی بھیج دوں گا۔ ان کے ساتھ ہی وہ مباحثہ کے کاغذات ختم ہوئے باوجودیکہ وہ مخالفت کے لئے آیا تھا اور مخالفت کرتا رہا مگر حضرت اقدس نے اس لئے کہ وہ مہمان تھا اس کے اکرام اور تواضع کے لئے ہم سب کو حکم دیا اور سب نے اس کی تعمیل کی اس نے مباحثہ وغیرہ تو کوئی نہ کیا اور چپکے سے چل دیا۔

بغدادی مولوی کا واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابھی کوئی دعویٰ نہ کیا تھا آپ مجاہدات کر رہے تھے اور عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے ایک مولوی آیا جو بغدادی مولوی کے نام سے مشہور تھا۔ خصوصیت سے وہ وہابیوں کا بہت دشمن تھا اور جہاں جاتا تھا ان کی بہت مخالفت کرتا تھا وہ قادیان میں بھی آیا تھا باوجودیکہ وہ بہت گالیاں دیتا تھا حضرت اقدس

نے اس کی بہت خدمت و تواضع کی اور اکرام مہمان کے شعار کو ہاتھ سے نہ دیا۔ وہ اپنے وعظ میں وہابیوں کو گالیاں دیتا رہا بعد میں لوگوں نے کہا کہ جس کے گھر میں تم ٹھہرے ہوئے ہو وہ بھی تو وہابی ہے پھر وہ چپ ہی ہو گیا۔ حضرت اقدس نے اس واقعہ کو خود بیان کیا ہے مگر اس کا نام نہیں لیا۔ احسان کے متعلق تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"ایک عرب ہمارے ہاں آیا وہ وہابیوں کا سخت مخالف تھا یہاں تک کہ جب اس کے سامنے وہابیوں کا ذکر بھی کیا جاتا تو گالیوں پر اتر آتا اس نے یہاں آکر بھی سخت گالیاں دینی شروع کیں اور وہابیوں کو برا بھلا کہنے لگا ہم نے اس کی کچھ پروانہ کرکے اس کی خدمت خوب کی اور اچھی طرح سے اس کی دعوت کی اور ایک دن جبکہ وہ غصہ میں بھرا ہوا وہابیوں کو خوب گالیاں دے رہا تھا کسی شخص نے اس کو کہا کہ جس کے گھر تم مہمان ٹھہرے ہو وہ بھی تو وہابی ہے اس پر وہ خاموش ہو گیا۔ اس شخص کا مجھ کو وہابی کہنا غلط نہ تھا کیونکہ قرآن شریف کے بعد صحیح احادیث پر عمل کرنا ہی ضروری سمجھتا ہوں"۔ (بدر ۱۴ جولائی ۱۹۰۷ء)

ڈاکٹر پینل کا واقعہ

بنوں کے ایک میڈیکل مشنری ڈاکٹر پینل تھے یہ شخص بڑا دولت مند اور آنریری طور پر کام کرتا تھا بنوں اور اس کے نواح میں اس نے اپنا بڑا دجل پھیلایا ایک مرتبہ وہ ہندوستان کے سفر پر بائیسکل پر نکلا اور اس نے اپنے ساتھ کچھ نہیں لیا تھا۔ ایک مسلمان لڑکا بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ قادیان میں آیا اور یہاں ٹھہرا۔ حضرت اقدس نے باوجودیکہ وہ عیسائی اور سلسلہ کا دشمن تھا۔ اس کی خاطر تواضع اور مہمان داری کے لئے متعلقین لنگر خانہ اور دوسرے احباب کو خاص طور تاکید فرمائی اور ہر طرح اس کی خاطر و مدارات ہوئی اس نے اپنے اخبار تحفہ سرحد بنوں میں غالباً" اس کا ذکر بھی کیا تھا[1] اور آپ کا یہ طریق تھا کہ آپ مہمانوں کے آنے پر لنگر خانہ والوں کو خاص تاکید فرمایا کرتے تھے

[1] T.L.Penel: Among The Wild Tribes Of The Afghan Frontier PP: 247-249

چنانچہ ایک مرتبہ ۲۵ دسمبر ۱۹۰۳ء کو جب کہ بہت سے مہمان بیرونجات سے آگئے تھے۔ میاں نجم الدین صاحب مہتمم لنگر خانہ کو بلا کر فرمایا کہ

"دیکھو بہت سے مہمان آئے ہوئے ہیں ان میں سے بعض کو تم شناخت کرتے ہو اور بعض کو نہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ سب کو واجب الاکرام جان کر تواضع کرو۔ سردی کا موسم ہے چائے پلاؤ اور تکلیف کسی کو نہ ہو۔ تم پر میرا حسن ظن ہے کہ مہمانوں کو آرام دیتے ہو ان سب کی خوب خدمت کرو۔ اگر کسی گھر یا مکان میں سردی ہو تو لکڑی یا کوئلہ کا انتظام کردو"۔ (اخبار البدر ۸ جنوری صفحہ ۳-۴)

اور یہ ایک مرتبہ نہیں ہمیشہ ایسی تاکید کرتے رہتے۔ بعض وقت یہ بھی فرماتے کہ میں نے تم پر حجت پوری کر دی ہے۔ اگر تم نے غفلت کی تو اب خدا کے حضور تم جواب دہ ہو گے۔

ایسا ہی ایک مرتبہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو فرمایا

"لنگر خانہ کے مہتمم کو تاکید کر دی جاوے کہ وہ ہر ایک شخص کی احتیاج کو مد نظر رکھے مگر چونکہ وہ اکیلا آدمی ہے اور کام کی کثرت ہے ممکن ہے کہ اسے خیال نہ رہتا ہو اس لئے کوئی دوسرا شخص یاد دلا دیا کرے کسی کے میلے کپڑے وغیرہ دیکھ کر اس کی تواضع سے دستکش نہ ہونا چاہئے کیونکہ مہمان تو سب یکساں ہی ہوتے ہیں اور جو نئے ناواقف آدمی ہیں تو ہمارا حق ہے کہ ان کی ہر ایک ضرورت کو مد نظر رکھیں۔ بعض وقت کسی کو بیت الخلاء کا ہی پتہ نہیں ہوتا تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ مہمانوں کی ضروریات کا بڑا خیال رکھا جاوے۔ میں تو اکثر بیمار رہتا ہوں اس لئے معذور ہوں۔ مگر جن لوگوں کو ایسے کاموں کے لئے قائم مقام کیا ہے یہ ان کا فرض ہے کہ کسی قسم کی شکایت نہ ہونے دیں"۔ (اخبار الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱-۲)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

انک لعلی خلق عظیم

سیرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام

حضرت مسیح موعود کے شمائل و اخلاق کا تذکرہ

دوسرا حصہ

جسکو خاکسار یعقوب علی تراب احمدی عرفانی ایڈیٹر الحکم و تادیب النساء

نے مرتب کیا اور

آفتاب برقی پریس امرتسر میں باہتمام محمد عبداللہ منہاس پرنٹر چھپوا کر تراب منزل

قادیان سے شائع کیا

تاریخ اشاعت : ۱۰ اپریل ۱۹۲۵ء

عیادت و تعزیت

انسان پر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے جبکہ وہ کسی نہ کسی قانون صحت کی خلاف ورزی کی وجہ سے بیمار ہو جاتا ہے اس وقت اس کی حالت عجیب ہوتی ہے۔ بیماری انسان کو اپنی کمزوری اور بے بسی کا یقین دلا دیتی ہے اور موت کو اس کے سامنے لا کھڑا کر دیتی ہے۔ اس وقت جبکہ وہ اپنی طاقتوں اور اختیارات کو جاتے دیکھتا ہے تو انسانی ہمدردی اور دلجوئی کا ازبس محتاج ہوتا ہے۔ اور اس کی حالت حقیقت میں اس بچہ سے کم نہیں ہوتی جس کی زندگی کی ہر ضرورت دوسروں کے سہارے اور آسرے پر ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے کسی قدر بدتر ہوتی ہے کہ اسے اپنی بے بسی کے شعور کے ساتھ ایک کرب اور تکلیف بھی ہوتی ہے۔ بیماری جہاں خود بیمار کے اخلاق اور ایمان کے لئے ایک معیار ہوتی ہے اسی طرح دوسرے لوگوں کے اخلاق اور ہمدردی عامہ کے پرکھنے کا بھی ایک ذریعہ ہے بیماروں کی عیادت کرنا حضرت نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اس خُلق کا تعلق مواسات عامہ سے ہے۔

انسان اپنے رشتہ داروں' عزیزوں' بزرگوں یا ان لوگوں کی عیادت کرنے یا بیماری میں ان کی ممکن خدمت کرنے سے مضایقہ نہیں کرتا جہاں کسی نہ کسی نفع ذاتی کی امید ہو یا یہ عیادت و تیمارداری کبھی خوشامد کے رنگ میں ہوتی ہے اور کبھی بعض اور اغراض ذاتیہ کے ماتحت۔ لیکن محض خدا کی رضا کے لئے بیماروں کی بیمار پرسی یا ان کے علاج میں سعی کرنا محض ان لوگوں کا کام ہے جن کے قلوب کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہو اور اس کا صحیح اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ عیادت کرنے والے اور مریض کے تعلقات اور مراتب کا پتہ لگ جاوے مثلاً اگر ایک آقا اپنے غلام کی عیادت کے لئے جا رہا ہے تو صاف معلوم ہو گا کہ اس کو جو چیز لے جا رہی ہے وہ محض خدا کی مخلوق سے ہمدردی ہے۔ تب ہی تو وہ نمائش اور تکلّف کے مقام

سے اتر کر اس کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ اور اگر کوئی چھوٹے درجہ کا آدمی کسی بڑے آدمی کی عیادت کے لئے جا رہا ہے تو یہ ناممکن نہیں کہ وہ محض اخلاص اور آنحضرت ﷺ کی سنت پر عمل کے خیال سے نہ جا رہا ہو لیکن اس کا یہ فعل مختلف قسم کے شکوک کا محل ضرور ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں آپ کے اس خُلق کا مشاہدہ بھی ایسا موثر اور دلگداز ہے کہ انسان کو حیران کئے بغیر نہیں رہتا۔ خود ان مریضوں نے جن کی عیادت و ہمدردی کے لئے آپ نے قدم اٹھایا اس کا احساس کیا اور شکر گزاری کی روح ان کے اندر سے بول اٹھی ہے۔

حضرت مسیح موعود رقیق القلب تھے

حضرت مسیح موعود باوجود اس قوت اور شجاعت اور اطمینان کے جو آپ کے قلب میں پایا جاتا تھا رقیق القلب بھی بہت تھے۔ اور بعض اوقات اپنے خدام اور دوستوں کی تکلیف کو دیکھ نہ سکتے تھے یہ رقیق القلبی کسی کمزوری کا نتیجہ نہ تھی بلکہ انتہائی ہمدردی اور محبت کا ثمرہ تھی جو وہ اپنے خدام سے رکھتے تھے۔ مصائب اور مشکلات میں آپ ایک کوہ وقار تھے جیسے کہ اس کا ذکر الگ باب میں ہو گا۔ لیکن جہاں آپ کی ہمدردی اور جوش خیر خواہی زور پر ہوتا تھا وہاں وہ کسی کے دکھ کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ آپ کی اس فطرت کا اظہار حضرت مولوی عبدالکریمؓ کی بیماری میں پورے کمال سے دیکھا گیا۔ اور اس کا ذکر بھی میں اسی باب میں دوسری جگہ انشاء اللہ العزیز کرنے والا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام باوجود رقیق القلب ہونے کے پھر بھی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے۔ اور اس عیادت میں دوست۔ دشمن۔ مومن۔ کافر کی تخصیص نہ تھی۔ اور یہی کیفیت حضرت سرور عالم ﷺ کی پاک زندگی میں نظر آتی تھی۔

اب میں واقعات اور حالات کو بیان کر کے بتاؤں گا کہ آپ کی عیادت میں یہ امتیاز اور تفرقہ نہ تھا اور صرف اسی ایک خُلق میں نہیں بلکہ آپ تخلّقوا باخلاق اللہ پر

عمل کرکے ربوبیت عامہ کے ان فیوض اور فیضانوں کا پر تو ڈالتے تھے جو انسان ربوبیت کی چادر کے نیچے آکر ڈال سکتا ہے اور سب سے زیادہ اس سے رنگین وہی لوگ ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح حق کے لئے مامور ہو کر آتے ہیں۔ بہرحال آپ اس خُلق کے اظہار میں کبھی کسی قسم کا تفرقہ اور امتیاز نہ کرتے تھے۔ بلکہ آپ کا یہ فیضان عام نہیں بلکہ اعم تھا جیسا کہ واقعات بتائیں گے۔

لالہ شرمپت رائے کی عیادت

لالہ شرمپت رائے کا ذکر اس سیرت و سوانح میں بار بار آتا ہے اور آئے گا۔ وہ قادیان کے رہنے والے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں آپ کی بعثت کے ایام سے بھی پہلے آیا کرتے تھے اور آپ کے بہت سے نشانات کے وہ گواہ تھے اور باوجود بار بار کے مطالبوں کے کبھی انہوں نے مؤکد .عذاب حلف کرکے انکار نہ کیا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوئے مجھے اس وقت قادیان ہجرت کرکے آجانے کی سعادت حاصل ہو چکی تھی ان کے شکم پر ایک پھوڑا ہوا اور اس دنبل نے نہایت خطرناک شکل اختیار کی۔ حضرت اقدس کو اطلاع ہوئی۔ آپ خود لالہ شرمپت رائے کے مکان پر جو نہایت تنگ و تار تھا۔ تشریف لے گئے آپ کے ساتھ اکثر دوست تھے اور راقم الحروف بھی تھا۔

لالہ شرمپت رائے صاحب کو آپ نے جاکر دیکھا وہ نہایت گھبرائے ہوئے تھے ان کو اپنی موت کا یقین ہو رہا تھا۔ بے قراری سے ایسی باتیں کر رہے تھے جیسا کہ ایک پریشان انسان ہو۔ حضرت صاحب نے اس کو بہت تسلی دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں میں ڈاکٹر عبداللہ صاحب کو مقرر کر دیتا ہوں وہ اچھی طرح علاج کریں گے۔ اس وقت قادیان میں ڈاکٹر صاحب ہی ڈاکٹری کے لحاظ سے اکیلے اور بڑے ڈاکٹر تھے۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت اقدس ڈاکٹر صاحب کو ساتھ لے گئے اور ان کو خصوصیت کے ساتھ لالہ شرمپت رائے کے علاج پر مامور کر دیا۔ اور اس علاج کا کوئی بار لالہ

صاحب پر نہیں ڈالا گیا۔ آپ روزانہ بلاناغہ ان کی عیادت کو جاتے اور جب زخم مندمل ہونے لگا اور ان کی وہ نازک حالت عمدہ حالت میں تبدیل ہو گئی تو آپ نے وقفہ سے جانا شروع کیا مگر اس کی عیادت کے سلسلہ کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ وہ بالکل اچھا ہو گیا۔

آپ کی عادت تھی کہ جب آپ تشریف لے جاتے تو ہنستے ہوئے اس کے گھر میں داخل ہوتے۔ یعنی جیسی متبسم صورت تھی۔ اس ہنسی اور کشادہ پیشانی کا ایک اثر ساتھ والوں اور مریض پر پڑتا اور اس کو بہت کچھ تسلی دیتے اور فرماتے فکر نہ کرو میں دعا کرتا ہوں تم اچھے ہو جاؤ گے۔ اور خود لالہ شرمپت رائے کی بھی یہ حالت تھی کہ وہ ہمیشہ جب حضرت صاحب تشریف لے جاتے تو کہتا تھا کہ میرے لئے دعا کرو۔

لالہ ملاوامل صاحب کو ر ینگن کا درد ہو گیا

لالہ ملاوامل صاحب کا ذکر بھی اس سیرت میں متعدد مرتبہ آتا ہے اور آئے گا مجھے ان کی معرفی کی زیادہ ضرورت نہیں جب ان کی عمر بائیس سال کی تھی وہ بعارضہ عرق النساء (رینگن کا درد) بیمار ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معمول تھا کہ صبح و شام ان کی خبر ایک خادم جمال کے ذریعہ منگوایا کرتے اور دن میں ایک مرتبہ خود تشریف لے جاکر عیادت کرتے۔ صاف ظاہر ہے کہ لالہ ملاوامل صاحب ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے آدمی تھے لیکن چونکہ وہ حضرت اقدس کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور اس طرح پر ان کو ایک تعلق مصاحبت کا تھا۔ آپ کو انسانی ہمدردی اور رفاقت کا اتنا خیال تھا کہ ان کی بیماری میں خود ان کے مکان پر جاکر عیادت کرتے اور خود علاج بھی کرتے تھے۔ ایک دن لالہ ملاوامل صاحب بیان کرتے ہیں کہ چار ماشہ صبران کو کھانے کے لئے دے دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات بھر میں انیس مرتبہ لالہ صاحب کو اجابت ہوئی اور آخر میں خون آنے لگ گیا اور ضعف بہت ہو گیا۔ علی الصباح معمول کے موافق حضرت کا

خادم دریافت حال کے لئے آیا تو انہوں نے اپنی رات کی حقیقت کہی اور کہا کہ وہ خود تشریف لادیں۔ حضرت اقدس فوراً ان کے مکان پر چلے گئے۔ اور لالہ ملا وامل صاحب کی حالت کو دیکھ کر تکلیف ہوئی فرمایا کچھ مقدار زیادہ ہی تھی مگر فوراً آپ نے اسبغول کا لعاب نکلوا کر لالہ ملا وامل صاحب کو دیا جس سے وہ سوزش اور خون کا آنا بھی بند ہو گیا اور ان کے درد کو بھی آرام آ گیا۔

حضرت صاحب کی پوزیشن کے لحاظ سے دیکھا جاوے تو وہ اپنے شہر کے ایک رئیس اعظم اور مالک تھے اور اس خاندانی وجاہت کے لحاظ سے اس طرح پر کسی کے گھر نہیں آتے جاتے تھے مگر انسانی ہمدردی اور غمگساری نے کبھی آپ کو یہ سوچنے کا موقع ہی نہ دیا۔ کیونکہ وہ دوسروں کو آرام پہنچانے اور نفع رسانی کے لئے پیدا ہوئے تھے اس لئے مرضیٰ کی عیادت میں کسی قسم کی تفریق اور امتیاز اپنے پرائے کا نہ کرتے تھے۔

ایک غیر احمدی کی عیادت میں ایفائے عہد کی شان بھی جلوہ نما ہے

اگست ۱۹۰۲ء میں ایک قریشی صاحب بیمار ہو کر دارالامان میں حضرت حکیم الامت خلیفتہ المسیح اول رضی اللہ عنہ سے علاج کرانے کے لئے آئے انہوں نے متعدد مرتبہ حضرت کے حضور دعا کے لئے عرض کی۔ حضور نے دعا کا وعدہ فرمایا۔ ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء کی شام کو اس نے حضرت اقدس کی خدمت میں بتوسط حضرت حکیم الامت عرض کیا کہ میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر پاؤں کے متورم ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا آپ نے خود اس کے مکان پر ۱۱ اگست ۱۹۰۲ء کو جانے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ جب حسب معمول سیر کو نکلے تو خدام کے حلقہ میں وہ اس کے مکان پر پہنچے تاکہ عیادت بھی ہو جاوے اور جو وعدہ خود آنے کا کیا تھا وہ بھی پورا ہو جائے۔ قریشی صاحب اس وقت اس مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے جہاں آج کل حضرت مرزا بشیر

احمد صاحب کی نشست گاہ سے اندر جانے کی ڈیوڑھی ہے۔ یہ مکان جیون سنگھ جھیور کا کہلاتا تھا۔ جس کو خاکسار عرفانی نے خدا کے فضل سے خرید کر ہبہ کرنے کی توفیق پائی وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

حضرت اقدس اس مریض کے پاس تشریف لے گئے۔ اور بطور عیادت استفسار مرض و دیگر حالات کرتے رہے اور آخر میں آپ نے اس کو مناسب طور پر تبلیغ فرمائی۔ جو ان ہی ایام میں الحکم میں طبع ہو گئی تھی جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے کہ یہ واقعہ ایفاء عہد کی شان کو بھی لئے ہوئے ہے۔

مہر حامد کی عیادت

مہر حامد قادیان کے ارائیوں میں پہلا آدمی تھا جو حضرت مسیح موعود کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوا۔ اور اب تک اس کا خاندان خدا کے فضل سے مخلص احمدی ہے۔ مہر حامد علی نہایت غریب مزاج تھا اس کا مکان فصیل قادیان سے باہر اس جگہ واقع تھا جہاں گاؤں کا کوڑا کرکٹ اور روڑیاں جمع ہوتی ہیں۔ سخت بدبو اور تعفن ہوتا تھا۔ اور زمین دار آدمی تھے خود اس کے مکان میں بھی صفائی کا التزام نہ تھا مویشیوں کا گوبر اور دوسری چیزیں اسی قسم کی پڑی رہتی تھیں اور سب جانتے ہیں کہ زمین دار کی یہ قیمتی متاع ہوتی ہے جس کو وہ کھاد کے طور پر استعمال کرتا ہے بہرحال اسی جگہ وہ رہتا تھا وہ بیمار ہوا اور وہی بیماری اس کی موت کا موجب ہوئی حضرت اقدس متعدد مرتبہ اپنی جماعت مقیم قادیان کو لے کر اس کی عیادت کو تشریف لے گئے جب عیادت کو جاتے تو قدرتی طور پر بعض لوگوں کو اس تعفن اور بدبو سے سخت تکلیف ہوتی اور حضرت مسیح موعود بھی اس تکلیف کو محسوس کرتے اور بہت کرتے اس لئے کہ فطرتی طور پر یہ وجود نظافت اور نفاست پسند واقع ہوا تھا مگر اشارتاً "یا کنایتہ" نہ تو اس کا اظہار کیا اور نہ اس تکلیف نے آپ کو اس عیادت اور خبر گیری کے لئے تشریف لے جانے سے کبھی روکا۔ آپ جب جاتے تو اس سے بہت محبت اور دلجوئی کی باتیں کرتے اور اس کی مرض اور اس کی تکلیف وغیرہ کے متعلق بہت دیر تک دریافت فرماتے اور تسلی

دیتے۔ مناسب موقعہ ادویات بھی بتاتے اور توجہ الی اللہ کی بھی ہدایت فرماتے تھے۔
وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ایک معمولی زمین دار تھا اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ آپ کے زمین داروں میں ہونے کی وجہ سے وہ گویا رعایا کا ایک فرد تھا۔ مگر آپ نے کبھی تفاخر اور تفوق کو پسند نہ فرمایا۔ اس کے پاس جب جاتے تھے تو اپنا ایک عزیز بھائی سمجھ کر جاتے تھے اور اس طرح پر اس سے باتیں کرتے اور اس کی مرض اور اس کے علاج کے متعلق اس قدر دلچسپی لیتے کہ دیکھنے والے صاف طور پر کہتے تھے کہ کوئی عزیزوں کی خبرگیری بھی اس طرح نہیں کرتا۔

بعض ادویات جن کی ضرورت ہوتی اور کسی جگہ سے میسر نہ ہوتیں تو خود دے دیتے۔ غرض آپ نے متعدد مرتبہ مہر حامد مرحوم کی عیادت فرمائی۔ اگرچہ مہر صاحب فوت ہوگئے مگر ان کو جو تسلی اور اطمینان اور خوشی اس امر کی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی عیادت کو آتے اور خبرگیری فرماتے ہیں وہ بیان سے باہر ہے بعض وقت میں دیکھتا تھا کہ سرور سے اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ وہ اپنے گھر کو اپنی حیثیت کو دیکھتا اور حضرت مسیح موعود کو دیکھتا کہ آپ اپنی جماعت کو لیکر اس کی عیادت کے لئے آرہے ہیں۔ اور اسکو الگ اور اس کی بیوی بچوں کو جو وہاں موجود ہوتے نہایت ہی پیارے الفاظ میں تسلی اور اطمینان دلاتے اور رو بخدا رہنے کی وصیت فرماتے رہتے۔ خدا تعالیٰ کی تقدیر مبرم اور اجل مقدر تھی مہر حامد فوت ہو گیا آپ نے خود اس کا جنازہ پڑھا اور اس کے اخلاص اور وفادارانہ تعلق کا ذکر کرتے رہے اس کا خاندان احمدی تھا اس کے بڑے بیٹے میاں مہرالدین مرحوم کے ساتھ اسی محبت اور پیار سے پیش آتے جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے سے۔ غرض آپ نے مہر حامد کی عیادت کے لئے جانے سے نہ تو اپنی حیثیت اور رتبہ کا کبھی خیال کیا اور نہ اس بات نے آپ کو کبھی روکا کہ اس کا مکان ایسی جگہ اور ایسی حالت میں ہے کہ وہاں تعفن اور بدبو سے دماغ پھٹا پڑتا ہے اور نہ کسی اور چیز نے۔ آپ بڑی ہی بشاشت کے ساتھ جاتے اور عیادت فرماتے تھے۔

مولوی محمد دین صاحب کی علالت کا واقعہ

مولوی محمد دین صاحب بی۔اے (علیگ) احمدی مبلغ امریکہ کے نام سے سب آگاہ ہیں مولوی صاحب نے ایک عرصہ تک رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی ایڈیٹری کی اور سال ہا سال تک تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر اور بعد میں مینیجر رہے۔ وہ قادیان میں انٹرنس پاس کر کے آئے تھے اور پھر قادیان ہی کی تربیت میں انہوں نے بی۔اے کی ڈگری علی گڑھ کالج سے حاصل کی۔ قادیان میں ان کو بیماری ہی لائی تھی اور صرف بیماری ہی جو جسمانی تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی توجہ سے دور نہ ہوئی بلکہ آپ کے اخلاق کریمانہ اور توجہ باطنی نے انہیں پھر یہاں ہی کا کر دیا۔ اور وہ واپس نہ جا سکے۔ جب وہ اولاً آئے تھے تو ان کو ایک ناسور تھا جس کے علاج سے وہ تھک چکے تھے۔ قادیان میں رہتے ہوئے ان کو ایک مرتبہ طاعون ہو گیا حضرت اقدس نے ان کی تیمارداری کا ایسا انتظام فرمایا کہ حقیقت میں وہ انتظام مولوی صاحب کے والدین اور اعزہ بھی نہ کر سکتے۔ آپ نے ان کے لئے ایک خیمہ کھلی ہوا میں بطور سیگریگیشن کیمپ کے لگوا دیا۔ اور برادرم شیخ عبد الرحیم صاحب نو مسلم کو خصوصیت کے ساتھ ان کی تیمارداری کے لئے مقرر فرمایا جنہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل و اطاعت کا وہ نمونہ دکھایا کہ باوجودیکہ طاعونی حملے کی اس شدت میں رشتہ دار اور والدین تک طاعونی مریضوں سے بھاگنے لگے تھے اپنے ایک بھائی کی عیادت و خبرگیری میں وہ کمال ایثار و قربانی کا دکھایا کہ جب تک کوئی پاک روح کسی کے قلب کو ہر قسم کے خطرات و وساوس سے پاک نہ کر دے یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ حضرت اقدس روزانہ دو تین مرتبہ خاص طور پر مولوی محمد دین صاحب کی خبر منگواتے اور اپنے ہاتھ سے دوائی تیار کر کے بھیجتے۔ یہ تو اسباب کے ماتحت آپ کی عملی توجہ تھی۔ اس کے ساتھ آپ نے ان کے لئے جو دعائیں کی ہوں گی ان کا اندازہ مشکل سے ہو سکتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی صاحب اس حملہ میں محفوظ رہے اور خدا تعالیٰ نے ان کو سلسلہ کا ایک مفید و

مخلص خادم بنا دیا۔

یہ اخلاقی اعجاز انہوں نے اور پاس والوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا اور دیکھنے والوں کو اب تک یاد ہے مولوی صاحب نے خود اپنے واقعہ کو نہایت مختصر الفاظ میں لکھا ہے اور یہ ذاتی شہادت ہے جو بہت ہی موثر اور موقر ہوتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"۱۹۰۱ء میں سخت بیمار ہو گیا قریباً ایک سال سے زائد عرصہ تک ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کرنا پڑا لیکن مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوا ان دنوں میں حضرت مسیح موعود کی کتب کا مطالعہ کر رہا تھا مجھے میرے مکرم و معظم و محسن بزرگ منشی تاج الدین صاحب مرحوم پنشنر اکاؤنٹنٹ نے قادیان آنے کا مشورہ دیا۔ مجھے سٹیشن پر آکر گاڑی میں خود سوار کر کے گئے۔ میں قادیان پہنچا اور پہلے پہل میں نے حضرت مسیح موعود کو جمعہ کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا میری طبیعت نے فیصلہ کر لیا کہ یہ منہ تو جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ بعد میں حضرت مولوی نور الدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیماری کا حال سنایا۔ آپ نے میرا ناسور دیکھ کر حیرانگی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس کا رخ دل کی طرف ہو گیا ہے۔ مجھے فرمایا کہ اس کے لئے دوا کی نسبت دعا کی ضرورت زیادہ ہے۔ مجھے بتلایا کہ مسجد مبارک میں ایک خاص جگہ بیٹھنا میں خود تمہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاؤں گا اور تمہارے متعلق دعا کے لئے عرض کروں گا میں اس دریچہ کے پاس بیٹھ گیا جہاں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے حضرت مولوی صاحب بڑھے اور مجھے پکڑ کر حضرت صاحب کے سامنے کر دیا۔ میرے مرض کے متعلق صرف اتنا کہا کہ بہت خطرناک ہے میں نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود کا چہرہ ہمدردی سے بھرا ہوا تھا۔ مجھ سے حضور نے دریافت کیا کہ "یہ

تکلیف آپ کو کب سے ہے" میں تیرہ ماہ سے اس دکھ میں مبتلا تھا۔ لوگ آرام کی نیند سویا کرتے تھے لیکن مجھے درد چین نہیں لینے دیتی تھی اس لئے میں اپنے مکان کے بالاخانہ پر ٹہلا کرتا تھا۔ اور میرے اردگرد سونے والے خواب راحت میں پڑے ہوتے تھے۔ میں نے مہینوں راتیں رو کر اور ٹہل کر کاٹی ہوئی تھیں۔ حضرت کے ان ہمدردانہ و محبت آمیز کلمات نے چشم پر آب کر دیا۔ شکل تو دیکھ چکا تھا۔ اتنے بڑے انسان کا مجھ ناچیز کو "آپ" کے لفظ محبت آمیز و کمال ہمدردانہ لہجہ میں مخاطب کرنا ایک بجلی کا اثر رکھتا تھا۔ میں اپنی بساط کو جانتا تھا میری حالت یہ تھی۔ محض ایک لڑکا میلے اور پرانے دریدہ وضع کپڑے۔ چھوٹے درجہ و چھوٹی قوم کا آدمی میرے منہ سے لفظ نہ نکلا سوائے اس کے کہ آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت نے یہ حالت دیکھ کر سوال نہ دہرایا مجھے کہا کہ "میں تمہارے لئے دعا کروں گا فکر مت کرو۔ انشاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے" مجھے اس وقت اطمینان ہو گیا کہ اب اچھا ہو جاؤں گا۔ پھر میں حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں آیا تو صرف آپ نے ذرہ بھر خوراک جدوار کی میرے لئے تجویز فرمائی اور اتنی مقدار مجھے کہا کہ پتھر پر گھس کر اس ناسور پر لگا دیا کروں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مجھے افاقہ ہو گیا اور ایک مہینہ میں اچھا ہو گیا۔ یہ پہلا واقعہ ہے کہ مجھے حضرت سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور میری خوش قسمتی مجھے بیمار کر کے قادیان میں لے آئی۔ چنانچہ میں نے وطن کو خیر باد کہہ کر قادیان کی رہائش اختیار کر لی۔ اس کے بعد میری شامت اعمال مجھ پر پھر سوار ہوئی حضرت نے لکھا کہ جو شخص سچے دل اور پورے اخلاص کے ساتھ تقویٰ کی راہ پر قدم مارتا ہے اور آپ کا سچا مرید ہے اس کو طاعون نہ چھوئے گی۔ لیکن میں ہی نابکار نکلا جو احمدیوں میں سے طاعون میں مبتلا ہوا حالانکہ ہندوؤں اور غیر احمدیوں میں سے پچیس پچیس

آدمی روز مرے۔ لیکن باوجود اس امر کے کہ میرا وجود "بدنام کنندہ نکو نامے چند" تھا۔ تاہم حضرت کی خدمت میں مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ اس کا باپ بھی اس کو لینے آیا تھا لیکن اس نے قادیان چھوڑنا پسند نہیں کیا۔ حضرت نے باوجود اس سخت کمزوری کے میرے لئے دعا کی اور دوا بھی خود ہی تجویز فرمائی چنانچہ مجھے معلوم ہوا کہ حضور خود کمال مہربانی سے اپنے ہاتھوں روزانہ دوائی تیار کر کے بھیجتے ہیں اور دو تین وقت روزانہ میری خبر منگواتے' یہ کمال شفقت ایک گمنام شخص کے لئے جو نہ دنیوی اور دینی لیاقت رکھتا نہ کوئی دینی یا دنیوی وجاہت ایک ادنیٰ اور ذلیل خادموں میں سے تھا۔ میرا ایمان ہے کہ میں آپ کی دعاؤں سے ہی بچ گیا ورنہ جن دنوں میں بیمار ہوا طاعونی مادہ ایسا زہریلا تھا کہ شاذ ہی لوگ بچتے تھے۔ میرے لئے یہ اخلاق کریمانہ قولی اور فعلی ایسے تھے کہ نقش کالحجر۔ مجھے یہ محبت و شفقت اپنے گھر میں ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملی تھی اس لئے میں تو گرویدہ حسن و احسان ہو گیا۔ اب میری یہی دعا ہے کہ میرا انجام بخیر ہو جائے۔ میں اپنے اس محسن و محبوب سے مر کر بھی جدا نہ ہوں۔ آمین یا رب العالمین"

میرا ذاتی واقعہ

آغاز ۱۸۹۸ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو توفیق دی کہ میں ہجرت کر کے قادیان آ گیا اور دنیا کی بہتری کی آئندہ امیدوں کو جو ملازمت کے سلسلہ سے وابستہ تھیں خدا کی رضا کے لئے میں نے چھوڑ دیا۔ الحکم (جو امرتسر میں جاری کیا گیا تھا اور جس کا مستقل ہیڈ کوارٹر لاہور تجویز کیا گیا تھا) قادیان میں منتقل کر لیا۔ اس سال کے آخر میں حضرت مسیح موعود نے ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کو ایک اشتہار مولوی محمد حسین بٹالوی اور اس کے دو ہمراز رفیقوں زٹلّی اور تبّتی کے متعلق شائع کیا۔ مولوی محمد حسین نے خوفزدہ ہو کر آغاز دسمبر ۱۸۹۸ء میں اسلحہ خود حفاظتی کے لئے ایک درخواست دی اور بٹالہ کے سب انسپکٹر نے (جو ان ایام میں سخت

مخالف تھا۔ اور خدا کے عظیم الشان نشانات میں سے یہ امر ہے کہ اس کا خاندان اب ایک نہایت ہی مخلص احمدی خاندان ہے جو سلسلہ کے لئے ہر ایک قربانی میں اپنی سعادت سمجھتا ہے الھم زد فزد۔ اور یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ آخر میں سب انسپکٹر موصوف نے ایک زبردست نشان دیکھ کر مخالفت سے توبہ کرلی تھی۔ عرفانی)
ان حالات میں زیر دفعہ ۱۰۷ حفظ امن کی ضمانت کے لئے رپورٹ کی تھی اور اس طرح پر مولوی محمد حسین والا مقدمہ شروع ہوگیا۔ اس کی ایک تاریخ پیشی پر حضرت اقدس کو پٹھان کوٹ جانا پڑا مجھے ہمرکابی کا شرف حاصل تھا۔ رات کو میں یکایک سخت بیمار ہوگیا۔ درد معدہ کا حملہ ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی پیشاب پاخانہ بھی بند ہوگیا۔ میں جس کمرہ میں سویا ہوا تھا اس میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم تھے۔ میں ان کی نزاکت طبع سے واقف تھا۔ ان کے آرام کا خیال کرکے میں ہائے تک منہ سے نہ نکال سکتا تھا اور درد ہر آن بڑھتا جاتا تھا۔ آخر میں نہایت تنگ ہوکر دوسرے کمرے میں جو اس کے ساتھ ہی تھا جہاں حضرت حکیم الامت سوئے پڑے تھے آیا اور ان کے پہلو میں اس امید سے لیٹ گیا۔ کہ وہ کروٹ بدلیں تو عرض کروں چنانچہ انہوں نے کروٹ بدلا تو میں نے کہا ہائے میری یہ آواز حضرت کے کان میں بھی پہنچی جو اس کے ساتھ کے کمرے میں استراحت فرماتے تھے۔ قبل اس کے کہ مولوی صاحب اٹھتے حضرت اقدس فوراً اٹھ کر تشریف لے آئے اور پوچھا میاں یعقوب علی کیا ہوا؟ ان الفاظ میں محبت اور ہمدردی کا ایک ایسا نشہ تھا کہ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ حضرت کی آواز کے ساتھ ہی حضرت حکیم الامت اور دوسرے احباب اٹھ بیٹھے۔ میں نے اپنی حالت کا اظہار کیا۔

آپ نے مولوی صاحب کو فرمایا کہ میں دوائی دیتا ہوں چنانچہ آپ چند گولیاں لائے جو صبر کی گولیاں تھیں اور مجھ کو کھلا دی گئیں اور اس کے ساتھ ہی نہایت تسلی اور اطمینان دلایا کہ گھبراؤ نہیں ابھی آرام آجائے گا۔ میں دعا بھی کرتا ہوں۔ حضرت کی اس توجہ کو دیکھ کر تمام احباب کو میرے ساتھ کمال ہمدردی پیدا ہوگئی یہاں تک

کہ حضرت مولوی عبدالکریمؓ جیسا نازک طبیعت اور معذور بزرگ مجھ کو دبانے کے لئے بیٹھ گیا۔ اب صبح ہو رہی تھی اور تمام قافلہ قادیان کو روانہ ہو رہا تھا۔ جوں جوں وقت قریب آتا جاتا میری جان گھٹی جا رہی تھی مگر حضرت کو خاص طور پر توجہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور یا تو مجھے ساتھ لے جائیں یا لاہور پہنچادیں۔ میں درد سے اس قدر بیقرار تھا اور میری حالت ایسی نازک معلوم ہوتی تھی کہ گویا موت اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ آپ میری گھبراہٹ پر بار بار تسلی دیتے اور فرماتے کہ نہیں میں سب انتظام کر کے جاؤں گا اور تم کو آرام آجائے گا اور اگر کہو گے تو میں آج نہیں جاؤں گا۔

میں آپ کی اس شفقت و عنایت کو دیکھتا اور شرمندہ ہوتا تھا آخر قرار پایا کہ حکیم فضل دین صاحب اور میاں اللہ دیا جلد ساز لودہانہ کو میرے پاس چھوڑا جاوے اور باقی قافلہ قادیان کو روانہ ہو جائے۔ روانگی کے وقت تک مجھ کو ایک دواجابت ہو کر کچھ آرام ہو چلا تھا۔ آپ نے حکیم صاحب کو خاص طور پر تاکید کی کہ دیکھو! کوئی تکلیف نہ ہو اور آپ نے ایک خاص رقم حکیم صاحب کے حوالہ کی تاکہ کوئی دقت نہ ہو اور جب مجھے آرام ہو جائے تو قادیان لے کر آویں چنانچہ دوسری گاڑی کی روانگی تک اگر چہ میں اس قابل تو نہ تھا کہ قادیان کو روانہ ہو سکوں مگر میرے لئے وہاں ٹھہرنا بھی موت سے کم نہ تھا۔ اس لئے میں حکیم صاحب اور میاں اللہ دیا صاحب کے ہمراہ قادیان کو چلا آیا۔ قادیان پہنچنے پر مجھے دو دن تک تکلیف اور ضعف رہا۔ حضرت اقدس برابر دریافت فرماتے رہے اور ہر طرح تسلی اور اطمینان دلاتے رہے۔

واقعہ بالکل صاف اور سادہ ہے مگر جب انسان اس کو اس رنگ میں دیکھے کہ میری کوئی شخصیت اور اثر نہ تھا۔ میں خادم اور ادنیٰ خادم تھا۔ میری علالت کا آپ نے اس طرح احساس کیا جس طرح پر اپنے کسی عزیز سے عزیز وجود کا۔ اور اس کے لئے اپنے آرام اور اپنے مال کی قربانی کو نہایت ہی حقیر سمجھا۔ یہ بات میری کسی

قابلیت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ محض اس ہمدردی کا نتیجہ اور نمونہ تھی جو آپ کو ہر شخص سے تھی۔ کوئی بھی بیمار ہو اس کے لئے آپ کے دل میں ایسا ہی جوش ہمدردی اور محبت کا تھا۔ اور محض خدا کی مخلوق پر شفقت کے رنگ میں ہوتا تھا اور اس کی ہی رضا کے لئے۔ چنانچہ ذیل میں ایک واقعہ میں بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ شخص جو کبھی کسی پر بڑے سے بڑے نقصان پر ناراض نہ ہوتا تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ناراض ہونا جانتا ہی نہ تھا وہ اپنے ایک خادم پر محض اس وجہ سے ناراض ہوتا ہے کہ اس نے ایک بیمار کی تیمارداری میں کیوں غفلت کی؟

چنانچہ ذیل کے واقعہ سے اس کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ اور اس سے صاف کھل جاتا ہے کہ مخلوق خدا کی غمگساری حالت علالت میں آپ کے دل میں کس قدر تھی۔

پیرا پہاڑیا کی علالت پر خان صاحب اکبر خان صاحب پر خفگی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں میں ایک شخص پیرا پہاڑیا تھا جو ضلع کانگڑہ کا باشندہ تھا۔ وہ آپ کی بعثت اور ماموریت سے پہلے قادیان میں آیا اور حضرت اقدس کی خدمت میں بحیثیت ایک خادم کے رہنے لگا۔ اس کی حالت ایک نیم وحشی کی سی تھی۔ وہ ہر ایک قسم کے آداب اور انسانیت کے معمولی لوازم سے بھی ناواقف تھا۔ مگر حضرت اقدس کو کبھی اس پر ناراض ہونے کا موقعہ نہ ملا۔ یہ امر میں کسی دوسرے موقعہ پر شائد ذکر کروں گا۔

بیمار ہو گیا اور اسے طاعون ہوا۔ اس کو حسب دستور سیگریگیشن کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ حضرت اقدس نے خان صاحب اکبر خان صاحب سنوری کو خصوصیت سے اس کی تیمارداری اور ضروری انتظام متعلق علاج کے لئے مقرر کیا۔ حضرت اقدس کی خدمت میں ڈاکٹر قاضی محبوب عالم صاحب جے پور سے نہایت اعلیٰ درجہ کا عرق

کیوڑہ بھیجا کرتے تھے۔ اور ایک کافی مقدار حضرت کے پاس موجود تھی۔ یہ عرق نہایت قیمتی ہوتا تھا۔ آپ نے اس کی بوتلیں خان صاحب کے سپرد کیں اور چند ہدایات دیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اس کی گلٹی پر جونکیں لگوادیں اس کے علاج میں کسی خرچ کا مضائقہ نہ کیا جاوے۔ بار بار اس کی خیریت کی خبر دریافت کرتے تھے۔

خان صاحب نے جونکوں والے کو تلاش کیا مگر وہ جونکیں مہیا نہ کر سکا۔ اس طرح پر اس حکم کی تعمیل نہ ہوئی۔ خان صاحب نے خیال کیا کہ دوسرے وقت انتظام ہو جائے گا۔ مگر نہ ہوا غفلت ہو گئی۔ پیرا کی موت مقدر تھی اور تقدیر مبرم تھی وہ فوت ہو گیا۔ حضرت کو جب یہ معلوم ہوا کہ خان صاحب جونکیں نہیں لگوا سکے اور قادیان سے باہر سے جونکیں منگوانے میں انہوں نے غفلت کی ہے تو آپ بہت ناراض ہوئے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا کہ اگر یہاں سے نہ ملی تھیں تو کیوں نہ بٹالہ یا کسی دوسری جگہ سے منگوالی گئیں خواہ کچھ بھی خرچ ہو جاتا۔

خان صاحب کو حضرت کی اس ناراضگی کا بہت احساس ہوا اور اب تک ہے اور جب اس واقعہ کو یاد کرتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں۔

حاجی فضل حسین مہاجر شاہجہان پوری کی عیادت

حاجی فضل حسین

صاحب مہاجر شاہ جہان پوری نہایت مخلص مہاجر اور ارادت مند احمدی تھے۔ بہت صفائی پسند اور زندہ دل طبیعت رکھتے تھے۔ باوجود پیرانہ سالی کے بھی بالوں کو خوب سنوار کر رکھا کرتے تھے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ بھی ان کی اس صفائی اور نظافت کو مسرت آمیز نظر سے دیکھا کرتے تھے۔ وہ بیمار ہوئے تو مسیح موعود علیہ السلام کا معمول تھا کہ ان کی عیادت کے لئے عموماً جایا کرتے بلکہ کچھ عرصہ تک تو معمول ہو گیا کہ ہر روز سیر کو نکلتے وقت مریضوں کی عیادت کو چلے جاتے۔

حاجی شہاب الدین صاحب اور بابا الٰہی بخش کی عیادت

حاجی شہاب الدین لودہانوی اور بابا الٰہی بخش صاحب مالیر کوٹلوی جب بیمار ہوئے تو آپ ان کی عیادت کو بھی لازماً جاتے۔ حاجی شہاب صاحب بہت تیز مزاج تھے۔ مگر اخلاص مند دل ان کے پہلو میں تھا۔ بابا الٰہی بخش بہت معمر تھا اور مالیر کوٹلہ کا رہنے والا تھا وہ بیمار ہو گیا اور اس حالت میں حب وطن کے جذبہ کی بجھی ہوئی چنگاری اس کے قلب میں سلگ پڑی اس نے بیقرار کیا اور حضرت مسیح موعود سے ایک روز اس نے اجازت چاہی آپ نے فرمایا کہ "اب تم ضعیف ہو گئے ہو اور بیمار بھی ہو مت جاؤ زندگی کا اعتبار نہیں" اس نے کہا کہ تو خدا کا رسول ہے تو سچا رسول ہے بے شک تو خدا کا رسول ہے میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور صدق دل سے تجھے خدا کا رسول مانا ہے۔ میں تیری نافرمانی اور حکم عدولی کو کفر سمجھتا ہوں۔ باربار یہ کہتا تھا اور دایاں ہاتھ اٹھا کے انگلی سے آپ کی طرف اشارہ کرکے بڑے جوش سے کہتا اور آپ اس کی باتوں کو سن کر باربار ہنستے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ بس اب آرام کرو اور یہیں رہو۔ اور جانے کا مت نام لو۔ اس کی آنکھوں سے پانی جاری تھا۔ یہ کہتا ہوا مہمان خانہ کو لوٹا کہ "اللہ کے رسول کا فرمانا بسرو چشم منظور ہے" (روایت پیر سراج الحق صاحب) میاں الٰہی بخش یہاں ٹھہر گئے اور مہمان خانہ میں رہتے تھے۔ حضرت صاحب ان کی عیادت کو جاتے رہے اور تھوڑے عرصہ کے بعد وہ فوت ہو گئے اور اب مقبرہ بہشتی میں آرام کرتے ہیں۔ یہ لوگ جن کا میں نے ذکر کیا ہے دنیوی وجاہت اور مالی حیثیت سے ممتاز نہیں تھے بلکہ غرباء کی جماعت میں سے تھے ہاں اپنے اخلاص کے لحاظ سے قابل رشک اور واجب الاحترام تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کی عیادت کے لئے جاتے تھے اس لئے کہ آپ کی نظر مادی امتیازات پر کبھی نہ پڑتی تھی بلکہ اس معاملہ میں جو چیز آپ کے مد نظر تھی وہ عام انسانی ہمدردی تھی اور جس چیز کو

آپ پسند کرتے تھے وہ وہی تھی جو خدا کی نگاہ میں پسندیدہ تھی۔ عیادت مرضیٰ کے لئے حضرت نے کبھی امتیاز کو جائز ہی نہیں رکھا بلکہ غرباء کی عیادت کے لئے عموماً آپ جاتے تھے اور اخلاص فی الدین ہی ایک چیز تھی جو آپ کی توجہ اور نظر شفقت کو خصوصیت سے کھینچ سکتی تھی۔

میر عباس علی صاحب کی عیادت کے لئے لودہانہ جانا

عیادت کے لئے بعض اوقات آپ نے سفر بھی کئے ہیں۔ لودہانہ میں ایک میر عباس علی صاحب صوفی تھے۔ ابتدا میں حضرت اقدس کے ساتھ ان کو بڑی محبت اور اخلاص تھا۔ اور براہین احمدیہ کی اشاعت کے ساتھ ہی ان کو یہ ارادت پیدا ہوئی یہاں تک کہ براہین احمدیہ کی پہلی جلد کو دیکھ کر اس شخص نے کہا تھا۔ کہ اس سے نبوت کی بو آتی ہے۔ اور دعویٰ مسیحائی تک اس نے اپنے اخلاص کا بہترین نمونہ دکھایا۔ مگر کسی مخفی شامت اعمال نے بالآخر اسے کاٹ ڈالا۔ ۱۸۸۴ء میں اس کی ارادت و عقیدت ترقی کر رہی تھی اور اس سال اکتوبر میں وہ بیمار ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان کی بیماری کا خط ملا آپ نے باوجودیکہ خود بیمار تھے اور ازبس مصروف تھے مگر حق دوستی اور اخوّت کی اس قدر رعایت کی کہ خود ان کی عیادت کے لئے لودہانہ جانا ضروری سمجھا۔ چنانچہ پہلے ان کو ایک خط لکھا جو یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم مکرم اخویم میر عباس علی شاہ صاحب سلمہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ یہ عاجز چند روز سے امرتسر گیا ہوا تھا آج بروز چار شنبہ بعد روانہ ہو جانے ڈاک کے یعنی تیسرے پہر قادیان پہنچا اور مجھ کو ایک کارڈ میر امداد علی صاحب کا ملا۔ (یہ میر امداد علی صاحب میر عباس علی شاہ صاحب کے رشتہ میں بھتیجے تھے۔ عرفانی) جس کے دیکھنے سے بمقتضائے

بشریت بہت تفکر اور تردد لاحق ہوا۔ اگرچہ میں بھی بیمار تھا مگر اس بات کے معلوم کرنے سے کہ آپ کی بیماری غایت درجہ کی سختی پر پہنچ گئی ہے مجھ کو اپنی بیماری بھول گئی اور بہت ہی تشویش پیدا ہو گئی۔ خدا تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے عمر بخشے اور آپ کو جلد تر صحت عطا فرماوے۔ اسی تشویش کی جہت سے آج بذریعہ تار آپ کی صحت دریافت کی اور میں بھی ارادہ رکھتا ہوں کہ بشرط صحت و عافیت ۱۴ اکتوبر تک وہیں آکر آپ کو دیکھوں اور میں خدا تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ آپ کو صحت عطا فرماوے آپ کے لئے بہت دعا کروں گا اور اب توکلاً علے اللہ آپ کی خدمت میں یہ خط لکھا گیا آپ اگر ممکن ہو تو اپنے دستخط خاص سے مجھ کو مسرور الوقت فرماویں۔ ۸ اکتوبر ۱۸۸۴ء مطابق ۷ ذی الحجہ۔

(مکتوبات احمدیہ حصہ اول صفحہ ۸۸)

چنانچہ حضرت اقدس اس وعدہ کے مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۸۸۴ء کو لودہانہ تشریف لے گئے اور میر صاحب کی عیادت کرکے واپس چلے آئے اور خدا تعالیٰ نے ان کو شفا بھی دے دی۔ عیادت کے لئے باہر جانے کا ایک اور واقعہ حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔

حضرت مولوی نور الدین صاحب کی عبادت کے لئے جموں تشریف لے جانا

حضرت مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ جموں میں شاہی طبیب تھے اور حضرت اقدس کے ساتھ جو محبت اور عقیدت کا عملی رنگ آپ میں تھا دوسروں میں اس کی نظیر نہیں۔ اس کمال کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کا خلیفہ اور جانشین بنا دیا ۱۸۸۸ء میں مولوی صاحب بیمار ہو گئے۔ حضرت حکیم فضل الدین صاحب رضی اللہ عنہ نے حضرت اقدس کو اطلاع کی۔

آپ نے فوراً اس خط کے آنے پر جموں جانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ روانگی سے پہلے آپ نے مندرجہ ذیل خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلمہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

آج رجسٹری شدہ خط کے روانہ کرنے کے بعد اخویم حکیم فضل دین صاحب کا خط جو بلف خط ہذا روانہ کیا جاتا ہے آپ کی علالت طبع کے بارے میں پہنچا اس خط کو دیکھ کر نہایت تردد ہوا اس لئے میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ کی عیادت کے لئے آؤں۔ اور میں خدا تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ آپ کو من کل الوجوہ تندرست دیکھوں وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سو ہفتہ کے دن یعنی ساتویں تاریخ جنوری ۱۸۸۸ء میں روانہ ہونے کا ارادہ ہے آگے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ سو اگر ہفتہ کے دن روانہ ہوئے تو انشاء اللہ اتوار کے دن کسی وقت پہنچ جائیں گے۔ اطلاع دہی کے لئے لکھا گیا ہے والسلام خاکسار غلام احمد

از قادیان ضلع گورداسپور پنجم جنوری ۱۸۸۸ء روز پنج شنبہ۔

(مکتوبات احمدیہ حصہ پنجم نمبر۲ صفحہ ۴۹-۵۰)

اس اطلاع کے بعد آپ حسب وعدہ جموں تشریف لے گئے۔ خاکسار عرفانی نے جموں میں اس مکان کو دیکھا ہے جہاں حضرت فروکش ہوئے تھے۔ اس کے لئے میں مخدومی خلیفہ نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کا رہین منت ہوں کہ خصوصیت سے وہ مجھے اس مکان میں لے گئے۔

غرض آپ نے عیادت کے لئے سفر بھی کئے۔ خطوط کے ذریعہ عیادت کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ اگر میں ان خطوط کو جو محض عیادت کے لئے لکھے گئے ہیں درج کرنا شروع کروں تو اخلاق و شمائل کا یہ حصہ انہیں خطوط پر ختم ہو جائے اور خطوط باقی رہ

جائیں۔

عیادت کا دوسرا طریق

عیادت کے لئے باوجودیکہ آپ تشریف لے جاتے تھے۔ لیکن یہ بھی ایک صحیح واقعہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے قلب کو مخلوق کی ہمدردی اور غمگساری کے لئے جہاں استقلال سے مضبوط کیا ہوا تھا وہاں محبت اور احساس کے لئے اتنا رقیق تھا کہ آپ اپنے مخلص احباب کی تکالیف کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکتے تھے۔ اور اندیشہ ہوتا تھا کہ اگر آپ اس موقعہ تکلیف پر پہنچ جاویں تو طبیعت بگڑ نہ جاوے اس لئے بعض اوقات عیادت کے لئے خود نہ جاتے اور دوسرے ذریعہ سے عیادت کر لیتے یعنی طبیب یا ڈاکٹر کے ذریعہ سے حالات دریافت کرتے رہتے اور مریض کے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ذریعہ تسلی دیتے رہتے۔ آپ نے اپنی اس رقت قلبی کا اظہار بھی بعض اوقات فرمایا۔

ایوب صادق مرحوم کی علالت پر ایک خط

مرحوم ایوب صادق ایک نہایت ہی مخلص اور پرجوش احمدی نوجوان تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس کو عاشقانہ ارادت تھی۔ وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں آخر وہ مولیٰ کریم کے حضور جا پہنچے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ اپنے بھائی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے پاس بمقام فاضلکا تھے۔ ان پر حضرت اقدس کی محبت کا غلبہ ہوا تو انہوں نے خواہش کی کہ حضرت کو دیکھیں خود ان کا آنا نہایت ہی مشکل ہو گیا تھا۔ کیونکہ سفر کے قابل نہ تھے۔ اور اس جوش کو دبا بھی نہ سکتے تھے۔ انہوں نے حضرت اقدس کو خط لکھا کہ حضور اس جگہ فاضلکا میں آن کر مل جاویں میرا دل بہت چاہتا ہے کہ میں حضور کی زیارت کروں۔ پھر اسی مضمون کا ایک تار بھی دیا۔ حضرت مسیح موعود نے اس کے جواب میں جو خط ان کو لکھا اس سے اس فطرت کا اظہار نمایاں طور پر ہوتا ہے جو آپ میں رقّت قلبی کی تھی۔

خط بنام مرزا ایوب بیگ مرحوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مجّی عزیزی مرزا ایوب بیگ صاحب و مجی عزیز مرزا یعقوب بیگ صاحب السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ اس وقت جو میں درد سر اور موسمی تپ سے یک دفعہ سخت بیمار ہو گیا ہوں مجھ کو تار ملی۔ جس قدر میں عزیزی مرزا ایوب بیگ کے لئے دعا میں مشغول ہوں اس کا علم تو خدا تعالیٰ کو ہے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز نا امید نہ ہونا چاہئے۔ میں تو سخت بیماری میں بھی آنے سے فرق نہ کرتا لیکن میں تکلیف کی حالت میں ایسے عزیز کو دیکھ نہیں سکتا۔ میرا دل جلد صدمہ قبول کرتا ہے یہی چاہتا ہوں کہ تندرستی اور صحت میں دیکھوں جہاں تک انسانی طاقت ہے اب میں اس سے زیادہ کوشش کروں گا مجھے پاس اور نزدیک سمجھیں نہ دور۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں اس درد کو بیان کروں۔ خدا کی رحمت سے ہرگز نا امید مت ہو۔ خدا بڑے کرم اور فضل کا مالک ہے اس کی قدرت اور فضل اور رحمت سے کیا دور ہے کہ عزیزی ایوب بیگ کو تندرست جلد تر دیکھوں۔ اس علالت کے وقت جو تار مجھ کو ملی میں ایسا سراسیمہ ہوں کہ قلم ہاتھ سے چلی جاتی ہے۔ میرے گھر میں بھی ایوب بیگ کے لئے سخت بیقرار ہیں۔ اس وقت میں ان کو بھی اس تار کی خبر نہیں دے سکتا۔ کیونکہ کل سے وہ بھی تپ میں مبتلا ہیں اور ایک عارضہ حلق میں ہو گیا ہے۔ مشکل سے اندر کچھ جاتا ہے۔ اس کے جوش سے تپ بھی ہو گیا ہے وہ نیچے پڑے ہوئے ہیں۔ اور میں اوپر کے دالان میں ہوں۔ میری حالت تحریر کے لائق نہ تھی لیکن تار کے درد انگیز اثر نے مجھے اس وقت اٹھا کر بٹھا دیا۔ آپ کا اس میں کیا حرج ہے کہ اس کی ہر روز مجھ کو

اطلاع دیں معلوم نہیں کہ جو میں ۔نے ابھی ایک بوتل میں دوا روانہ کی تھی وہ پہنچی یا نہیں ریل کی معرفت روانہ کی گئی تھی اور مالش معلوم نہیں ہر روز ہوتی ہے یا نہیں۔ آپ ذرہ ذرہ حال سے مجھے اطلاع دیں۔ اور خدا بہت قادر ہے۔ تسلی دیتے رہیں۔ چوزہ کا شوربا یعنی بچہ خورد کا ہر روز دیا کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دستوں کی وجہ یہ ہے کہ کمزوری نہایت درجہ تک پہنچ گئی ہے

والسلام ۲۵۔ اپریل ۱۹۰۰ء　　خاکسار مرزا غلام احمد۔

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۲۹۹)

یہ خط ہمدردی اور غمخواری کا ایک مرقع ہے جو آپ کے قلب میں اپنے مخلص خدام کے لئے تھی۔ خود بیمار ہیں۔ گھر میں بیمار ہیں۔ مگر اپنے ایک عزیز خادم کی علالت کی خبر پاکر بیقرار ہو جاتے ہیں اور اگر اس حالت میں دیکھنے کی طاقت رکھتے تو اپنی بیماری کی ذرہ بھی پروانہ کرکے جانے کو آمادہ ہیں۔ ممکن ہے کہ نادان کو یہ خیال پیدا ہو کہ اس قدر رقّت قلبی شجاعت اور استقلال کو کم کر دیتی ہیں مگر ایسا خیال بیہودہ اور فضول ہوگا اس لئے کہ شجاعت اور قلبی قوت کے ظہور و بروز کا یہی ایک موقعہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے دوسرا مقام ہے۔ اس کیفیت کا مشاہدہ اس وقت کرو جبکہ وہ دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے اور ہر قسم کی مشکلات اور مصائب کے حملے آپ پر ہو رہے ہیں مگر یہ کوہ وقار انسان اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا۔ اور ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ اسی کتاب میں ان قوتوں اور اخلاق کے مشاہدات دوسری جگہ پیش کئے گئے ہیں یہ رقّت انتہائی محبت اور دلسوزی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی عیادت بذریعہ خط

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹ میں بیمار ہو گئے۔ اور حضرت کو مخدومی حضرت میر حامد شاہ صاحب نے اطلاع دی۔ آپ نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کو فوراً خط لکھا۔ اس واقعہ کو میں خود حضرت مخدوم

الملت کے ہی الفاظ میں قلم بند کرتا ہوں فرماتے ہیں۔

"میں گزشتہ اکتوبر (اکتوبر ۱۸۹۹ء) میں بیمار ہو گیا اور اس وقت چند روز کے لئے سیالکوٹ میں گیا ہوا تھا۔ میری حالت بہت نازک ہو گئی۔ میرے عزیز مکرم دوست میر حامد شاہ صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع سیالکوٹ نے میری بیماری کے متعلق حضرت کو خط لکھا آپ نے اس کے جواب میں جو خط لکھا میں اسے درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس لئے کہ میرے نزدیک وہ خط حضرت کے مظہر اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اور وہ یہ ہے:

"مکرمی اخویم مولوی عبدالکریم صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اس وقت قریباً دو بجے کے وقت وہ خط پہنچا جو اخویم سید حامد شاہ صاحب نے آپ کے حالات علالت کے بارہ میں لکھا ہے خط کے پڑھتے ہی کوفت و غم سے وہ حالت ہوئی جو خدا تعالیٰ جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا خاص رحم فرمائے میں خاص توجہ سے دعا کروں گا۔ اصل بات یہ ہے کہ میری تمام جماعت میں آپ دو ہی آدمی ہیں جنہوں نے میرے لئے اپنی زندگی دین کی راہ میں وقف کر دی ہے ایک آپ ہیں اور ایک مولوی حکیم نورالدین صاحب ابھی تک تیسرا آدمی پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے جس قدر قلق ہے اور جس قدر بے آرامی ہے بجز خدا تعالیٰ کے اور کون جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شفا بخشے اور رحم فرمائے اور آپ کی عمر دراز کرے۔ آمین ثم آمین جلد کامل صحت سے مجھے اطلاع بخشیں"۔

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان۔ ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریمؓ صفحہ ۴۵، ۴۶)

حضرت مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا سے شفا بخشی اور وہ پھر جلد قادیان تشریف لے آئے۔ اور قادیان سے پھر واپس نہ گئے۔ یہ خط بہت سے

ضروری امور پر روشنی ڈالتا ہے۔ ۱۸۹۹ء کے آخر تک حضرت اقدس اپنی جماعت میں جن پاک ہستیوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں کامل فدائی یقین کرتے تھے وہ دو ہی وجود تھے حکیم الامت اور مخدوم الملّت۔ (باوجودیکہ اس وقت مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد احسن امروہی موجود تھے۔ یہ ایک نکتہ معرفت ہے۔ سیرت کے اس مقام پر میں زیادہ بحث اس پر نہیں کرنا چاہتا۔)

غرض خطوط کے ذریعہ آپ اکثر عیادت کرتے رہتے تھے۔ اور قادیان میں اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہو جس کے ساتھ تعلقات اخلاص وارادت مضبوط ہوں اور اسے خدا تعالیٰ کے لئے متقی و مومن پائیں آپؑ اس کی عیادت سے پرہیز نہ کرتے۔ اور عام ہمدردی کے طور پر بھی بلاامتیاز ہندو و مسلمان عیادت کرتے تھے۔ لیکن بعض اوقات آپ اپنے قلب کی رقت کی وجہ سے خود جاکر نہ دیکھ سکتے تھے۔ مگر اس کے علاج میں تگ و دو اور سعی میں ذرا بھی فرق نہ کرتے تھے۔ یہ نظارہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کی اس علالت میں کمال صفائی سے دیکھنے میں آیا جو بالآخر انکی موت کا موجب ہوئی۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی آخری علالت

اگست ۱۹۰۵ء کے تیسرے ہفتہ میں یکایک بیمار ہوئے۔ اور ایک چھوٹی سی پھنسی بین الکتفین ظاہر ہوئی جو بالآخر کاربنکل تشخیص ہوئی۔ اتفاق سے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب تین ماہ کی رخصت لے کر آئے تھے۔ انہوں نے مکرمی ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی مدد سے آپریشن کیا۔ متعدد مرتبہ آپریشن کی ضرورت پیش آئی اور بعض اوقات سخت نازک حالت ہو گئی۔ اور ایسی نوبت آئی کہ اس سے جانبر ہونا طبی فتویٰ کی رو سے ناممکن تھا۔ مگر حضرت اقدس کی دعاؤں کے طفیل وہ جانبر ہو گئے۔ ۴ ستمبر ۱۹۰۵ء کو یہی حالت تھی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے اس حالت کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

"آپریشن کے بعد قریباً شام تک میں مولوی صاحب کے پاس بیٹھا رہا ہاتھ پاؤں بالکل سرد ہو گئے نبض بالکل کمزور تھی۔ اور باقاعدہ نہ چلتی تھی۔ کسی وقت ایک دو حرکتیں دل کی بالکل ساقط ہو جاتی تھیں گویا کہ دل حرکت کرتا کرتا رک جاتا تھا۔ ہوش نہ تھا اور اس کے علاوہ پیٹ میں نفخ بہت تھا

"اصل میں مولوی صاحب کو ذیابیطس کی وجہ سے عام کمزوری بہت تھی اس کے علاوہ شدت درد و کرب کی وجہ سے کئی دن سے غذا اندر نہ گئی تھی اس پر اپریشن بڑا بھاری ہوا بہت سا خون گیا۔ کلوروفارم بہت سی مقدار میں سونگھانا پڑا اس لئے ان کی حالت نہایت نازک ہو گئی تھی۔ ہم نے ہر قسم کا علاج کیا کہ دل اپنی اصلی حالت پر آوے اور ہوش آئے مگر کوئی بات کارگر نہ ہوئی اور ان کی عام حالت نیچے ہی نیچے جاتی تھی۔ ہمارے عزیز بھائی ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور بھی قریب چار بجے دن کے تشریف لائے وہ بھی ان کی حالت دیکھ کر سخت پریشان و حیران ہوئے اور انہوں نے کہا کہ بظاہر ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی۔

"حضرت اقدس گھڑی گھڑی مولوی صاحب کا حال دریافت کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں ان کی نازک حالت کی اطلاع دی گئی تو اس کی خبر کے سننے سے جیسے کہ ایک حقیقی غم گسار اور سچے مشفق کو صدمہ ہوتا ہے آپ کو صدمہ محسوس ہوا اور جیسے کہ والدین کو اپنے عزیز بیٹے کے لئے ایک تڑپ اور اضطراب ہوتا ہے واللہ کہ ہم نے اس سے زیادہ اس مسیح میں اپنے روحانی فرزند کے لئے پایا۔ پھر آپ اندر تشریف لے گئے۔ کچھ مشک لائے۔ فرمایا کہ مولوی صاحب کو دو۔ پھر آپ دعا میں مشغول ہو گئے۔ کہا کہ ہمارے پاس سب سے بڑا ہتھیار دعا ہی ہے اور فرمایا کہ

خدا کے فضل سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ وہ چاہے تو مردہ میں جان ڈال دے اس کو سب قدرت ہے مشک بھی دیا گیا۔ پیشتر اس کے اس سے بہت زیادہ طاقتور ادویہ دی جا چکی تھیں۔ بلکہ جلد میں بذریعہ ہائی پوڈرمک سرنج Hypodermic Syringe (یعنی باریک پچکاری) دی جاچکی تھی کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ مگر میں اس بات کا شاہد ہوں اور ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب گواہ ہیں کہ ادھر حضرت مسیح موعود نے دعا کے لئے سجدہ میں سر رکھا اور ادھر مولوی صاحب کی حالت جو نہایت خطرناک تھی اصلاح پکڑنے لگی۔ اور ابھی حضرت دعا سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ نبض بالکل درست اور طاقتور ہو گئی جیسے کہ کبھی کوئی ضعف نہ تھا۔ اس وقت ڈاکٹر محمد حسین صاحب کے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکلا کہ ان کی نبض کا درست ہونا ایک معجزہ ہے

"میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ اس حالت کے بعد اس ضعف کی حالت میں اور دل کے بالکل رہ چکنے کے بعد کسی کا دل قوی ہو گیا ہو اور حالت درست ہو گئی ہو۔" (الحکم ۳۱ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۴)

یہ صرف ایک دن کی حالت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ حضرت اقدس کی حالت ان ایام میں جو کچھ تھی میں الحکم میں اس کی تفصیل لکھ چکا ہوں۔

"اس دن سے کہ مولوی صاحب پر عمل جراحی کیا گیا رات کا سونا قریباً حرام ہو گیا باوصفیکہ چوٹ لگنے اور بہت سا خون نکل جانے کی وجہ سے حضرت اقدس کو تکلیف تھی اور دوران سر کی بیماری کی شکایت تھی لیکن یہ کریم النفس وجود ساری رات رب رحیم کے حضور مولٰنا مولوی عبدالکریم صاحب کے لئے دعاؤں میں لگا رہا"۔

یہ ہمدردی اور یہ ایثار ہر شخص میں نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور ماموروں کی ہی یہ شان ہے کہ اپنی تکالیف کو بھی دوسروں کی خاطر بھول جاتے

ہیں بلکہ قریب موت پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت اقدس نصف شب سے آخر شب تک مصروف دعا رہے اس عرصہ میں مولوی صاحب ممدوح کے دروازہ پر آن کر حال بھی پوچھا ساری دنیا سوتی تھی مگر یہ خدا کا جری جاگتا تھا۔ اپنے لئے نہیں اپنی اولاد کے لئے نہیں اپنے کسی ذاتی مقصد اور اغراض کے لئے نہیں۔ صرف اس لئے کہ تا رحیم وکریم مولیٰ کے حضور اپنے ایک مخلص کی شفا کے لئے دعا کرے۔

غرض حضرت کئی رات بالکل نہیں سوئے جس سے طبیعت گو بہت مضمحل ہو گئی مگر اس اضمحلال نے آپ کو تھکایا نہیں۔ ایک دن فرماتے تھے میں نے بہت دعا کی ہے اس قدر دعا کی ہے اگر تقدیر مبرم نہیں تو انشاء اللہ بہت مفید ہوگی۔ پھر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کبھی اس قسم کا اضطراب اور فکر میں نے اپنی اولاد کے لئے بھی نہیں کیا۔ نہ خود دعاؤں میں مصروف رہے بلکہ بعض خدام کو بلا کر کہا کہ تم ساری رات دعائیں کرو۔ اور اس طرح پر اپنے بھائی کی مدد کرو۔ میں الفاظ نہیں لا سکتا جو اس نقشہ کو دکھاؤں۔ اور کیونکر دکھاؤں مصور کا قلم بھی نہیں دکھا سکتا کہ آپ دعاؤں کی قبولیت پر کیسا ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کو کیسی اکسیر اپنے تجربے سے مانتے ہیں۔

فرمایا میں نے ہرچند چاہا کہ دو چار منٹ کے لئے ہی سو جاؤں مگر میں نہیں جانتا کہ نیند کہاں چلی گئی۔ یہ باتیں ایک روز آپ نے صبح کو بیان فرمائیں۔ بعض خدام نے عرض کی حضور اس وقت جاکر آرام کرلیں۔

فرمایا اپنے اختیار میں تو نہیں میں کیونکر آرام کر سکتا ہوں جبکہ میرے دروازہ پر ہائے ہائے کی آواز آتی ہے۔ میں تو اس قلق اور کرب کو جو مولوی صاحب کو ہوا دیکھ بھی نہیں سکتا (اللہ رے رقّت قلب۔ ایڈیٹر) اس لئے میں اوپر نہیں گیا۔ غرض آپ کو بہت درد و کرب ہے۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت مخدوم الملت کو تو جو درد اور تکلیف ہے وہ ہے ہی لیکن حضرت خلیفتہ اللہ کو اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بڑھ کر اس کا درد ہے اس سے پہلے کئی مرتبہ فرمایا کہ ”دعا ہو نہیں سکتی جب تک

دوسرے کے دکھ اور درد کو میں اپنے اوپر نہ لے لوں وہ نظارہ اب دیکھا گیا"۔

غرض مولوی عبدالکریم صاحب کی علالت کے ایام میں جہاں بہت سے نشانات اعجازی احیاء کے کرشمے ہم نے دیکھے وہاں اس رقّت قلب کا بھی مشاہدہ کیا جو حضرت مسیح موعود میں تھی۔ باوجودیکہ حضرت صاحب نچلی منزل میں رہتے تھے اور مولوی صاحب مرحوم بالاخانہ پر رہا کرتے تھے آپ نے بارہا فرمایا کہ میں نے کئی مرتبہ شام کی نماز کے لئے وضو اس نیت سے کیا ہے کہ اوپر جاکر نماز پڑھوں گا(موسم گرما میں جیسا کہ آج کل بھی معمول ہے مغرب اور عشا اور فجر کی نمازیں چھت پر پڑھی جاتی تھیں اور یہ چھت مولوی صاحب کے کمرہ سے ملحق تھی۔ عرفانی) اور نیز مولوی صاحب کو دیکھوں گا مگر میں ضعف دل کی وجہ سے سیڑھیاں نہیں چڑھ سکا۔

حضرت اقدس کا سلوک ایام علالت میں اجمالی نظر

اب میں اس حصہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت اقدس کے اس سلوک کا اجمالی ذکر کرتا ہوں جو آپ نے حضرت مخدوم الملت سے ایام علالت میں کیا اور اسے میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔

"جس روز سے کہ مولوی صاحب علیل ہوئے اس گھڑی تک کہ انہوں نے اس جہان سے اپنے تعلقات کا انقطاع کیا مجھے مولوی صاحب مرحوم و مغفور کی خدمت میں رہ کر سعادت حاصل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے موقعہ دیا اور چونکہ حضرت اقدس اپنے خاص کرم اور مہربانی سے مولوی صاحب مرحوم کے متعلق ہر ایک علاج میں اور ان کے کھانے پینے کی ہر ایک چیز کے متعلق خاکسار سے مشورہ لیتے اور مولوی صاحب کی طبیعت بعض اوقات رات کو بگڑ جاتی تھی اس لئے مجھے اس وقت حضرت صاحب کی خدمت میں اطلاع دینے کی ضرورت ہوتی تھی اور دن میں بھی کئی دفعہ ایسا موقعہ ہوا کہ جب مولوی محمد علی صاحب یا

ایک دو اور احباب کے سوائے کوئی نہ ہوتا تھا۔ حضرت اقدس کو مولوی صاحب کی بیماری میں جو تبدیلیاں ہوتی تھیں ان کو ان سے اطلاع دی جاتی تھی۔ ہر ایک دفعہ جب ہم اطلاع دیتے حضرت اقدس خود تشریف لاتے۔ اور حال دریافت کرتے۔ اور بعض اوقات خودبخود تشریف لاتے اور مولوی صاحب کا حال معلوم کرتے۔ اس لئے خاکسار کو خدا کے فضل سے مولوی صاحب کی اس علالت میں حضرت اقدس کے اخلاق اور ان کی محبت اور ایثار جو ان کو اپنے خدام کے لئے ہے اس کے مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ بعض اوقات ہم نے حضرت اقدس کو سخت کرب اور گھبراہٹ اور ابتلاء کی گھڑیوں میں مولوی صاحب کی نازک حالت کی اطلاع دی جبکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارا وہ پیارا رفیق جس نے اپنی ہر ایک خواہش پر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خدمتِ دین کو مقدم کیا ہوا تھا۔ اور ہمارا وہ حبیب جس نے کہ اپنے وجود کے ایک ایک ذرہ کو امام معصوم اور ہادی برحق کی راہ میں ایک بار نہیں بلکہ صد ہزار بار نثار کیا ہوا تھا۔ اور جو اپنے دل سے ہر ایک دوست کا قدر دان تھا۔ جس کو کہ وہ دیکھتا کہ اسے اعلائے کلمۃ اللہ و اشاعت دین کے لئے ادنیٰ سا بھی جوش ہے اس وقت ہم دیکھتے تھے کہ وہ نوجوان جو اپنے شہر کا اور اپنے ملک کا اور اپنی قوم کا اور اسلام کا فخر تھا کہ اس کی کشتی عمر ایسی سخت بیماری کے طوفان میں تلاطم میں پڑی ہے۔

"اصل میں یہ وقت ہوتا ہے کسی کی سچی محبت اور اخلاص کو پرکھنے کا۔ اور نیز اس بات کا کہ اسے خدا تعالیٰ کی قوت پر کیسا ایمان ہے اور اس کا تعلق خدا کے ساتھ کیسا ہے کیونکہ ایسی نازک حالت میں خصوصاً جبکہ معالج ڈاکٹر اور طبیب بھی یاس کے عالم میں ہوں سوائے ایسے لوگوں کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہو کوئی ثابت قدم نہیں

رہ سکتا اور حضرت اقدس نے مولوی صاحب کی بیماری میں جو اپنی کمال محبت اور ایثار کا اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور توکل کا نمونہ دکھایا وہ ایک اہل بصیرت کے لئے کافی ثبوت ہے۔ حضرت اقدس کے من جانب اللہ ہونے کا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ان کا سچا تعلق ہونے کا اور اس بات کا کہ اگر کوئی رسول ﷺ کا نمونہ آج امت میں دیکھنا چاہے تو حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے بڑھ کر اور کوئی نہیں۔ چاہے کوئی تمام دنیا میں ڈھونڈے اور میں بعض واقعات کو پیش کرتا ہوں۔ اگرچہ جو کچھ کہ میں نے حضرت اقدس کے کمال اخلاق اور محبت اور مہربانی کا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ میں بیان کر سکوں۔ اور حضرت اقدس نے اپنے ایک عزیز مخلص دوست کو بے آرامی میں پاکر جو اپنے نفس پر باوجود اس قدر ضعف اور بڑھاپے اور کمزوری کے ہر ایک قسم کا آرام حرام کر دیا تھا۔ اور ان کو اس عزیز کے لئے جو تڑپ اور دلی توجہ اور اضطراب تھا میں نہیں جانتا کہ میں اس کو کس طرح بیان کروں اور کن الفاظ میں ظاہر کروں البتہ ہمارے دلوں پر اس کا ایک نقشہ ہے اور ہماری روح اور ایمان کو اس سے ایک ترو تازگی پہنچی ہے جو خدا کے فضل سے قیامت تک مٹنے والی نہیں اور اگر کوئی اہل دل دلوں پر نظر ڈال کر حقائق معلوم کر سکتا ہے تو ہم حاضر ہیں اگر باور نہ ہو تو ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھ لے۔ ماسوائے اس کے حضرت اقدس کو خدا تعالیٰ کی جناب میں تضرع اور نیاز اور خشوع و خضوع نہایت درجہ کا تھا۔ دن اور رات میں حضرت صاحب کا بہت کم حصہ ایسا گزرتا ہوگا جو حضرت احدیت کے حضور میں دعا سے خالی ہو۔ اور بعض دفعہ کئی کئی گھنٹہ دعا میں مصروف رہتے اور سجدہ سے سر نہ اٹھاتے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ نقشہ میں کس طرح سے پبلک کے سامنے پیش کروں کہ وہ حضرت اقدس

کے تبتل الی اللہ اور ان کے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقات کو سمجھ سکیں اس میں شک نہیں کہ جیسے کہ اس عالم کے باریک در باریک اسرار اور حقائق قدرت کو دیکھنے کے لئے ایک دوربین یا خوردبین کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے سوا ہماری آنکھیں بیکار ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے اسرار قدرت کو دیکھنے کے لئے جو ایک وراء الوراء ہستی ہے یہ آنکھیں بیکار ہیں۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک دوربین آنکھ عطا نہ ہو ایسے ہی جو لوگ خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں ان کی معرفت نا ہی حاصل کرنا خدا کے فضل کے سوائے ناممکن ہے۔ ہر زمانہ میں ہر ایک رسول اور مجدد کے وقت میں لوگوں نے اپنی عدم معرفت کے سبب ٹھوکر کھائی ہے اور قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سے یہی سنت اللہ ہے اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس امت محمدیہ کو پہلوں کے نمونہ سے سبق حاصل کرنے کی توفیق دے تاکہ وہ اس امام برحق کی مخالفت سے خدا کے عذاب کے نیچے نہ آویں۔ آمین۔ اور وہ مستہزئین میں سے نہ بنیں اور خدا کے خوف اور خشیت کو اپنے دلوں میں جگہ دیں آمین۔

" سامان جو مہیا کیا گیا جن لوگوں نے قادیان دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی آبادی قریباً چار پانچ ہزار ہے۔ وہاں پر معمولی ضروریات کا مہیا ہونا بھی مشکل ہے چہ جائیکہ ایسے سخت بیمار کے لئے ہر ایک ضروری چیز بہم پہنچ سکے۔ مگر حضرتؑ اقدس مرزا صاحب نے اس عزیز بیمار کی تیمار داری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ مولوی صاحب جس چیز کے کھانے کی خواہش ظاہر کرتے حضرت اقدس فوراً آدمی بھیج کر لاہور یا امرتسر سے منگوا دیتے۔ یا اگر یہ خاکسار یا خلیفہ صاحب یا مولوی نورالدین صاحب کسی دوائی یا خاص غذا کے لئے عرض کرتے یا خود

حضرت اقدس ان کے لئے کوئی چیز تجویز کرتے تو فوراً امرتسر یا لاہور سے منگوا لیتے۔

" مولوی صاحب کے لئے انگور، سردے، انار وغیرہ ہر ایک قسم کا پھل ہر وقت موجود رہتا۔ مولوی صاحب کو صحت میں بھی ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے بڑی محبت رہی ہے یہاں تک کہ موسم سرما میں بھی چھت کے اوپر پانی رکھوا چھوڑتے تھے۔ اور وہی یخ کی طرح کا پانی جاڑوں میں پیتے تھے۔ اس بیماری میں چونکہ شروع سے ہی تپ کی شکایت ساتھ ساتھ رہی بعض اوقات حرارت زیادہ ہو جاتی تھی مولوی صاحب کو برف کی بہت ضرورت محسوس ہوتی تھی اس لئے حضرت اقدس نے ان کے لئے یہ التزام کیا ہوا تھا کہ اکٹھی دو تین من برف منگوا لیتے اور پھر جب وہ قریب ختم کے ہوتی تو اور آدمی لاہور یا امرتسر بھیج کر اتنی ہی برف منگواتے اور اس ذخیرہ کو کم نہ ہونے دیتے۔ جس وقت کہ مولوی صاحب کا انتقال ہوا ایک من کے قریب برف موجود تھی۔ اور مولوی یار محمد صاحب اور برف لانے کے لئے حضرت کے حکم سے لاہور جانے کو تیار تھے کہ یہ حادثہ ہو گیا۔

" مولوی صاحب کو چونکہ بہت ضعف ہو گیا تھا کوئی بوجھل غذا ہضم نہ کر سکتے تھے اس لئے ایک مہینے سے زائد عرصہ سے رات کے لئے حضرت اقدس تین چار مرغ کی یخنی ہر روز تیار کرواتے اور بکرے کے گوشت کا جگ سوپ اس کے علاوہ اکثر تیار کروا دیتے۔ بعد میں حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی گئی کہ یہ یخنی وغیرہ جو دی جاتی ہے اس میں مقدار بہت ہوتی ہے۔ مگر اصل طاقت کا جزو کم ہوتا ہے۔ انگلینڈ سے تیار ہو کر ایک قسم کا گوشت کا ست آتا ہے (وائیتھ صاحب کا بیف جوس (Wythe's Beef Juice) مدت تک مولوی صاحب مرحوم کو دیا گیا۔ ایک شیشی جس میں قریب دو اونس (ایک چھٹانک) کی غذا ہوتی

تھی۔ تین روپیہ میں آتی ہے حضرت اقدس نے اس کی کئی شیشیاں ان کے لئے خریدیں۔ بلکہ جس وقت مولوی صاحب کا انتقال ہوا برادرم شیخ رحمت اللہ نے تین شیشیاں اسی غذا کی مولوی صاحب کے لئے بھیجی تھیں جو خاکسار کو پہنچیں۔ شیخ صاحب کو مولوی صاحب مرحوم سے خاص محبت اور اخلاص رہا ہے۔ چونکہ پہلی شیشیاں اس غذا کی قریب اختتام کے تھیں میں نے شیخ صاحب کو لکھا تھا کہ جلدی بھیج دیں انہوں نے فوراً ہی اس کی تعمیل کی اور اس رفیق کی رفاقت اور آخر خدمت میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

علاج "مولوی صاحب کے علاج کے لئے دو اسسٹنٹ سرجن یعنی خاکسار اور ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب اور حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب جو خدا کے فضل سے اپنے علم اور تجربہ کے رو سے یکتائے دہر ہیں ہر وقت موجود رہتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن و اسسٹنٹ پروفیسر میڈیکل کالج لاہور اور ڈاکٹر قاضی کرم الٰہی صاحب امرتسر سے مشورے کے لئے تشریف لاتے۔ اور مولوی صاحب کے لئے ہر ایک قسم کی دوائی اور عمل جراحی کے لئے اوزار قادیان جیسی جگہ میں بہم پہنچاتے۔ یہاں تک کہ ایک اوزار منگوایا تاکہ مولوی صاحب کو کلوروفارم سنگھانے کی ضرورت نہ رہے اور اس سے جگہ بے حس کرکے آپریشن کئے جاویں۔ چنانچہ بعد میں دوسرے کاربنکل و دنبل وغیرہ پر آپریشن کرنے میں اس سے بہت مدد ملی۔ یہ ایسا اوزار ہے کہ اکثر ہسپتالوں میں بھی موجود نہیں ہوتا۔

"حضرت اقدس نے مولوی صاحب کے علاج میں کثرت سے روپیہ خرچ کیا اور کوئی ایسی چیز باقی نہ رہ گئی تھی کہ جس کی نسبت خیال بھی ہو سکے کہ مولوی صاحب کے علاج کے لئے مفید ہوگی اور ان کے لئے بہم نہ

پہنچائی گئی ہو۔ اور مولوی صاحب کی یہ کیسی خوش قسمتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انکے لئے ہر ایک سامان بہم پہنچایا اور ان کے لئے جو کوشش کی گئی کسی راجہ یا نواب کے نصیب ہو تو ہو ورنہ عام امراء کے لئے بھی اس قدر کوشش ہونی محالات سے ہے۔ اور یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود کی برکت سے تھا ورنہ مجھے خوب یاد ہے کہ ان کے والد صاحب فرماتے تھے 'اگر ہم اپنی تمام جائیداد بھی نیلام کر دیتے اور چاہتے کہ ہمارے بیٹے کا اس قدر ڈاکٹر اور حکیم علاج کرتے رہیں اور ان کی خدمت میں دن رات مصروف رہیں تو بالکل ناممکن تھا بلکہ اتنے لمبے عرصہ کے لئے ایک دفعہ دن میں بھی کسی لائق ڈاکٹر کو دکھانا مشکل تھا'۔"

(اخبار الحکم ۱۰ فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۴-۵)

غرض حضرت مسیح موعود عیادت کے لئے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے اور آپ نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ آپ سے بڑھ کر مریضوں کا خیر خواہ اور ہمدرد دوسرا بہت ہی کم ہو گا۔

مفتی فضل الرحمان صاحب کے واقعات

مفتی فضل الرحمان صاحب کے نام سے احمدیہ پبلک یقیناً واقف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اور آپ کے اہل بیت کے ساتھ ان کو خاص طور پر محبت اور ارادت ہے۔ مفتی صاحب کی جب شادی کی تجویز ہوئی۔ اور حضرت خلیفہ اول نے حضرت کو لکھا تو حضرت نے اسے بہت ہی پسند فرمایا اور یہ بھی لکھا کہ مفتی صاحب کے متعلق مجھے الہام ہوا "اَسۡیُفۡدٰی" چنانچہ حضرت صاحب کے مشورہ کے ماتحت حضرت حکیم الامت نے اپنی لڑکی حفصہ کا رشتہ مفتی صاحب سے کر دیا۔ مفتی صاحب حضرت حکیم الامت کے بھتیجے بھی ہیں کیونکہ وہ مفتی صاحب کے پھوپھا تھے۔ شادی کے بعد قریب زمانہ ہی سے مفتی صاحب قادیان آ گئے۔ اور خدا تعالیٰ نے ان کو صاحب اولاد کیا۔ حضرت مسیح موعود

کے ارشاد اور مشورہ سے چونکہ رشتہ ہوا تھا حضرت صاحب کو خاص طور پر خیال رہتا تھا۔ مفتی صاحب کے گھر سے اور حضرت مولوی صاحب مرحوم خلیفہ اول کے بڑے گھر کے اخلاص کی وجہ سے بھی حضرت صاحب بہت محبت اور عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور چونکہ مفتی صاحب کی ساس یعنی حضرت خلیفہ اول کی بڑی بیوی اول المہاجرات میں سے تھیں اور سلسلہ کے ساتھ ان کو خاص محبت تھی اس لئے حضور علیہ السلام بھی ان پر بہت نظر محبت رکھتے تھے۔ مفتی فضل الرحمان صاحب کی خوش دامن ان کی پھوپھی بھی تھیں۔ چونکہ ان کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس لئے اپنی لڑکی حفصہ کو جو مفتی فضل الرحمان صاحب کی بیوی تھی اپنے پاس ہی رکھتی تھیں۔ حفصہ کو بھی حضور علیہ السلام سے بڑا اعتقاد اور محبت تھی۔ جیسا کہ مفتی صاحب نے اس کی سوانح عمری میں مفصل بیان کیا ہے۔

عنایت الرحمان کی عیادت

حضرت مفتی صاحب کا سب سے بڑا لڑکا جو پہلا لڑکا کہنا چاہئے بہرہ اور گونگا تھا۔ اسی طرح دوسرا لڑکا بھی۔ پہلا لڑکا تو پیدائشی ہی مریض تھا۔ مگر دوسرا لڑکا جس کا نام عنایت الرحمان تھا اچھا خاصہ تندرست تھا۔ مگر نہ سنتا تھا اور نہ بولتا تھا۔ یہ لڑکا جب ساڑھے چار سال کا تھا اور سخت بیمار ہو گیا۔ یعنی اس کو ٹائی فائیڈ (Typhoid Fever) فیور ہو گیا تو حضور علیہ السلام اکثر اس کی علالت کے ایام میں اس کو دیکھنے کے لئے آتے تھے اور ہمیشہ تنہا تشریف لاتے تھے۔ اور بچہ کو دیکھ کر مناسب تجاویز بتلا کر تشریف لے جاتے تھے۔ مفتی صاحب ان ایام میں گورداسپور کے مقدمہ میں تاریخوں پر حضرت کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ جس روز آخری دفعہ حضور گورداسپور تشریف لے جانے لگے اور گھر سے نکل کر اس بچہ کو جا کر دیکھا تو اس کی حالت کو نازک پایا۔ تو آپ نے باہر آکر مفتی صاحب کو فرمایا کہ آج آپ گورداسپور نہ جاویں یہیں ٹھہریں۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ دوسرے دن صبح بچہ فوت ہو گیا۔

عنایت الرحمان کی تعزیت

اس سے دوسرے دن آپ گورداسپور سے تشریف لے آئے تو مفتی صاحب چھوٹی لڑکی حفیظہ کو اٹھائے ہوئے حضور کو مہمان خانہ کے قریب جاکر ملے تو آپ نے فرمایا۔ میں نے آپ کے بچہ کی وفات سنی بہت رنج ہوا میں نے آپ کے لئے بہت دعا کی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو نعم البدل عطا فرماوے گا۔ اور وہ سننے اور بولنے والا ہو گا۔

لطیفہ۔ یہاں مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضور میرے گھر میں دو لڑکیاں اور دو لڑکے پیدا کرنے ہیں۔ اب یہ لڑکی ہے اس کے بعد اگر دوسری لڑکی ہوئی تو نعم البدل نہ ہو گا۔ اگر لڑکا ہو گا تو نعم البدل سمجھوں گا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ کہ میاں ہمارے خدا میں تو یہ بھی طاقت ہے کہ آئندہ لڑکیوں کا سلسلہ ہی منقطع ہو جاوے۔ چنانچہ مولا کریم کے قربان جاؤں۔ اس کے بعد مفتی صاحب کے گھر میں متواتر چھ لڑکے پیدا ہوئے اور سب سننے والے اور بولنے والے۔ گو یہ ایک ذاتی لطیفہ ہے مگر حضرت اقدس کی قبولیت دعا کا ایک اعجازی نمونہ ہے۔

حضرت حکیم الامت کی اہلیہ کی عیادت

مفتی صاحب کی خوش دامن جب مرض الموت میں بیمار ہوئی تو آپ اکثر ان کی بیمار پرسی کو تشریف لایا کرتے تھے۔ اور حالت پوچھا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ یہی عرض کرتی کہ آپ دعا کریں کہ مجھے جمعہ کے روز موت آوے اور آپ خود میرا جنازہ پڑھیں۔ چنانچہ حکمت الٰہی سے عین نماز جمعہ کے پڑھ چکنے کے بعد جب مفتی صاحب اور حضرت خلیفہ اول نماز جمعہ پڑھ کر اس کو دیکھنے آئے تو مریضہ نے پوچھا کہ کیا جمعہ ہو گیا ہے۔ کہا گیا کہ ہاں تو کہا کہ ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ مجھے گھبراؤ ہو تا ہے اور چند منٹ میں فوت ہو گئی۔ حضور علیہ السلام نے بعد نماز عصر اس کا جنازہ پڑھا۔ اور فرمایا کہ میں نے عہد کیا ہوا تھا۔ کہ خواہ میں کیسا ہی بیمار ہوں ان کا جنازہ ضرور خود پڑھاؤں گا۔ سو الحمد للہ کہ میرا وعدہ پورا ہو گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جس قدر لوگ اس جنازہ میں شامل ہوئے ہیں میں نے ان سب کا جنازہ پڑھ

دیا ہے۔ ایک شخص نے متعجب ہو کر حضرت مولوی صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ یہ کس طرح فرمایا۔ تو حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ کیا تم پڑھا نہیں کرتے "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا" سب سے پہلے تو زندہ کے لئے دعا مانگا کرتے ہو۔ گو یہ بھی ایک لطیفہ ہے۔ مگر وہ لوگ بڑے ہی خوش قسمت ہیں جو اس جنازہ میں شریک تھے۔ الحمد للہ میں بھی ان میں سے ہوں۔

نماز جنازہ سے فارغ ہو کر دوسرے روز آپ مفتی صاحب کے گھر میں تشریف لائے اور اکیلے تشریف لائے۔ حفصہ مفتی صاحب کی اہلیہ کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں جگہ دے دی ہے تم فکر اور غم نہ کرو۔ میں بھی تمہارا باپ ہوں جس چیز کی ضرورت ہوا کرے مجھ سے کہا کرو۔ اس نے رو کر عرض کیا کہ میں کمزور انسان ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں یہ اکثر بیمار رہتے ہیں وہ ان کے لئے اکثر دعائیں کیا کرتی تھیں۔ آپ کو توجہ دلاتی تھیں۔ اب میں کس سے کہوں گی۔ فرمایا مجھ سے کہا کرو۔ سر سے پگڑی اتار کر دے دی اور فرمایا کہ اس کا ایک ایک کرتہ بنا کر سب بچوں کو پہنا دو۔ اور خود اس رومی ٹوپی کو سر پر رکھ کر تشریف لے گئے جو پگڑی کے اندر آپ رکھا کرتے تھے۔

اس کے چند روز بعد پھر تشریف لائے اس وقت حضرت ام المومنین بھی ساتھ تھیں فرمایا کیا پک رہا ہے؟ حفصہ نے عرض کیا کہ گوشت! حضرت ام المومنین کو فرمایا کہ دیکھو کیا پک رہا ہے۔ جب انہوں نے ڈھکنا اٹھا کر دیکھا اور فرمایا کہ ہاں گوشت ہے تو فرمایا میں نے سمجھا دال پکا رہی ہے اور یوں ہی گوشت بتلا دیا۔ بہرحال اس کے بعد وفات تک اپنے اس عہد پر قائم رہے جو آپ نے حفصہ سے کیا تھا کہ مجھ سے کہا کرو۔

حفصہ کی عیادت اور حیرت انگیز علاج

عزیز عبد الحفیظ کی تولید پر جب حفصہ کو موسم سرما میں کزاز یعنی ٹیٹی نس (Tetnus) ہوا (جس مرض سے ان ایام میں بہت سی عورتیں تلف

ہوئی تھیں) تو جب نماز مغرب کے بعد مفتی صاحب نے جاکر حضور سے عرض کیا کہ اس کی گردن میں کچھ درد اور کشش ہے۔ تو فوراً فرمایا کہ یہ تو کزاز کا ابتداء ہے۔ مولوی صاحب کو بتلاؤ۔ مفتی صاحب نے کہا کہ انہوں نے حب شفا بتلائی ہے۔ تو فوراً خود تشریف لے آئے اور مریضہ کو خود آکر دیکھا فرمایا : دس رتی ہینگ دے دو اور ایک گھنٹہ کے بعد اطلاع دو۔ جب مفتی صاحب نے جاکر اطلاع دی کہ کچھ افاقہ نہیں ہوا تو فرمایا دس رتی کونین دے دو۔ اور ایک گھنٹہ کے بعد اطلاع دو۔ پھر کہا گیا کہ کوئی افاقہ نہیں۔ فرمایا دس رتی مشک دے دو۔ اور مشک اپنے پاس سے دیا۔ گھنٹہ کے بعد عرض کیا کہ مرض بڑھ رہا ہے۔ فرمایا دس تولہ کسٹرائل دے دو۔ کسٹرائل دینے کے بعد مریضہ کو سخت قے ہوئی اور حالت نازک ہو گئی۔ سانس اکھڑ گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔

قبولیت دعا کا ہتھیار اور اس کے استعمال کا اعجازی طریق

مفتی صاحب بھاگے ہوئے گئے فوراً حضور نے پاؤں کی آہٹ سن کر دروازہ کھولا۔ عرض کیا گیا۔ فرمایا دنیا کے اسباب کے جتنے ہتھیار تھے وہ ہم چلا چکے ہیں۔ اس وقت کیا وقت ہے؟ عرض کیا گیا۔ بارہ بج چکے ہیں۔ تم جاؤ میرے پاس صرف ایک دعا کا ہتھیار باقی ہے۔ میں اس وقت سر اٹھاؤں گا جب وہ اچھی ہو جاوے گی۔ چنانچہ مفتی صاحب کا ایمان دیکھو کہ گھر میں آکر الگ کمرہ میں چارپائی ڈال کر سو رہے کہ وہ جانے اور اس کا خدا۔ مجھے اب کیا فکر ہے۔ مفتی صاحب کہتے ہیں کہ جب صبح میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برتنوں کو درست کر رہی ہے میں نے پوچھا کیا حال ہے کہا کوئی دو گھنٹہ کے بعد آرام ہو گیا تھا۔

مفتی صاحب کی عیادت

۱۸۹۷ء میں مفتی صاحب کو خود محرقہ بخار ہوا۔ اور بہت سخت بخار ہوا۔ حضور علیہ

السلام ہر روز صبح کے وقت ان کے دیکھنے کو تشریف لے آتے اور خود علاج فرماتے اور مولوی صاحب مرحوم کو تاکید کیا کرتے۔ ایک روز نماز عشا کے بعد جب مولوی صاحب تشریف لائے اور مولوی قطب الدین صاحب بھی ساتھ تھے تو مفتی صاحب کی حالت بے ہوشی کی تھی۔ مولوی صاحب نے ڈیوڑھی میں جاکر مولوی قطب الدین صاحب کو فرمایا کہ آج حالت نازک ہے امید نہیں کہ صبح تک جانبر ہو۔ مفتی صاحب کی خوش دامن دروازہ کے پاس سن رہی تھیں۔ مولوی صاحب تو اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اور مفتی صاحب کی خوش دامن دوڑی ہوئی حضور علیہ السلام کے پاس پہنچیں اور حالت عرض کی۔ آپ نے فرمایا میں ایک ضروری مضمون لکھ رہا ہوں۔ آپ مولوی صاحب سے جاکر میری طرف سے تاکید کریں۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو یہ فرما گئے ہیں کہ حالت نازک ہے۔ فرمایا ہیں میں نے تو ابھی اس سے بہت کام لینا ہے۔ مضمون کو وہیں چھوڑ دیا اور تشریف لے آئے اور دیکھا۔ فرمایا بہت اچھا میں چل کر دعا کرتا ہوں۔ رات بارہ بجے کے قریب مفتی صاحب کو ایک دست خون کا آیا پھر دوسرا۔ پھر تیسرا۔ یہاں تک کہ آنکھیں کھل گئیں۔ صبح کی نماز کے وقت حضور جب مسجد میں تشریف لائے تو یہ سب قصہ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم سے بیان کیا۔ اور فرمایا کہ بارہ بجے کے قریب میرے دل میں ڈالا گیا۔ کہ اب آرام ہو گیا ہے۔ اسی وقت ماسٹر عبد الرحمان صاحب نو مسلم جالندھری کو حکم دیا کہ جاؤ دریافت کرو۔ آرام کے کیا معنی ہیں۔ چنانچہ جب وہ جواب لے کر گئے کہ میں ان سے ملکر آیا ہوں طبیعت اچھی ہے تو پھر آپ نے نماز صبح پڑھی اس کے بعد بہت عرصہ تک مفتی صاحب کو تریاق الٰہی کھانے کو دیتے رہے جو ان ایام میں تیار ہوا تھا۔

غرض آپ کو حضرت مولوی صاحب کے خاندان کے ساتھ بہت ہی محبت تھی۔ اور اس کے بعد حضرت حکیم الامت کے چھوٹے گھر میں بچوں کے واقعات وفات ہوتے رہے تو آپ کو اس کا ہمیشہ احساس ہوتا۔ اور آپ کی دعاؤں سے آخر حضرت مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ذکور اور اناث اولاد ایسی دی جو جیتی جاگتی ہے۔ ☆

☆ آہ اس کتاب کی اشاعت کے وقت حضرت خلیفہ اول کی آخری بیٹی جو بہت بڑی عالم تھیں فوت ہو چکی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (عرفانی)

حضرت مولوی صاحب کی علالت پر بھی جب کبھی ہو جاتی تو آپ متواتر عیادت کے لئے جاتے۔ اور اکثر خود ادویات تیار کراتے اور آپ غذا کے لئے خاص طور پر انتظام فرماتے۔ مختصر یہ ہے کہ نہ صرف آپ عیادت فرماتے بلکہ اپنے خدام اور دوسرے لوگوں کی بیماریوں میں اس قدر ہمدردی اور دلجوئی کا طریق اختیار کرتے۔ کہ ان کے قلب سے فکر و غم جاتا رہتا۔ میں نے اوپر حضرت حکیم الامت کی اہلیہ کلاں کی بیماری اور وفات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں اتنا اور اضافہ کرتا ہوں جو اگرچہ درج شدہ واقعہ کی تائید ہی ہے مگر اس کی صحت کی زبردست شہادت ہے۔ کہ آپ نے ۲۸ جولائی ۱۹۰۵ء کو جس روز مرحومہ فاطمہ (اہلیہ کلاں حضرت حکیم الامت) کا انتقال ہوا۔ دربار شام میں قبل از عشاء خود ہی ذکر کرکے فرمایا کہ

"وہ ہمیشہ مجھے کہا کرتی تھیں کہ میرا جنازہ آپ پڑھائیں اور میں نے دل میں پختہ وعدہ کیا ہوا تھا کہ کیسا ہی بارش یا آندھی وغیرہ کا بھی وقت ہو۔ میں ان کا جنازہ پڑھاؤں گا۔ آج اللہ تعالیٰ نے ایسا عمدہ موقعہ دیا کہ طبیعت بھی درست تھی۔ اور وقت بھی صاف میسر آیا۔ اور میں نے خود جنازہ پڑھایا"۔ (اخبار بدر ۲۷ جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۷)

بعض واقعات اس سلسلہ میں ایسے بھی ہیں جو زیادہ تر آپ کے خوراق اعجازیہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے میں ان کو سیرت کے اس باب میں انشاء اللہ ذکر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تعزیت کے متعلق آپ کے معمولات کا ذکر کروں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق تعزیت

عیادت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طرز عمل کو واقعات کے ساتھ میں دکھا چکا ہوں۔ تعزیت

کے متعلق بھی آپ کا طرز عملی طور پر یہی تھا کہ بعض صورتوں میں آپ اگر موقعہ ہو تو زبانی تعزیت فرماتے اور یا تحریراً۔ آپ تعزیت کرتے وقت اس امر کو ملحوظ خاطر رکھتے کہ بشریت کی وجہ سے جو صدمہ اور رنج کسی شخص کو پہنچا ہے اسے اپنی عارفانہ نصائح اور دنیا کی بے ثباتی کو واضح کرکے کم کردیں۔ ایسے موقعوں پر بعض وقت انسان کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے اور ماسوی اللہ کی محبت کو قربان کر دیتا ہے اس لئے آپ کا معمول یہی تھا کہ ایسے موقعہ پر انسان کے ایمان کے بچانے کی فکر کرتے اور ایسے رنگ میں اس پر اثر ڈالتے کہ تمام ھم و غم بھول جاتا۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ غالب ہو جاتی۔ بہت سے واقعات میری نظر سے گذرے ہیں اور بیسیوں خطوط میرے سامنے ہیں جن میں آپ نے اپنے مخلص خدام کو ایسے حادثات اور واقعات پیش آجانے پر تعزیت فرمائی۔ میں ان واقعات کو کسی خاص ترتیب سے نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ میرا کام صرف اس وقت اسی قدر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو واقعات کو جمع کردوں۔ پیچھے آنے والے ترتیب کا لحاظ رکھ لیں گے۔ اور اپنے اپنے مذاق پر جس اسلوب سے چاہیں گے انہیں پیش کریں گے۔

حافظ ابراہیم صاحب کی اہلیہ کی تعزیت

حافظ ابراہیم صاحب ایک بہت پرانے مخلص مہاجر ہیں۔ معذور ہیں۔ ۳۱ جولائی ۱۹۰۶ء کو ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ یکم اگست ۱۹۰۶ء کو حضرت اقدس نے ان کی بیوی کی تعزیت کی اور ان کو مخاطب کرکے فرمایا:-

”آپ پر اپنی بیوی کے مرنے کا بہت صدمہ ہوا ہے اب آپ صبر کریں تاکہ آپ کے واسطے ثواب ہو۔ آپ نے اپنی بیوی کی بہت خدمت کی ہے۔ باوجود اس معذوری کے کہ آپ نابینا ہیں آپ نے خدمت کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر ہے۔ مرنا تو سب کے واسطے مقدر ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن سب کے ساتھ یہی حال ہونے والا ہے

مگر غربت کے ساتھ بے شر ہو کر مسکینی اور عاجزی میں جو لوگ مرتے ہیں
ان کی پیشوائی کے واسطے گویا بہشت آگے آتا ہے"۔

(اخبار بدر ۹/ اگست ۱۹۰۶ء صفحہ ۴)

قاضی غلام حسین صاحب کے بیٹے کی تعزیت

جون ۱۹۰۵ء کے اوائل میں قاضی غلام حسین صاحب وٹرنری اسسٹنٹ (جو آج کل حصار کے کیٹل فارم (Cattle Farm) میں سپرنٹنڈنٹ ہیں اس وقت بھی وہاں ہی تھے) کا بچہ چند روز بیمار ہو کر فوت ہو گیا تھا۔ چند روز ہی کی عمر اس نے پائی تھی۔ وہ حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو خطاب کر کے تعزیت فرمائی۔

فرمایا "جو بچہ مرجاتا ہے وہ فرط ہے۔ انسان کو عاقبت کے لئے بھی کچھ ذخیرہ چاہئے۔ میں لوگوں کی خواہش اولاد پر تعجب کیا کرتا ہوں۔ کون جانتا ہے اولاد کیسی ہوگی۔ اگر صالح ہو تو انسان کو دنیا میں کچھ فائدہ دے سکتی ہے اور پھر مستجاب الدعواۃ ہو تو عاقبت میں بھی فائدہ دے سکتی ہے۔ اکثر لوگ تو سوچتے ہی نہیں کہ ان کو اولاد کی خواہش کیوں ہے۔ اور جو سوچتے ہیں وہ اپنی خواہش کو یہاں تک محدود رکھتے ہیں کہ ہمارے مال و دولت کا وارث ہو۔ اور دنیا میں بڑا آدمی بن جائے۔ اولاد کی خواہش صرف اس نیت سے درست ہو سکتی ہے کہ کوئی ولد صالح پیدا ہو جو بندگان خدا میں سے ہو۔ لیکن جو لوگ آپ ہی دنیا میں غرق ہوں وہ ایسی نیت کہاں سے پیدا کر سکتے ہیں انسان کو چاہئے کہ خدا سے فضل مانگتا رہے۔ تو اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔

"نیت صحیح پیدا کرنی چاہئے ورنہ اولاد ہی عبث ہے۔ دنیا میں ایک بے معنی رسم چلی آتی ہے۔ کہ لوگ اولاد مانگتے ہیں۔ اور پھر اولاد سے دکھ اٹھاتے ہیں۔ دیکھو حضرت نوح کا لڑکا تھا کس کام آیا؟

"اصل بات یہ ہے کہ انسان جو اس قدر مرادیں مدنظر رکھتا ہے اگر اس کی حالت اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہو تو خدا اس کی مرادوں کو خود پوری کر دیتا ہے۔ اور جو کام مرضی الٰہی کے مطابق نہ ہوں ان میں انسان کو چاہئے کہ خود خدا تعالیٰ کے ساتھ موافقت کرے"۔

(اخبار بدر ۱۵ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

تحریری تعزیت

جس طرح آپ کے معمولات میں یہ بات داخل تھی کہ آپ خطوط کے ذریعہ عیادت کر لیا کرتے تھے۔ اسی طرح سے عموماً خطوط کے ذریعہ تعزیت بھی فرمایا کرتے تھے۔ تعزیت ناموں میں آپ کا طریق مسنون یہی تھا کہ دنیا کی بے ثباتی کا نقش دل پر بٹھانے کے لئے کوشش فرماتے اور ایسا رنگ اختیار فرماتے جس سے اس صدمہ کی آگ ٹھنڈی ہو جائے۔ اور قلب پر ایک سکینت اور تسلی کی روح کا نزول ہو۔ اس کے لئے کبھی خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کو پیش کرتے۔ کبھی اس کی غیرت ذاتی کا پرشوکت بیان فرماتے جس کو سن کر انسان غیر اللہ کی محبت سے کانپ اُٹھے۔ اور اپنے اندر سے ان تمام بتوں کو نکال کر پھینک دے جو غیروں کی محبت کے اس کے قلب میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور کبھی ان طریقوں کا بھی اظہار فرماتے جو عملی صورت میں اس غم اور حادثہ کی کوفت کو دور کرنے والے ہوں۔

غرض آپ تحریری طور پر تعزیت فرماتے تھے۔ ابتدا میں ایسے خطوط خود اپنے ہاتھ سے ہی لکھا کرتے تھے۔ لیکن جب کثرت سے سلسلہ پھیل گیا اور آپ کی مصروفیت کا دامن وسیع ہو گیا تو اس قسم کے خطوط کے لئے کاتب ڈاک کو بھی حکم دے دیتے تھے مگر اپنے مخلص احباب کے لئے اس وقت تک بھی یہی دستور تھا کہ اپنے ہاتھ سے خط تحریر فرمایا کرتے۔ اور بعض دوستوں کے لئے آپ کا معمول تھا کہ رجسٹری کرا کر خط ہو یا پیکٹ کتاب و اشتہار بھیجا کرتے تھے۔ ایسے پیکٹ خود اپنے ہاتھ سے بھی بنا لیتے۔ ورنہ ان پر پتہ تو لازماً اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ میں ذیل میں چند

تعزیت نامے آپ کے درج کرتا ہوں۔ ان سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ تعزیت تحریری میں آپ کا اسلوب کیا تھا۔

حضرت حکیم الامت کے بیٹوں کے تعزیت نامے

حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ ابھی جموں میں ملازم تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت کا اعلان بھی نہیں کیا تھا۔ مولوی صاحب کو اسی زمانہ سے آپ کے ساتھ اخلاص و ارادت کا بے نظیر تعلق تھا۔ اگست ۱۸۸۵ء میں حضرت مولوی صاحب کے دو بچے یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے اور تیسرا بیمار ہو گیا۔ آپ نے اس موقعہ پر حضرت مولوی صاحب کو تعزیت کا خط لکھا۔ یہ خط قبولیت دعا کا بھی ایک نمونہ ہے۔ اور اس میں دعا کے قبول ہونے کا ایک گر بھی بتایا گیا ہے۔ میں اس خط کو جو یہاں درج کر رہا ہوں وہ آپ کا نمونہ تعزیت دکھانے کے مقصد سے درج کر رہا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم

"از عاجز عایذ باللہ الصمد غلام احمد۔ بخدمت اخویم مکرم و مخدوم حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ حال صدمہ وفات دو لخت جگران مخدوم و علالت طبیعت پسر سوم سن کر موجب حزن و اندوہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ جلشانہ' آپ کو صدمہ گزشتہ کی نسبت صبر عطا فرماوے۔ اور آپ کے قرۃ العین فرزند سوم کو جلد تر شفا بخشے۔ انشاء اللہ العزیز یہ عاجز آپ کے فرزند کے لئے دعا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے فضل و کرم سے ایسی دعا کی توفیق بخشے جو اپنی جمیع شرائط کی جامع ہو یہ امر کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسی کی مرضات حاصل کرنے کے لئے اگر آپ خفیہ طور پر اپنے فرزند دلبند کے شفا حاصل ہونے پر اپنے دل میں کچھ نذر مقرر کر

رکھیں تو عجب نہیں کہ وہ نکتہ نواز جو خود اپنی ذات میں کریم و رحیم ہے آپ کی اس صدق دلی کو قبول فرما کر ورطہ غموم سے آپ کو مخلصی عطا فرماوے۔ وہ اپنے مخلص بندوں پر ان کے ماں باپ سے بہت زیادہ رحم کرتا ہے۔ اس کو نذروں کی کچھ حاجت نہیں۔ مگر بعض اوقات اخلاص آدمی کا اسی راہ سے متحقق ہوتا ہے۔ استغفار اور تضرّع اور توبہ بہت ہی عمدہ چیز ہے۔ اور بغیر اس کے سب نذریں ہیچ اور بے سود ہیں اپنے مولیٰ پر قوی امید رکھو اور اس کی ذات بابرکات کو سب سے زیادہ پیارا بناؤ کہ وہ اپنے قوی الیقین بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اور اپنے سچے رجوع لانے والوں کو ورطہ غموم میں نہیں چھوڑتا۔ رات کے آخری پہر میں اٹھو اور وضو کرو اور چند دوگانہ اخلاص سے بجالاؤ۔ اور دردمندی اور عاجزی سے یہ دعا کرو کہ

”اے میرے محسن اور اے میرے خدا میں ایک تیرا ناکارہ بندہ پر معصیت اور پر غفلت ہوں۔ تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا۔ اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا۔ تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مجھے متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پر گناہ پر رحم کر اور میری بے باکی اور ناسپاسی کو معاف فرما۔ اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے اور کوئی چارہ گر نہیں آمین ثم آمین“

”مگر مناسب ہے کہ بروقت اس دعا کے فی الحقیقت دل کامل جوش سے اپنے گناہ کا اقرار اور اپنے مولیٰ کے انعام و اکرام کا اعتراف کرے کیونکہ صرف زبان سے پڑھنا کچھ چیز نہیں جوش دلی چاہئے۔ اور رقت اور گریہ بھی۔ یہ دعا معمولات اس عاجز سے ہے۔ اور در حقیقت اسی عاجز کے مطابق حال ہے“۔ والسلام خاکسار غلام احمد عفی عنہ ۲ اگست ۱۸۸۵ء

حضرت حکیم الامت نے اس خط پر یہ نوٹ فرمایا ہے۔

"یہ لڑکا اس وقت اس مرض سے بچ گیا تھا پھر دوبارہ سعال و ام الصبیان میں انتقال کرگیا۔ اِنِّیْ بِفِرَاقِہٖ لَمَحْزُوْنُوْنَ وَادْعُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ۔ نورالدین۔ ۱۳ اسوج ۱۹۲۳ء بکرمی

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر۲ صفحہ ۲)

ایک اور تعزیت نامہ

ایسا ہی ستمبر۱۸۸۶ء میں حضرت حکیم الامت کا ایک بچہ فوت ہوگیا۔ ۲۰ ستمبر۱۸۸۶ء کو آپ نے مندرجہ ذیل تعزیت نامہ تحریر فرمایا :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم۔

مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

"بعد السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ استماع واقعہ وفات فرزند دلبند آن مخدوم سے حزن و اندوہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خداوند کریم بہت جلد آپ کو نعم البدل عطا کرے۔ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ انسان کے لئے اس کے گوشہ جگر کا صدمہ بڑا بھارا زخم ہے اس لئے اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے۔ اللہ جلشانہ آپ کو جلد تر خوش کرے آمین ثم آمین"۔

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر۲ صفحہ ۱۰)

چوہدری رستم علی صاحب رضی اللہ عنہ کے نام تعزیت نامہ

حضرت چوہدری رستم علی صاحب رضی اللہ عنہ سلسلہ کے اول الخادمین اور مخلصین میں سے ایک تھے۔ اپنی ساری عمر ساری کمائی کو وہ اس راہ میں خرچ کر دینا ایک

معمولی بات سمجھتے تھے۔ ان کے گھر میں ایک ہی بیٹا تھا اور وہ فوت ہو گیا۔ آپ نے ان کو مندرجہ ذیل تعزیت نامہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

مجی اخویم چوہدری رستم علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ چونکہ وفات پسر مرحوم کی خدا تعالیٰ کا فعل ہے اور صبر پر وہ اجر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے آپ جہاں تک ممکن ہو اس غم کو غلط کریں خدا تعالیٰ نعم البدل اجر عطا کر دے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ خدا تعالیٰ کے خزانوں میں بیٹوں کی کمی نہیں۔ غم کو انتہا تک لے جانا اسلام کے خلاف ہے میری نصیحت محض للہ ہے۔ جس میں سراسر آپ کی بھلائی ہے۔ اگر آپ کو اولاد اور لڑکوں کی خواہش ہے۔ تو آپ کے لئے اس کا دروازہ بند نہیں۔ علاوہ اس کے شریعت اسلام کے رو سے دوسری شادی بھی سنت ہے۔ میرے نزدیک مناسب ہے کہ آپ ایک دوسری شادی بھی کر لیں جو باکرہ ہو۔ اور حسن ظاہری اور پوری تندرستی رکھتی ہو۔ اور نیک خاندان سے ہو۔ اس سے آپ کی جان کو بہت آرام ملے گا۔ اور تقویٰ تعدد ازدواج کو چاہتا ہے۔ اچھی بیوی جو نیک اور موافق اور خوبصورت ہو۔ تمام غموں کو فراموش کر دیتی ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ اچھی بیوی بہشت کی نعمت ہے۔ اس کی تلاش ضرور رکھیں آپ ابھی نوجوان ہیں۔ خدا تعالیٰ اولاد بہت دے دے گا۔ اس کے فضل پر قوی امید رکھیں۔ والسلام خاکسار غلام احمد عفی عنہ۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۱۲۲)

سندر داس کی تعزیت کا خط چوہدری صاحب کے نام

چوہدری رستم علی صاحب کو سندر داس نام ایک نوجوان کے ساتھ محبت تھی وہ سمجھتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائے گا۔ اور یہ محبت ان کی ایک عشق کا رنگ رکھتی تھی اس کے لئے وہ حضرت اقدس کو خطوط بھی لکھتے رہتے تھے۔ وہ بیمار ہوا۔ اور فوت ہو گیا۔ چوہدری صاحب کو اس کا صدمہ اپنے کسی عزیز سے کم نہ ہوا۔ حضرت اقدس نے تعزیت نامہ اس وفات پر لکھا۔ وہ بہت ہی سبق آموز اور مؤثر ہے۔ آپ نے نہ صرف ایک بلکہ متواتر دو تعزیت نامے لکھے۔ جن کو میں یہاں درج کرتا ہوں۔

پہلا خط تعزیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم۔

مکرمی اخویم منشی رستم علی صاحب سلمہ۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ ۱۳ و ۱۴ فروری ۱۸۸۸ء کی گزشتہ رات مجھے آپ کی نسبت دو ہولناک خوابیں آئی تھیں جن سے ایک سخت ہم و غم مصیبت معلوم ہوتی تھی۔ میں نہایت وحشت و تردد میں تھا کہ یہ کیا بات ہے اور غنودگی میں ایک الہام بھی ہوا کہ جو مجھے بالکل یاد نہیں رہا۔ چنانچہ کل سندر داس کی وفات اور انتقال کا خط پہنچ گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی غم تھا جس کی طرف اشارہ تھا خدا تعالیٰ آپ کو صبر بخشے۔

تُرا با ہر کہ رُوئے آشنائی است
قرار کارت آخر بر جُدائی است
زِ فُرقت بردِ لے بارے نہ باشد
کہ با رمیرندہ اش کارے نباشد

مجھے کبھی ایسا موقعہ چند مخلصانہ نصائح کا آپ کے لئے نہیں ملا جیسا آج ہے۔ جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی غیوری محبت ذاتیہ میں کسی مومن کی

اس کے غیر سے شراکت نہیں چاہتی۔ ایمان جو ہمیں سب سے پیارا ہے وہ اسی بات سے محفوظ رہ سکتا ہے کہ ہم محبت میں دوسرے کو اس سے شریک نہ کریں۔ اللہ جلشانہ مومنین کی علامت یہ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ یعنی جو مومن ہیں وہ خدا سے بڑھ کر کسی سے دل نہیں لگاتے۔ محبت ایک خاص حق اللہ جلشانہ کا ہے۔ جو شخص اس کا حق دوسرے کو دے گا وہ تباہ ہو گا۔ تمام برکتیں جو مردان خدا کو ملتی ہیں۔ تمام قبولیتیں جو ان کو حاصل ہوتی ہیں کیا وہ معمولی وظائف سے یا معمولی نماز روزہ سے ملتی ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ توحید فی المحبت سے ملتی ہیں اسی کے ہو جاتے ہیں اسی کے ہو رہتے ہیں اپنے ہاتھ سے دوسروں کو اس کی راہ میں قربان کرتے ہیں۔ میں خوب اس درد کی حقیقت کو پہچانتا ہوں کہ جو ایسے شخص کو ہوتا ہے کہ یک دفعہ وہ ایسے شخص سے جدا کیا جاتا ہے جس کو وہ اپنے قالب کی گویا جان جانتا ہے لیکن مجھے زیادہ غیرت اس بات میں ہے کہ کیا ہمارے حقیقی پیارے کے مقابل پر کوئی اور ہونا چاہئے؟ ہمیشہ سے میرا دل یہ فتویٰ دیتا ہے۔ کہ غیر سے مستقل محبت کرنا کہ جس سے للّٰہی محبت باہر ہے خواہ وہ بیٹا یا دوست کوئی ہو ایک قسم کا کفر اور کبیرہ گناہ ہے جس سے اگر شفقت و رحمت الٰہی تدارک نہ کرے تو سلب ایمان کا خطرہ ہے سو آپ یہ اللہ جلشانہ کا احسان سمجھیں کہ اس نے اپنی محبت کی طرف آپ کو بلایا۔ ”عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ“ اور نیز ایک جگہ فرماتا ہے جلشانہ وعزاسمہ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ یعنی کوئی مصیبت بغیر اذن اور ارادہ الٰہی کے نہیں پہنچتی۔ اور جو شخص ایمان پر قایم ہو خدا اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔ یعنی صبر بخشتا

ہے اور اس مصیبت میں جو مصلحت اور حکمت تھی وہ اسے سمجھا دیتا ہے اور خدا کو ہر ایک چیز معلوم ہے۔

میں انشاء اللہ آپ کے لئے دعا کروں گا۔ اور اب بھی کئی دفعہ کی ہے۔ چاہئے کہ سجدہ میں اور دن رات کئی دفعہ یہ دعا پڑھیں۔

یَا اَحَبُّ مِنْ کُلِّ مَحْبُوْبٍ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَادْخِلْنِیْ فِیْ عِبَادِکَ الْمُخْلَصِیْنَ آمین۔ والسلام

خاکسار غلام احمد از قادیان ۱۵ فروری ۱۸۸۸ء

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۷۳-۷۴)

دوسرا خط تعزیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

مخدومی مکرمی اخویم منشی رستم علی صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز کے ساتھ ربط ملاقات پیدا کرنے سے فائدہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کو بدلا دیا جائے تا عاقبت درست ہو۔

سندر داس کی وفات کے زیادہ غم سے آپ کو پرہیز کرنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ کا ہر ایک کام انسان کی بھلائی کے لئے ہے گو انسان اس کو سمجھے یا نہ سمجھے۔ جب ہمارے نبی ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد بیعت ایمان لینا شروع کیا۔ تو اس بیعت میں یہ داخل تھا کہ اپنا حقیقی دوست خدا تعالیٰ کو ٹھہرایا جاوے۔ اور اس کے ضمن میں اس کے نبی اور درجہ بدرجہ تمام صلحا کو اور بغیر خلت دینی کے کسی کو دوست نہ سمجھا جائے یہی اسلام ہے جس سے آج کل لوگ بے خبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی ایمان داروں کا کامل دوست خدا ہی ہوتا ہے وبس۔

جس حالت میں انسان پر خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کا حق نہیں تو اس لئے خالص دوستی محض خدا تعالیٰ کا حق ہے۔ صوفیاء کو اس میں اختلاف ہے۔ کہ جو مثلاً غیر سے اپنی محبت کو عشق تک پہنچاتا ہے اس کی نسبت کیا حکم ہے۔ اکثر یہی کہتے ہیں کہ اس کی حالت حکم کفر کا رکھتی ہے گو احکام کفر کے اس پر صادر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بباعث بے اختیاری مرفوع القلم ہے تاہم اس کی حالت کافر کی صورت میں ہے۔ کیونکہ عشق اور محبت حق اللہ جلشانہ کا ہے اور وہ بددیانتی کی راہ سے خدا تعالیٰ کا حق دوسرے کو دیتا ہے۔ اور یہ ایک ایسی صورت ہے جس میں دین اور دنیا دونوں کے وبال کا خطرہ ہے۔ راست بازوں نے اپنے پیارے بیٹوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔ اپنی جانیں خدا تعالیٰ کی راہ میں دیں۔ تا توحید کی حقیقت انہیں حاصل ہو۔ سو میں آپ کو خالصاً للہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ اس حزن و غم سے دست کش ہو جائیں اور اپنے محبوب حقیقی کی طرف رجوع کریں۔ تا وہ آپ کو برکت بخشے اور آفات سے محفوظ رکھے۔ والسلام۔

خاکسار غلام احمد از قادیان یکم مارچ ۱۸۸۸ء۔

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۷۵)

ان تعزیت ناموں پر مجھے کسی ریمارک کی ضرورت نہیں۔ ان سے حضرت مسیح موعود کا وہ مقام معلوم ہوتا ہے جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا ہونے کے بعد ملا تھا اور آپ کے قلب پر دنیا کی ساری محبتیں سرد ہو چکی تھیں۔ اور یہی روح اور قوت آپ اپنے مخلص دوستوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ یہ بھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کہنے اور حق کی طرف بلانے میں آپ کو کوئی چیز روک نہیں ہو سکتی تھی۔ دنیا کے گدی نشین اور علماء کی یہ حالت نہیں وہ اپنے دوستوں کو جس رنگ کا پاتے ہیں اسی رنگ کے جواز کی صورتیں پیدا کر دیتے ہیں۔ گویا وہ خود ان کے نفس کی اتباع کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود کا طریق بالکل جداگانہ ہے۔ آپ نے اپنے ایک نہایت

مخلص خادم میں ایک غلطی کا احساس کیا۔ کہ وہ غیر اللہ سے محبت کا وہ رنگ رکھتے ہیں یا پیدا کر رہے ہیں جو خدا کی غیرت اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ آپ نے اس حالت میں کہ ان کا دل صدمہ رسیدہ تھا اس کی اصلاح کے لئے پردہ برانداز نصیحت فرمائی ہے۔ جس سے اس حقیقی خیر خواہی اور محبت للّٰہی کا بھی پتہ لگتا ہے۔ جو آپ کو چوہدری رستم علی صاحب سے تھی۔

غرض تعزیت میں آپ کا یہ رنگ تھا۔ کہ دنیا اور اس کے متعلقات کی محبت سرد ہو جائے۔ اور انسان اپنی توجہ اور محبت کی عنان کو خدا تعالیٰ ہی کی طرف رکھے۔ اس قسم کی تعزیت انسان کے زخمی دل پر فی الحقیقت مرہم کا کام دیتی ہے آپ نے اس سے تعلیم دی ہے کہ ہم کو تعزیت کے لئے کیا طریق اختیار کرنا چاہئے۔ لوگ ایسے موقعہ پر ایسی باتیں کرتے ہیں جو بجائے تسلی اور اطمینان کے جگر دوز اور غم والم کے محرکات ہو جاتی ہیں اور بجائے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کے اس سے دور پھینک دیتی ہیں۔

اب تعزیت کے دو خط اور درج کرتا ہوں۔ جو آپ نے مخدومی حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کو ان کی پہلی بیگم صاحبہ کی وفات پر لکھے۔

کور چشم آنانکہ در انکارہا افتادہ اند

نواب محمد علی خان صاحب کی بیگم صاحبہ اولیٰ کی وفات پر تعزیت کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم۔

محبی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آج صدمہ عظیم کی تار مجھ کو ملی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرماوے اور اس کے عوض

کوئی آپ کو بھاری خوشی بخشے میں اس درد کو محسوس کرتا ہوں جو اس ناگہانی مصیبت سے آپ کو پہنچا ہوگا۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ آئندہ خدا تعالیٰ آپ کو ہر ایک بلا سے آپ کو بچاوے اور پردہ غیب سے اسباب راحت آپ کے لئے میسر کرے۔ میرا اس وقت آپ کے درد سے دل دردناک ہے۔ اور سینہ غم سے بھرا ہے۔ خیال آتا ہے کہ دنیا کیسی بے بنیاد ہے۔ ایک دم میں ایسا گھر کہ عزیزوں اور پیاروں سے بھرا ہوا ہو ویران و بیابان دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس رفیق کو غریق رحمت کرے اور اس کی اولاد کو عمر اور اقبال اور سعادت بخشے۔ لازم ہے کہ ہمیشہ ان کو دعائے مغفرت میں یاد رکھیں۔

پہلی دو تاریں ایسے وقت میں پہنچیں کہ میرے گھر کے لوگ سخت بیمار تھے اور اب بھی بیمار ہیں تیسرا مہینہ ہے دست اور مروڑ ہیں کمزور ہو گئے ہیں بعض وقت ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ میں ڈرتا ہوں کہ غشی پڑ گئی۔ اور حاملہ کی غشی گویا موت ہے۔ دعا کرتا ہوں مجھے افسوس ہے کہ آپ کے گھر کے لوگوں کے لئے مجھے دعا کا موقع بھی نہ ملا۔ تاریں بہت بیوقت پہنچیں۔ اب میں یہ خط اس نیت سے لکھتا ہوں کہ آپ پہلے ہی بہت نحیف ہیں میں ڈرتا ہوں کہ بہت غم سے آپ بیمار نہ ہو جائیں اب اس وقت آپ بہادر بنیں اور استقامت دکھلائیں۔ ہم سب لوگ ایک دن نوبت بہ نوبت قبر میں جانے والے ہیں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ غم کو دل پر غالب نہ ہونے دیں میں تعزیت کے لئے آپ کے پاس آتا مگر میری بیوی کی ایسی حالت ہے کہ بعض وقت خطرناک حالت ہو جاتی ہے۔

خاکسار غلام احمد از قادیان ۸ نومبر ۱۸۹۸ء

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۹۵)

دوسرا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم۔
محبی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر اور استقامت بخشے اور اس مصیبت کا اجر عطا فرماوے۔ دنیا کی بلائیں ہمیشہ ناگہانی ہوتی ہیں۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو۔ آپ دوسری شادی کی تجویز کریں۔ میں ڈرتا ہوں کہ آپ کو اس صدمہ سے دل پر کوئی حادثہ نہ پہنچے۔ جہاں تک ممکن ہو کثرت غم سے پرہیز کریں۔ دنیا کی یہی رسم ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ یہی ہوتی آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس سے پیار کرتا ہے اسے کسی امتحان میں ڈالتا ہے اور جب وہ اپنے امتحان میں پورا نکلتا ہے تو اس کو دنیا اور آخرت میں اجر دیا جاتا ہے۔ ایک امر آپ کو اطلاع دینے لائق ہے کہ آج جو پیر کا دن ہے (یہ رات پیر کی جو گزری ہے۔ ناقل) اس میں غالباً تین بجے کے قریب آپ کی نسبت مجھے الہام ہوا۔ اور وہ یہ ہے۔ فَبِاَیِّ عَزِیْزٍ بَعْدَہٗ تَعْلَمُوْنَ۔ یہ اللہ جلشانہ کا کلام ہے۔ وہ آپ کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ اس حادثہ کے بعد اور کونسا بڑا حادثہ ہے جس سے تم عبرت پکڑو گے اور دنیا کی بے ثباتی کا تمہیں علم ہوگا۔

میاں بیوی کا رشتہ سب سے نرالا ہوتا ہے

درحقیقت اگرچہ بیٹے بھی پیارے ہوتے ہیں۔ بھائی اور بہنیں بھی عزیز ہوتی ہیں لیکن میاں بیوی کا علاقہ ایک الگ علاقہ ہے جس کے درمیان اسرار ہوتے ہیں۔ میاں بیوی ایک ہی بدن اور ایک ہی وجود ہو جاتے ہیں ان کو صدہا مرتبہ اتفاق ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی جگہ سوتے ہیں وہ ایک دوسرے کا عضو ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات ان میں ایک عشق کی سی محبت پیدا ہو جاتی ہے اس

محبت اور باہم انس پکڑنے کے زمانہ کو یاد کرکے کون دل ہے جو پر آب نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ تعلق ہے جو چند ہفتہ باہر رہ کر آخر فی الفور یاد آتا ہے۔ اسی تعلق کا خدا نے بار بار ذکر کیا ہے۔ کہ باہم محبت اور انس پکڑنے کا یہی تعلق ہے۔ بسا اوقات اس تعلق کی برکت سے دنیوی تلخیاں فراموش ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس تعلق کے محتاج تھے۔ جب سرور کائنات ﷺ بہت ہی غمگین ہوتے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہاتھ مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ ارحنا یا عائشہ یعنی اے عائشہ ہمیں خوش کر کہ ہم اس وقت غمگین ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ اپنی پیاری بیوی۔ پیارا رفیق اور انیس عزیز ہے جو اولاد کی ہمدردی میں شریک غالب اور غم کو دور کرنے والی اور خانہ داری کے معاملات کی متولّی ہوتی ہے جب وہ یک دفعہ دنیا سے گزر جاتی ہے تو کیسا صدمہ ہے اور کیسی تنہائی کی تاریکی چاروں طرف نظر آتی اور گھر ڈراؤنا معلوم ہوتا ہے۔ اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے سو اس الہام میں خداتعالیٰ نے یہی یاد دلایا ہے کہ اس صدمہ سے دین میں قدم آگے رکھو۔ نماز کے پابند اور سچے مسلمان بنو اگر ایسا کرو گے تو خدا جلد اس کا عوض دے گا۔ اور غم کو بھلا دے گا۔ وہ ہر ایک بات پر قادر ہے یہ الہام تھا اور پیغام تھا اس کے بعد آپ ایک تازہ نمونہ دینداری کا دکھلائیں۔ خدا برحق ہے اور اسکے حکم برحق۔ تقویٰ سے غموں کو دور کر دیتا ہے۔ والسلام ۔ خاکسار مرزا غلام احمد نومبر ۱۸۹۸ء

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۵۰۳)

اس تعزیت کے خط نے حضرت نواب صاحب کی حالت بدل دی اور واقعات بتلاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس تعزیت نامہ سے ایک زندگی کی روح پائی جو ان کو نیچے کی طرف نہیں بلکہ

اوپر کی طرف اٹھا کر لے گئی۔ اور اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو وہ شرف اور عزت دی جو دنیا میں کسی اور کے حصے نہیں آسکتی۔ اس امتحان کے بعد پھر انہوں نے حضرت کے منشا کے موافق دوسری شادی کی اور وہ خاتون نیک دل بھی خدا کی مشیت کے ماتحت اور بطور ایک نشان کے فوت ہوگئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہ سامان پیدا کیا جس نے ان کو دنیا میں ممتاز اور مختص کر دیا۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تعلقات صِہری قائم ہوئے۔ سیرت کے اس حصہ میں نواب صاحب کے فضائل پر بحث کرنا مقصود نہیں مگر میں واقعات کی اس شہادت کو مخفی نہیں رکھ سکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہدایات پر عمل کرنے کا یہ ثمرہ ہے اور الہام الٰہی پر ایمان لا کر صبر و رضا کے مراحل طے کر کے اس امتحان میں پورا اترنے کا یہ اجر ہے۔

خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب کی اہلیہ کلاں کی تعزیت

۲۲ جولائی ۱۹۰۵ء کو مکرمی خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب کی اہلیہ کلاں کی وفات کا ذکر آیا تو آپ نے جناب مفتی محمد صادق صاحب کو ارشاد فرمایا کہ

”ہماری طرف سے ان کو تعزیت نامہ لکھ دیں کہ صبر کریں موت فوت کا سلسلہ لگا ہوا ہے۔ صبر کے ساتھ اجر ہے۔ فرمایا قبولیت دعا حق ہے لیکن دعا نے موت فوت کے سلسلہ کو کبھی بند نہیں کیا۔ تمام انبیاء کے زمانہ میں یہی حال ہوتا رہا ہے۔ وہ لوگ بڑے نادان ہیں جو اپنے ایمان کو اس شرط سے مشروط کرتے ہیں کہ ہماری دعا قبول ہو اور ہماری خواہش پوری

ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن شریف میں آیا ہے۔

" وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذَالِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ یعنی بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایک کنارے پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ اگر اس کو بھلائی پہنچے تو اس کو اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر کوئی فتنہ پہنچے تو منہ پھیر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو دنیا اور آخرت کا نقصان ہے اور یہ نقصان ظاہر ہے۔"

فرمایا "صحابہ کے درمیان بھی بیوی بچوں والے تھے۔ اور سلسلہ بیماری اور موت فوت کا بھی ان کے درمیان جاری تھا۔ لیکن ان میں ہم کوئی ایسی شکایت نہیں سنتے۔ جیسے کہ اس زمانہ کے بعض نادان شکایت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ دنیا کی محبت کو طلاق دے چکے تھے وہ ہر وقت مرنے کے لئے تیار تھے۔ تو پھر بیوی بچوں کی ان کو کیا پرواہ تھی۔ وہ ایسے امور کے واسطے کبھی دعائیں نہ کراتے تھے۔ اور اسی واسطے ان میں کبھی ایسی شکائتیں بھی پیدا نہ ہوتی تھیں۔ وہ دین کی راہ میں اپنے آپ کو قربان کر چکے ہوئے تھے"۔

حضرت سیٹھ عبد الرحمان صاحب مدراسی کی بہو کی تعزیت

حضرت سیٹھ عبد الرحمان مدراسی سلسلہ کے ان مخلصین اور سابقون الاولون میں سے تھے جو حضرت اقدس کو بہت ہی عزیز تھے۔ جنہوں نے سلسلہ کی اعانت میں بڑی بڑی مالی قربانیاں کیں۔ اور بالآخر بڑے خطرناک مالی ابتلاؤں میں ڈالے گئے۔ مگر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت اور آپ کی دعاؤں نے آپ کے قلب کو مطمئن اور آپ کے ایمان کو زندہ ایمان بنا دیا تھا۔ یہ امر آپ کو ان مکتوبات سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو لکھے (یہ مجموعہ الحمد للہ ایڈیٹر الحکم نے چھاپ دیا ہے) انہی مالی ابتلاؤں کے درمیان ان کو یہ صدمہ بھی پیش آیا۔ کہ ان کے پیارے بیٹے سیٹھ احمد کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس موقعہ پر تعزیت کے دو خط سیٹھ صاحب کو لکھے۔ میں اس باب کو انہیں مکتوبات پر ختم کر دیتا ہوں۔

پہلا خط

مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہ۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

آج آپ کی تار کے ذریعہ یک دفعہ غم کی خبر یعنی واقعہ وفات عزیزی سیٹھ احمد صاحب کی بیوی کا سن کر دل کو بہت غم اور صدمہ پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دنیا کی ناپائداری اور بے ثباتی کا یہ نمونہ ہے کہ ابھی تھوڑے دن گذرے ہیں کہ عزیز موصوف کی اس شادی کا اہتمام ہوا تھا۔ اور آج وہ مرحومہ قبر میں ہے۔ جس قدر اس ناگہانی واقعہ سے آپ کو اور سب عزیزوں کو صدمہ پہنچا ہو گا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے اور نعم البدل عطا کرے اور عزیزی سیٹھ احمد صاحب کی عمر لمبی کرے آمین ثم آمین۔ اس خبر کے پہنچنے پر ظہر کی نماز میں جنازہ پڑھا گیا اور نماز میں مرحومہ کی مغفرت کے لئے بہت دعا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس غم اور صدمہ کی عوض میں بہت خوشی پہنچاوے آمین باقی تادم تحریر خیرت ہے۔

والسلام خاکسار مرزا غلام احمد ۱۳۔ اگست ۱۸۹۹ء۔

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۲۹)

دوسرا خط

مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہ۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

عنایت نامہ پہنچا۔ مجھ کو سخت افسوس ہے جس کو میں بھول نہیں سکتا کہ مجھ کو قبل اس حادثہ وفات کے وقت اس کامل دعا کا موقعہ نہیں ملا جو اکثر کرشمہ قدرت دکھلاتی ہے۔ میں دعا کرتا رہا۔ مگر وہ اضطراب جو سینہ میں ایک جلن پیدا کرتی ہے اور دل کو بے چین کر دیتی ہے وہ اس لئے کامل طور پر پیدا نہ ہوئی کہ آپ کے عنایت نامجات جو حال میں آئے تھے یہ فقرہ بھی درج ہوتا رہا کہ۔ اب کسی قدر آرام ہے۔ اور آخری خط آپ کا جو نہایت اضطراب سے بھرا ہوا تھا اس تار کے بعد آیا۔ جس میں وفات کی خبر تھی۔ اس خانہ ویرانی سے جو دوبارہ وقوع میں آگئی رنج اور درد غم تو بہت ہے نہ معلوم آپ پر کیا کیا قلق اور رنج گذرا ہوگا۔ لیکن خداوند کریم و رحیم کی اس میں کوئی بڑی حکمت ہوگی۔ یہ بیماری طبیبوں کے نزدیک متعدی بھی ہوتی ہے اور اس گھر میں جو ایسی بیماری ہو سب کو خطرہ ہوتا ہے۔ اور خاوند کے لئے سب سے زیادہ۔ سو شاید ایک یہ بھی حکمت ہو۔ خداوند تعالیٰ عزیزی سیٹھ احمد کی عمر دراز کرے۔ اور اس کے عوض میں بہتر صورت عطا فرمائے یہ ضروری ہے کہ آپ اس غم کو حد سے زیادہ دل پر نہ ڈالیں کہ ہر ایک مصیبت کا اجر ہے۔ اور مناسب ہے کہ اب کی دفعہ ایسے خاندان سے رشتہ نہ کریں جن میں یہ بیماری ہے۔ نیز جو آپ نے اپنے لئے تحریک کی تھی اس تحریک میں سست نہ ہوں۔ خدا تعالیٰ پر توکل کر کے ہر ایک کام درست ہو جاتا ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔

کتاب تریاق القلوب چھپ رہی ہے انشاء اللہ القدیر دو تین ہفتہ تک چھپ جائے گی باقی خیریت ہے والسلام خاکسار مرزا غلام احمد ۲۶ ستمبر ۱۸۹۹ء[1]

[1] (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول صفحہ ۲۹)

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام عیادت اور تعزیت کے لئے ہمیشہ مسنون طریق اختیار کرتے اور ان لوگوں کو ایسے طور پر تسلی اور حوصلہ دلاتے۔ کہ اس وقت وہ ہم و غم ان کے دل سے ضرور کافور ہو جاتا۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کے قلب مطمئن سے وہ بات نکلا کرتی تھی۔ اور اس میں سچی ہمدردی اور حقیقی غم گساری کی روح ہوتی تھی۔ تکلف اور دنیا سازی نہیں ہوتی تھی۔

لوگ عیادت یا تعزیت ایک رسم کے طور پر کرتے ہیں۔ یا اس کو ایک قسم کا اخلاقی تبادلہ سمجھتے ہیں۔ کہ فلاں شخص میری عیادت کے لئے آیا تھا۔ اس لئے مجھے بھی جانا چاہئے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محض ان کے شفقت علی خلق اللہ کے اصول پر اور نصح کے رنگ میں اس خُلق عظیم کا ظہور ہوتا تھا اور یہی رنگ ہمارے عملی نقطہ نگاہ میں مدنظر رہنا ضروری ہے۔

صبر اور رضا بالقضا

یہ نہایت عالی مقام ہے جو ہر شخص کو میسر نہیں آتا۔ صبر بظاہر تو ایک نیچرل اور طبعی امر ہے جو انسان کو ان مصیبتوں اور دکھوں اور بیماریوں پر کرنا پڑتا ہے جو اس پر ہمیشہ پڑتے رہتے ہیں اور انسان بہت سے سیاپے اور جزع فزع کے بعد صبر اختیار کرتا ہے مگر یہ صبر کوئی اخلاق میں داخل نہیں اور نہ انسان کے اخلاقی کمال کا ثبوت اور نہ کسی نیکی کے رنگ میں اجر کا موجب ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ ایک طاقت ہے جو تھک جانے کے بعد ضرور تاً خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ انسان یہ قدرت اور قوت نہیں رکھتا کہ ایک طویل زمانہ تک اس مصیبت پر ماتم کرتا رہے۔ بلکہ طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے۔ کہ مصیبت کے ظاہر ہونے کے وقت روتا چیختا۔ سر پیٹتا ہے۔ آخر بہت سا بخار نکال کر جوش تھم جاتا ہے اور انتہا تک پہنچ کر پیچھے ہٹتا ہے پس یہ طبعی حرکت ہے۔ اخلاق سے اس کو کچھ تعلق نہیں بلکہ اس کے متعلق خُلق یہ

ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے تو اس چیز کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھ کر کوئی شکایت منہ پر نہ لاوے اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خدا نے لے لیا۔ اور ہم اس کی رضا کے ساتھ راضی ہیں۔

یہ ابتلا اور مصائب کبھی خوف کے رنگ میں کبھی بھوک کے رنگ میں کبھی نقصان مال و جان اور کبھی نقصان ثمرات و نتائج کی صورت آتے ہیں جن میں اولاد کی اموات بھی ہوتے ہیں۔ پس اگر ان ابتلاؤں میں اس کی زندگی ایک مومن اور وفادار مومن کی ہے اور وہ صابر اور رضا بالقضا کے مقام پر کھڑا ہے تو قابل عزت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر قسم کے ابتلا اور مشکلات آئے مگر ان مصائب اور مشکلات نے آپ کے صبر اور رضا بالقضا کے مقام سے نیچے کو جنبش نہیں دی۔ پہاڑ کی طرح آپ اپنے مقام پر کھڑے رہے۔ بلکہ آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔ میں واقعات سے دکھاتا ہوں کہ آپ نے اپنے اخلاق کے اعجازی نمونے اس شعبہ اخلاق میں کس طرح دکھائے۔

صاجزادی عصمت کی وفات

حضرت کی نسل سیدہ (حضرت ام المومنین نصرت جہاں بیگم صاحبہ) میں سب سے پہلی اولاد عصمت تھی۔ یہ وہ لڑکی تھی جس کی پیدائش پر دشمنوں نے بہت شور مچایا تھا کہ بیٹے کی بشارت تھی لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کی پیدائش اور وفات دونوں ایک قسم کے ابتلا تھے۔ پیدائش پر مخالفین نے قسم قسم کے دکھ دینے والے اشتہار دئے استہزا اور ٹھٹھا کیا گیا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی سنت کو جانتے تھے کہ خدا کے پیاروں پر ہنسی کی جاتی تھی۔ آپ خدا تعالیٰ کی بشارت فرزند پر ایمان رکھتے تھے۔ اور اس وقت بھی اعلان کرتے تھے کہ ضرور بیٹا ہوگا۔ یہ تو الہام میں نہیں تھا کہ ابھی ہوگا یا اس حمل سے ہوگا۔ بہرحال اس شماتت و استہزا میں بھی اپنے مولیٰ کریم سے اسی طرح خوش تھے۔ آخر وہ لڑکی لودھانہ میں بیمار ہوئی اور اسے ہیضہ ہوگیا۔ آپ اس کے علاج میں اس قدر مصروف تھے کہ ایک سرسری دیکھنے والا

گمان کرے کہ آپ سے زیادہ اولاد کی محبت کسی کو نہ ہوگی اور بیماری میں اس قدر توجہ کرتے ہیں اور تیمارداری اور علاج میں اس قدر محو ہوتے ہیں کہ گویا کوئی اور فکر ہی نہیں۔ مگر باریک بین دیکھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور خدا کے لئے اس کی ضعیف مخلوق کی پرورش اور رعایت مدنظر ہے۔ غرض عصمت کے بیمار ہونے پر آپ اس کے علاج میں یوں دوا کرتے کہ گویا اس کے بغیر زندگی محال ہے اور ایک دنیا دار دنیا کی عرف و اصطلاح میں اولاد کا بھوکا اور شیفتہ اس سے زیادہ جانکاہی نہیں کر سکتا۔ مگر جب وہ مرگئی آپ یوں الگ ہو گئے کہ گویا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اور جب سے کبھی ذکر تک نہیں کیا کہ کوئی لڑکی تھی۔ یہ مصالحت اور مسالمت خدا کی قضا و قدر سے بجز منجاب اللہ لوگوں کے اور سے ممکن نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صاجزادی عصمت کی وفات سے جہاں تک بشریت کا تعلق ہے گو نہ صدمہ ہوا جو اسی حد تک تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی مقادیر سے کامل صلح اور مسالمت تھی اور آپ خدا کے اس فعل پر خوش و خرم تھے۔ آپ کی خوشی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پہلے سے صاجزادی مرحومہ کے متعلق آپ کو الہام بھی ہو گیا تھا۔

" كَرْمُ الْجَنَّةِ وَ دَوْحَةُ الْجَنَّةِ " جس کی تفہیم یہ تھی کہ وہ زندہ نہیں رہے گی۔ خدا تعالیٰ اپنے مخلص اور برگزیدہ بندوں کو قبل از وقت ایک واقعہ سے مطلع کر دیتا ہے۔ اور یہ اس کا فضل ہوتا ہے تاکہ وہ اس کے لئے تیار ہو جائیں۔

واقعہ بشیر اول

جس طرح عصمت کی پیدائش اور موت پر حضرت مسیح موعود کو ایک ابتلا سے گزرنا پڑا اور آپ نے اپنے ثبات قدم اور صدق و وفا کا ایک کامل نمونہ دکھایا اس طرح پر بشیر اول کی وفات پر تو وہ طوفان بے تمیزی پیدا ہوا کہ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا اور خدا کی تائید اور اس کی نصرت اس کے ساتھ نہ ہوتی اور خدا کی مقادیر سے کامل صلح نہ ہوتی اور اس پر کامل اور زندہ ایمان نہ ہوتا تو شاید خودکشی کر لیتا۔ ہر طرف سے مخالفت کا ایک طوفان برپا کیا گیا اور کثرت سے اشتہارات اور خطوط مخالفوں نے شائع کئے۔ مجھ کو یہاں ان تمام حالات

کا ذکر کرنا مقصود نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک مصلح موعود کی بشارت دی تھی۔ اس عظیم الشان مولود کے متعلق حضرت اقدس منتظر تھے۔ اعلان کے بعد عصمت پیدا ہوئی اور اس پر ایک طوفان بے تمیزی برپا ہوا۔ حضرت اقدس کے پائے ثبات کو اس سے کوئی تزلزل نہیں ہوا۔ یہ امر اس اشتہار سے بخوبی ظاہر ہے جو اشتہار 'محک اخیار و اشرار' کے عنوان سے ریاض ہند پریس امرتسر میں چھپوا کر شائع کیا چنانچہ آپ اس میں لکھتے ہیں۔

"ہم نے الفت میں تری بار اٹھایا کیا کیا
تجھ کو دکھلا کے فلک نے ہے دکھایا کیا کیا

"ہر ایک مومن اور پاک باطن اپنے ذاتی تجربہ سے اس بات کا گواہ ہے کہ جو لوگ صدق دل سے اپنے مولیٰ کریم جلشانہ سے کامل وفاداری اختیار کرتے ہیں وہ اپنے ایمان اور صبر کے اندازہ پر مصیبتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ اور سخت سخت آزمائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو بدباطن لوگوں سے بہت کچھ رنج دہ باتیں سننی پڑتی ہیں اور انواع و اقسام کے مصائب و شدائد کو اٹھانا پڑتا ہے اور نااہل لوگ طرح طرح کے منصوبے اور رنگا رنگ کے بہتان ان کے حق میں باندھتے ہیں اور ان کو نابود کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں یہی عادت اللہ ان لوگوں سے جاری ہے جن پر اس کی نظر عنایت ہے۔ غرض جو اس کی نگاہ میں راست باز اور صادق ہیں۔ وہ ہمیشہ جاہلوں کی زبان اور ہاتھ سے تکلیفیں اٹھاتے چلے آئے ہیں۔ سو چونکہ سنت اللہ قدیم سے یہی ہے اس لئے اگر ہم بھی خویش و بیگانہ سے کچھ آزار اٹھائیں تو ہمیں شکر بجالانا چاہئے۔ اور خوش ہونا چاہئے کہ ہم اس محبوب حقیقی کی نظر میں اس لائق تو ٹھہرے کہ اس کی راہ میں دکھ دئے جائیں اور ستائے جائیں"۔

اس اشتہار سے جہاں یہ ظاہر ہے کہ اس وقت کس قدر سب و شتم اور ہنسی ٹھٹھا

کیا گیا وہاں یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ خدا کی مقادیر سے کس قدر صلح رکھتے تھے۔ اور کس قدر رضا بالقضا کے عامل تھے۔

غرض صاحبزادی عصمت کی پیدائش پر مخالفین نے شور مچایا اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ وہ بھی فوت ہو گئی۔ اس کے بعد اس بشارت موعودہ کے زیر نظر جب بشیر اول پیدا ہوا تو اجتہادی طور پر حضرت اقدس نے اس بشیر کو موعود خیال کرنا چاہا۔ مگر خود پیشگوئی میں جو الفاظ تھے وہ اس کی موت پر دلالت کرتے تھے۔ چنانچہ اس وعدہ الٰہی کے ماتحت بشیر اول بھی فوت ہو گیا۔ بشیر اول ۷ اگست ۱۸۸۷ء کی رات کو ڈیڑھ بجے کے قریب پیدا ہوا تھا اور ۴؍ نومبر ۱۸۸۸ء کو بروز یک شنبہ اپنی عمر کے سولہویں مہینے بوقت صبح فوت ہو گیا۔ بشیر اول کے عقیقہ کی تقریب پر بہت سے دوست آئے تھے اور اس کی پیدائش پر ایک اشتہار بعنوان خوشخبری شائع ہوا تھا۔ لیکن جب اس قدر اعلان و اشتہار اس کے متعلق ہو چکا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت اور مشیت سے بشیر اول کو بلا لیا۔ بشیر اول کی وفات والدین کے لئے بیٹے کے داغ کی حیثیت سے ہی بڑا صدمہ نہ تھا بلکہ سب سے بڑا دکھ اور تکلیف اور ہمت آزما ابتلا یہ تھا کہ مخالفین نے ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔ عیسائیوں۔ آریوں اور مخالف الرائے مسلمانوں نے اس پر شور مچایا اور مختلف قسم کے اشتہار شائع کئے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے اس پر جو "حقانی تقریر" شائع کی ہے اس میں ابتدا" لکھا ہے کہ

> "عجیب طور کا شور و غوغا خام خیال لوگوں میں اٹھا اور رنگا رنگ کی باتیں خویشوں وغیرہ نے کیں اور طرح طرح کی نافہمی اور کج دلی کی رائیں ظاہر کی گئیں۔ مخالفین مذہب جن کا شیوہ بات بات میں خیانت و افترا ہے انہوں نے اس بچے کی وفات پر انواع و اقسام کی افترا گھڑنی شروع کی"

(روحانی خزائن جلد نمبر ۲ صفحہ ۴۴۷)

اگر ان اشتہارات کے بعض حصے میں یہاں درج کروں تو ہر شخص کا حوصلہ نہیں کہ ان کو سن بھی سکے۔ مگر حضرت مسیح موعود کے حوصلہ اور رضا بالقضا کے نمونہ کو

دیکھو کہ آپ نہ صرف خود آرام یافتہ اور تسلی یافتہ قلب رکھتے ہیں بلکہ وہ لوگ جو آپ سے تعلق اور ارادت رکھتے تھے ان کو بھی اس موقع پر معرفت کے پانی سے سیراب کرتے ہیں۔ "حقانی تقریر" جو اس موقعہ پر آپ نے شائع کی وہ دیکھنے کے قابل ہے۔ اس میں حقانی علوم اور معرفت کے دریا بہا دئے ہیں۔ کیا کوئی پریشان خاطر صدمہ رسیدہ دل ایسے موقعہ پر ربانی معرفت کے چشمہ کو جاری کر سکتا ہے۔

آزردہ دل آزردہ کند انجمنے را

ایک صحیح مقولہ ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی مجلس میں دیکھا ہے کہ کیسا ہی غمزدہ ہو آپ کے پاس بیٹھ کر تسلی اور اطمینان پاتا تھا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ آپ کو ایک مطمئن قلب اور معرفت کی مسرت وانبساط سے معمور دل دیا گیا تھا۔ جو اطمینان اور سکینت کی لہریں ہر طرف بجلی کی لہروں کی طرح پھیلا رہا تھا۔

بشیر اول کی وفات پر آپ نے حضرت حکیم الامت کو ایک لمبا خط لکھا اس میں تحریر فرمایا کہ

"اس جگہ یہ بھی تحریر کے لائق ہے کہ اس کی موت سے اللہ جلشانہ نے پہلے اس عاجز کو پوری بصیرت بخش دی تھی کہ یہ لڑکا اپنا کام کر چکا ہے اور اب فوت ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اس کی موت نے اس عاجز کی قوت ایمانی کو بہت ترقی دی اور قدم آگے بڑھایا"۔

اور اسی اشتہار میں آپ نے بیعت لینے کا اعلان کیا۔ غور کرو کہ ایک طرف مخالفین نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے اور اعتراضوں کی بھرمار اور بوچھاڑ ہو رہی ہے اور آپ بیعت کے لئے لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں؟

اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا اور آپ خدا کے بلائے نہ بولتے اور بشیر اول کی وفات آپ کی ایمانی اور عرفانی ترقیات کا موجب نہ ہوتی تو ایسی حالت میں کوئی دنیادار مدبر کبھی بھی اس قسم کا اشتہار بیعت کے لئے جاری نہ کرتا۔

یہ حالات کیا ظاہر کرتے ہیں یہ کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر ابتلا اور

آزمائش کے وقت خوشی ہوتی اور آپ شرح صدر سے رضا بالقضا کا ایک مکمل نمونہ ہوتے تھے۔

میں اس موقع پر "حقانی تقریر" کا مندرجہ ذیل اقتباس دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ آپ کی معرفت اور بصیرت کی ترقی اور آپ کے علوم میں ازدیاد اور آپ کے قلب مطمئن کی ایک تفسیر اور تصویر ہے۔

"یہ بھی نہیں سمجھنا چاہئے کہ کسی اجتہادی غلطی سے ربانی پیش گوئیوں کی شان و شوکت میں فرق آجاتا ہے یا وہ نوع انسان کے لئے چنداں مفید نہیں رہتیں یا وہ دین اور دینداروں کے گروہ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ اجتہادی غلطی اگر ہو بھی تو محض درمیانی اوقات میں بطور ابتلا کے وارد ہوتی ہے اور پھر اس قدر کثرت سے سچائی کے نور ظہور پذیر ہوتے ہیں اور تائیدات الٰہیہ اپنے جلوے دکھاتے ہیں کہ گویا ایک دن چڑھ جاتا ہے اور مخاصمین کے سب جھگڑے ان سے انفصال پا جاتے ہیں لیکن اس روز روشن کے ظہور سے پہلے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرستادوں پر سخت آزمائشیں وارد ہوں اور ان کے پیرو اور تابعین بھی بخوبی جانچے اور آزمائے جائیں تا خدا تعالیٰ سچوں اور کچوں اور ثابت قدموں اور بزدلوں میں فرق کر کے دکھلا دیوے۔

عشق اول سرکش و خونی بود -:- تا گریزد ہر کہ بیرونی بُود

ابتلاء جو اوائل حال میں انبیاء اور اولیا پر نازل ہوتا ہے اور باوجود عزیز ہونے کے ذلت کی صورت میں ان کو ظاہر کرتا ہے اور باوجود مقبول ہونے کے کچھ مردود سے کر کے ان کو دکھاتا ہے یہ ابتلاء اس لئے نازل نہیں ہوتا کہ ان کو ذلیل اور خوار اور تباہ کرے یا صفحہ عالم سے ان کا نام و نشان مٹا دیوے کیونکہ یہ تو ہرگز ممکن ہی نہیں کہ خداوند عزوجل اپنے پیار کرنے والوں سے دشمنی کرنے لگے اور اپنے سچے اور وفادار عاشقوں

کو ذلت کے ساتھ ہلاک کر ڈالے بلکہ حقیقت میں وہ ابتلا کہ جو شیر ببر کی طرح اور سخت تاریکی کی مانند نازل ہوتا ہے اس لئے نازل ہوتا ہے کہ تا اس برگزیدہ قوم کو قبولیت کے بلند مینار تک پہنچادے اور الٰہی معارف کے باریک دقیقے ان کو سکھادے یہی سنت اللہ ہے جو قدیم سے خدائے تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ استعمال کرتا چلا آیا ہے۔ زبور میں حضرت داؤد کی ابتلائی حالت میں عاجزانہ نعرے اس سنت کو ظاہر کرتے ہیں اور انجیل میں آزمائش کے وقت میں حضرت مسیح کی غریبانہ تضرعات اسی عادت اللہ پر دال ہیں اور قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں جناب فخر الرسل کی عبودیت سے ملی ہوئی ابتہالات اسی قانون قدرت کی تصریح کرتے ہیں ☆ اگر یہ ابتلاء درمیان میں نہ ہوتا تو انبیاء اور اولیاء ان مدارج عالیہ کو ہرگز نہ پاسکتے کہ جو ابتلاء کی برکت سے انہوں نے پالئے۔ ابتلاء نے ان کی کامل وفاداری اور مستقل ارادے اور جانفشانی کی عادت

☆ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے جو انہوں نے ابتلائی حالت میں کیں ایک یہ ہے اے خدا تو مجھ کو بچالے کہ پانی میری جان تک پہنچے ہیں۔ میں گہری کیچ میں دھس چلا جہاں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں۔ میں چلاتے چلاتے تھک گیا میری آنکھیں دھندلا گئیں۔ وہ جو بے سبب میرا کینہ رکھتے ہیں شمار میں میرے سر کے بالوں سے زیادہ ہیں اے خداوند رب الافواج وہ جو تیرا انتظار کرتے ہیں میرے لئے شرمندہ نہ ہوں وہ جو تجھ کو ڈھونڈھتے ہیں وہ میرے لئے ندامت نہ اٹھائیں وے پھاٹک پر بیٹھے ہوئے میری بابت بکتے ہیں اور نشے باز میرے حق میں گاتے ہیں تو میری ملامت کشی اور میری رسوائی اور میری بے حرمتی سے آگاہ ہے میں نے تاکا کہ کیا کوئی میرا ہمدرد ہے کوئی نہیں۔ (دیکھو زبور ۶۹) ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے ابتلاء کی رات میں جس قدر تضرعات کئے وہ انجیل سے ظاہر ہیں تمام رات حضرت مسیح جاگتے رہے اور جیسے کسی کی جان ٹوٹتی ہے غم و اندوہ سے ایسی حالت ان پر طاری تھی وہ ساری رات رو رو کر دعا کرتے رہے۔ کہ تا وہ بلا کا پیالہ کہ جو ان کے لئے مقدر تھا ٹل جائے پر باوجود اس قدر گریہ و زاری کے پھر بھی دعا منظور نہ ہوئی کیونکہ ابتلاء کے وقت کی دعا منظور نہیں ہوا کرتی پھر دیکھنا چاہئے کہ سیدنا و مولانا حضرت فخر الرسل و خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ نے ابتلاء کی حالت میں کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں اور ایک دعا میں مناجات کی کہ اے میرے رب میں اپنی کمزوری کی تیری جناب میں شکایت کرتا ہوں اور اپنی بے چارگی کا تیرے آستانہ پر گلہ گذار ہوں میری ذلت تیری نظر سے پوشیدہ نہیں جس قدر چاہے سختی کر کہ میں راضی ہوں جب تک تو راضی ہو جائے مجھ میں بجز تیرے کچھ قوت نہیں۔ منہ۔

پر مہر لگادی اور ثابت کر دکھایا کہ وہ آزمائش کے زلازل کے وقت کس اعلیٰ درجہ کا استقلال رکھتے ہیں اور کیسے سچے وفادار اور عاشق صادق ہیں کہ ان پر آندھیاں چلیں اور سخت سخت تاریکیاں آئیں اور بڑے بڑے زلزلے ان پر وارد ہوئے اور وہ ذلیل کئے گئے اور جھوٹوں اور مکاروں اور بے عزتوں میں شمار کئے گئے اور اکیلے اور تنہا چھوڑے گئے یہاں تک کہ ربّانی مددوں نے بھی جن کا ان کو بڑا بھروسہ تھا کچھ مدت تک منہ چھپا لیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی مربیانہ عادت کو بہ یکبارگی کچھ ایسا بدل دیا کہ جیسے کوئی سخت ناراض ہوتا ہے اور ایسا انہیں تنگی و تکلیف میں چھوڑ دیا کہ گویا وہ سخت مورد غضب ہیں اور اپنے تئیں ایسا خشک سا دکھلایا کہ گویا وہ ان پر ذرا مہربان نہیں بلکہ ان کے دشمنوں پر مہربان ہے اور ان کے ابتلاؤں کا سلسلہ بہت طول کھینچ گیا۔ ایک کے ختم ہونے پر دوسرا اور دوسرے کے ختم ہونے پر تیسرا ابتلاء نازل ہوا۔ غرض جیسے بارش سخت تاریک رات میں نہایت شدت و سختی سے نازل ہوتی ہے ایسا ہی آزمائشوں کی بارشیں ان پر ہوئیں پر وہ اپنے پکے اور مضبوط ارادہ سے باز نہ آئے اور سست اور شکستہ دل نہ ہوئے بلکہ جتنا مصائب و شدائد کا بار ان پر پڑتا گیا اتنا ہی انہوں نے آگے قدم بڑھایا اور جس قدر وہ توڑے گئے اسی قدر وہ مضبوط ہوتے گئے اور جس قدر انہیں مشکلات راہ کا خوف دلایا گیا اسی قدر ان کی ہمت بلند اور شجاعت ذاتی جوش میں آتی گئی۔ بالآخر وہ ان تمام امتحانات سے اول درجہ کے پاس یافتہ ہو کر نکلے اور اپنے کامل صدق کی برکت سے پورے طور پر کامیاب ہو گئے اور عزت اور حرمت کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور تمام اعتراضات نادانوں کے ایسے حباب کی طرح معدوم ہو گئے کہ گویا وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ غرض انبیاء و اولیاء ابتلاء سے خالی نہیں ہوتے بلکہ سب سے بڑھ کر انہیں پر ابتلاء نازل

ہوتے ہیں اور انہیں کی قوت ایمانی ان آزمائشوں کی برداشت بھی کرتی ہے۔ عوام الناس جیسے خدا تعالیٰ کو شناخت نہیں کر سکتے ویسے اس کے خالص بندوں کی شناخت سے بھی قاصر ہیں بالخصوص ان محبوبان الٰہی کی آزمائش کے وقتوں میں تو عوام الناس بڑے بڑے دھوکوں میں پڑ جاتے ہیں گویا ڈوب ہی جاتے ہیں۔ اور اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ ان کے انجام سے منتظر رہیں۔ عوام کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ جلشانہ جس پودے کو اپنے ہاتھ سے لگاتا ہے اس کی شاخ تراشی اس غرض سے نہیں کرتا کہ اس کو نابود کر دیوے۔ بلکہ اس غرض سے کرتا ہے کہ تا وہ پودا پھول اور پھل زیادہ لاوے اور اس کے برگ اور بار میں برکت ہو۔ پس خلاصہ کلام یہ کہ انبیا اور اولیا کی تربیت باطنی اور تکمیل روحانی کے لئے ابتلاء کا ان پر وارد ہونا ضروریات سے ہے۔ اور ابتلاء اس قوم کے لئے ایسا لازم حال ہے کہ گویا ان ربانی سپاہیوں کی ایک روحانی وردی ہے جس سے یہ شناخت کئے جاتے ہیں اور جس شخص کو اس سنت کے برخلاف کوئی کامیابی ہو وہ استدراج ہے نہ کامیابی۔ اور نیز یاد رکھنا چاہئے کہ یہ نہایت درجہ کی بدقسمتی و ناسعادتی ہے کہ انسان جلد تر بدظنی کی طرف جھک جائے اور یہ اصول قرار دے دیوے کہ دنیا میں جس قدر خدا تعالیٰ کی راہ کے مدعی ہیں وہ سب مکّار اور فریبی اور دکاندار ہی ہیں۔ کیونکہ ایسے ردّی اعتقاد سے رفتہ رفتہ وجود ولایت میں شک پڑے گا۔ اور پھر ولایت سے انکاری ہونے کے بعد نبوت کے منصب میں کچھ کچھ ترددات پیدا ہو جاویں گے۔ اور پھر نبوت سے منکر ہونے کے پیچھے خدا تعالیٰ کے وجود میں کچھ دغدغہ اور خلجان پیدا ہو کر یہ دھوکہ دل میں شروع ہو جائے گا کہ شاید یہ ساری بات ہی بناوٹی اور بے اصل ہے اور شاید یہ سب اوہام باطلہ ہی ہیں کہ جو لوگوں کے دلوں میں جمتے ہوئے چلے آئے ہیں سوائے سچائی کے ساتھ بجان

ودل پیار کرنے والو! اور صداقت کے بھوکو اور پیاسو یقیناً سمجھو کہ ایمان کو اس آشوب خانہ سے سلامت لے جانے کے لئے ولایت اور اس کے لوازم کا یقین نہایت ضروریات سے ہے ولایت نبوت کے اعتقاد کی پناہ ہے اور نبوت اقرار وجود باری تعالیٰ کے لئے پناہ۔ پس اولیاء انبیاء کے وجود کے لئے میخوں کی مانند ہیں اور انبیاء خدا تعالیٰ کا وجود قائم کرنے کے لئے نہایت مستحکم کیلوں کے مشابہ ہیں سو جس شخص کو کسی ولی کے وجود پر مشاہدہ کے طور پر معرفت حاصل نہیں اس کی نظر نبی کی معرفت سے بھی قاصر ہے اور جس کو نبی کی کامل معرفت نہیں وہ خدا تعالیٰ کی کامل معرفت سے بھی بے بہرہ ہے اور ایک دن ضرور ٹھوکر کھائے گا اور سخت ٹھوکر کھائے گا اور مجرد دلائل عقلیہ اور علوم رسمیہ کسی کام نہیں آئیں گی۔

اب ہم فائدہ عام کے لئے یہ بھی لکھنا مناسب سمجھتے ہیں کہ بشیر احمد کی موت ناگہانی طور پر نہیں ہوئی بلکہ اللہ جلشانہ نے اس کی وفات سے پہلے اس عاجز کو اپنے الہامات کے ذریعہ سے پوری پوری بصیرت بخش دی تھی کہ یہ لڑکا اپنا کام کر چکا ہے ☆ اور اب فوت ہو جاوے گا بلکہ جو الہامات

☆ خدا تعالیٰ کی انزال رحمت اور روحانی برکت کے بخشنے کے لئے بڑے عظیم الشان دو طریقے ہیں۔(۱) اول یہ کہ کوئی مصیبت اور غم واندوہ نازل کر کے صبر کرنے والوں پر بخشش اور رحمت کے دروازے کھولے جیساکہ اس نے خود فرمایا ہے وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ الجزو نمبر ۲ یعنی ہمارا یہی قانون قدرت ہے کہ ہم مومنوں پر طرح طرح کی مصیبتیں ڈالا کرتے ہیں اور صبر کرنے والوں پر ہماری رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور کامیابی کی راہیں انہیں پر کھولی جاتی ہیں جو صبر کرتے ہیں۔(۲) دوسرا طریق انزال رحمت کا ارسال مرسلین ونبیین و آئمہ واولیاء وخلفاء ہے تا ان کی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہ راست پر آجائیں اور ان کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پاجائیں سو خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔ پس اول اس نے قسم اول کے انزال رحمت کے لئے بشیر کو بھیجا تا بشر الصابرین کا سامان مومنوں کے لئے طیار کر کے اپنی بشریت کا مفہوم پورا کرے سو وہ ہزاروں مومنوں کے لئے جو اس کی موت کے غم میں محض للہ شریک ہوئے بطور فرط کے ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کا شفیع ٹھہر گیا اور اندر ہی اندر بہت سی برکتیں ان کو پہنچا گیا اور یہ بات کھلی کھلی الہام الٰہی نے ظاہر کر دی کہ بشیر جو فوت ہو گیا ہے وہ بے فائدہ نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کی موت ان سب لوگوں کی زندگی کا موجب ہوگی جنہوں نے محض للہ اس کی موت سے غم کیا اور اس ابتلاء کی برداشت کر گئے کہ جو اس کی موت سے ظہور میں آیا غرض بشیر ہزاروں صابرین وصادقین کے لئے

اس پسر متوفیٰ کی پیدائش کے دن میں ہوئے تھے ان سے بھی اجمالی طور پر اس کی وفات کی نسبت بو آتی تھی اور مترشح ہوتا تھا کہ وہ خلق اللہ کے لئے ایک ابتلاء عظیم کا موجب ہوگا جیسا کہ یہ الہام اِنَّآ اَرْسَلْنَاہُ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْہِ ظُلُمَاتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ کُلُّ شَیْئٍ تَحْتَ قَدَمَیْہِ یعنی ہم نے اس بچہ کو شاہد اور مبشر اور نذیر ہونے کی حالت میں بھیجا ہے اور یہ اس بڑے مینہ کی مانند ہے جس میں طرح طرح کی تاریکیاں ہوں اور رعد اور برق بھی ہو یہ سب چیزیں اس کے دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔ یعنی اس کے قدم اٹھانے کے بعد جو اس کی موت سے مراد ہے ظہور میں آجائیں گی۔ سو تاریکیوں سے مراد آزمائش اور ابتلاء کی تاریکیاں تھیں جو لوگوں کو اس کی موت سے پیش آئیں اور ایسے سخت ابتلاء میں پڑ گئے جو ظلمات کی طرح تھا اور آیت کریمہ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْھِمْ قَامُوْا کے مصداق ہو گئے اور الہامی عبارت میں جیسا کہ ظلمت کے بعد رعد اور روشنی کا ذکر ہے یعنی جیسا کہ اس عبارت کی ترتیب بیانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ پسر متوفیٰ کے قدم اٹھانے کے بعد پہلی ظلمت آئے گی اور پھر رعد اور برق اسی ترتیب کے رو سے اس پیش گوئی کا پورا ہونا شروع ہوا یعنی پہلے بشیر کی موت کی وجہ سے ابتلاء کی ظلمت وارد ہوئی اور پھر اسکے بعد رعد اور روشنی ظاہر ہونے والی ہے اور

بقیہ حاشیہ: ایک شفیع کی طرح پیدا ہوا تھا اور اس پاک آنے والے اور پاک جانے والے کی موت ان سب مومنوں کے گناہوں کا کفارہ ہوگی۔ اور دوسری قسم رحمت کی جو ابھی ہم نے بیان کی ہے اس کی تکمیل کے لئے خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا۔ جیسا کہ بشیر اول کی موت سے پہلے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں اس کے بارے میں پیشگوئی کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہے وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہوگا یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا کہ ۲۰۔ فروری ۱۸۸۶ء کی پیش گوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے پہلے بشیر کی نسبت پیش گوئی ہے کہ جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا اور اس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے۔ منہ

جس طرح ظلمت ظہور میں آگئی اسی طرح یقیناً جاننا چاہئے کہ کسی دن وہ رعد اور روشنی بھی ظہور میں آجائے گی جس کا وعدہ دیا گیا ہے۔ جب وہ روشنی آئے گی تو ظلمت کے خیالات کو بالکل سینوں اور دلوں سے مٹادے گی۔ اور جو جو اعتراضات غافلوں اور مردہ دلوں کے منہ سے نکلے ہیں ان کو نابود اور ناپدید کر دے گی۔ یہ الہام جو ابھی ہم نے لکھا ہے ابتدا سے صدہا لوگوں کو بہ تفصیل سنا دیا گیا تھا۔ چنانچہ منجملہ سامعین کے مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی بھی ہیں اور کئی اور جلیل القدر آدمی بھی۔ اب اگر ہمارے موافقین و مخالفین اسی الہام کے مضمون پر غور کریں اور دقّت نظر سے دیکھیں تو یہی ظاہر کر رہا ہے کہ اس ظلمت کے آنے کا پہلے سے جناب الٰہی میں ارادہ ہو چکا تھا جو بذریعہ الہام بتلایا گیا۔ اور صاف ظاہر کیا گیا کہ ظلمت اور روشنی دونوں اس لڑکے کے قدموں کے نیچے ہیں یعنی اس کے قدم اٹھانے کے بعد جو موت سے مراد ہے ان کا آنا ضرور ہے سوائے وے لوگو جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی۔ بشیر کی موت نے جیسا کہ اس پیش گوئی کو پورا کیا ایسا ہی اس پیش گوئی کو بھی کہ جو ۲۰۔ فروری کے اشتہار میں ہے کہ بعض بچے کم عمری میں فوت ہوں گے۔

"بالآخر یہ بھی اس جگہ واضح رہے کہ ہمارا اپنے کام کے لئے تمام و کمال بھروسہ اپنے مولیٰ کریم پر ہے اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ لوگ ہم سے اتفاق رکھتے ہیں یا نفاق اور ہمارے دعویٰ کو قبول کرتے ہیں یا رد اور ہمیں تحسین کرتے ہیں یا نفرین بلکہ ہم سب سے اعراض کرکے اور غیر اللہ کو مردہ کی طرح سمجھ کر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں گو بعض ہم میں سے اور ہماری ہی قوم میں سے ایسے بھی ہیں کہ وہ ہمارے اس طریق کو نظر تحقیر سے دیکھتے ہیں مگر ہم انکو معذور رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو

ہم پر ظاہر کیا گیا ہے وہ ان پر ظاہر نہیں اور جو ہمیں پیاس لگا دی گئی ہے وہ انہیں نہیں کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ"

(روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۴۵۷ تا ۴۶۴)

صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کا حادثہ

اسی قسم کے واقعات میں سے صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کی وفات کا واقعہ ہے صاحبزادہ مبارک احمد خدا تعالیٰ کے نشانات میں سے ایک نشان تھا اور خدا تعالیٰ نے اس کی پیدائش سے پیشتر اس کے متعلق مبشر وعدہ فرمایا اور وہ وعدہ کے موافق آیا اور وعدہ کے موافق اٹھایا گیا۔

مبارک احمد بیمار ہوا آپ نے اس کی تیمارداری میں رات دن ایک کر دئے اور ایک دنیا دار آپ کو اس حالت میں دیکھتا تو وہ یقیناً یہ قیاس کرتا کہ اس شخص کے لئے اس بچے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں مگر جونہی مبارک احمد اپنے مولیٰ سے جا ملا آپ کا چہرہ ایسا بشاش اور مطمئن تھا گویا وہ عید کا دن تھا۔ چونکہ یہ واقعہ میری آنکھ نے دیکھا اور خدا تعالیٰ کے فضل نے مجھے توفیق دی تھی کہ میں ان حالات کو اسی وقت شائع کر دوں اس موقعہ پر میں نے اخبار الحکم ۲۴۔ ستمبر ۱۹۰۷ء میں جو مضمون میں نے شائع کیا تھا یہاں درج کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی حضرت اقدس کی وہ تقریر بھی درج کرتا ہوں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت فرمائی جبکہ صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کا جنازہ باغ میں رکھا ہوا تھا۔ جو لوح مزار مبارک احمد ہے۔ ان تمام کو یک جائی نظر سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضا بالقضا کے کس اعلیٰ مقام پر تھے۔ نہ صرف آپ بلکہ حضرت امّ المومنین کے صبر و ثبات کا بھی اسی سے ثبوت ملتا ہے۔

دارالامان میں آج کل

(منقول از الحکم ۲۴۔ ستمبر ۱۹۰۷ء)

"دارالامان خدا تعالیٰ کے فیوضات و برکات کا مہبط ہے اور کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَأْنٍ ہر نیا دن نئی برکات لے کر آتا ہے خدا کا برگزیدہ بندہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام خدا تعالیٰ کی عجیب و غریب تجلیات کا مظہر بنا ہوا ہے۔ صاجزادہ مبارک احمد صاحب کے انتقال نے آپ کی سچائی۔ خدا تعالیٰ کی ہستی اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔ اور نکتہ حل ہو گیا کہ

اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ چاہتا ہے

صاجزادہ صاحب کے انتقال کے متعلق خدا تعالیٰ کی پیش گوئیوں کے پورا ہونے پر الحکم کی پچھلی اشاعت میں لکھا جا چکا ہے اس کے اعادہ کی حاجت نہیں مگر یہاں مجھے ایک خاص بات کا ذکر کرنا ہے جو خصوصیت سے ایمان کو زندہ کرنے والی بات ہے اور جس کی نظیر دنیا میں بجز انبیاء علیہم السلام کے گروہ کے نہیں مل سکتی وہ کیا ہے؟

حضرت مسیح موعود کے رضا بالقضا کا نمونہ

”دنیا میں صبر اور استقلال کی تعلیم دینے والے اور رضا بالقضا اور قیام فی ما اقام اللہ کے لمبے لمبے وعظ کہنے والے اور درس دینے والے دیکھے ہیں لیکن جب وہ خدا تعالیٰ کے کسی ابتلاء اور امتحان کے نیچے آئے ہیں تو انہوں نے وہ بزدلی اور کم ہمتی دکھائی ہے جس کی حد نہیں فی الحقیقت کامل ایمان اور خدا پرستی کے کمال کا ایک ہی امتحان ہے کہ انسان مصائب اور عسر میں قدم پیچھے نہ ہٹائے بلکہ آگے بڑھائے اب یہ چشم دید واقعہ ہے اس کا ایک یا دو گواہ نہیں بلکہ صدہا لوگ ہیں جو آج کل اس واقعہ ناگزیر کی تقریب کی وجہ سے اور حسب معمول یہاں آرہے ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ خدا کا معطر کیا ہوا مسیح موعود کس جلال اور شوکت کے ساتھ اس واقعہ صاجزادہ صاحب کو بیان کرتا ہے عام طور پر اگر غور کیا جاوے تو وہ انسان جو ستر برس کے قریب ہو اور جس کا ہونہار نیک سعادت مند بچہ

فوت ہو جاوے اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے مگر یہاں معاملہ ہی الگ ہے

"حضرت مسیح موعود اس واقعہ کو ایسے جوش اور مزے سے بیان کرتے ہیں کہ

الفاظ نہیں ملتے جو اس کیفیت کو ظاہر کیا جاوے

حضرت مسیح موعود خوش ہیں کہ خدا تعالیٰ کی پیش گوئیاں پوری ہوگئیں۔ حضرت مسیح موعود خوش ہیں کہ خدا تعالیٰ کے امتحان میں پورے اترے سب سے بڑھ کر جو امر مسرت کا موجب ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشی کا اظہار فرمایا چنانچہ حضرت مسیح موعود پر یہ وحی ہوئی ہے کہ

خدا خوش ہوگیا

"انسانی زندگی کی اگر کوئی غرض اور غایت ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ خدا اس سے خوش ہو جاوے اور وہ خدا سے راضی ہو جاوے اور اس طرح پر رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا نمونہ کامل بن جاوے۔ پس یہ کس قدر خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے سے خوش ہونے کا اظہار کر دیا۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں یہی وہ بات ہے جس کے لئے نبیوں کی بعثت ہوتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جو سلوک کی تمام منزلوں کا انتہائی مقام کہنا چاہئے"۔

"پس آج کل دارالامان میں خدا تعالیٰ کا نزول ہو رہا ہے ایک نئی شان میں جن لوگوں کو آج کل حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ ملا ہے وہ بڑے ہی خوش قسمت ہیں کیونکہ وہ ایک ایسا عملی سبق پڑھ رہے ہیں جس کو تقریر یا تحریر کی صورت میں ادا کرنا مشکل ہے ۔

"نادان اور ناحق شناس دشمن اس واقعہ پر استہزا کریں گے وہ کریں اور زور سے کریں کیونکہ اسی سے خدا تعالیٰ کی نصرت اور غیرت میں جو وہ اپنے بندے کے لئے رکھتا ہے غیر معمولی جوش اور حرکت پیدا

ہوتی ہے۔ اعتراض کرنا آسان امر ہے لیکن اگر حیا اور ایمان کوئی چیز ہے اور ضرور ہے تو اعتراض کرنے سے پہلے اس امر کو بحضور دل یاد رکھنا چاہئے کہ کیا انبیاء علیہم السلام کی جماعت اس قسم کے امتحانوں اور آزمائشوں سے الگ رہی ہے۔ احمق کے نزدیک یہ انگلی رکھنے کی جگہ ہے مگر دانشمند کے ازدیاد ایمان کا موجب۔ جب ایک سلیم الفطرت اس امر پر غور کرتا ہے کہ حضرت سرور عالم ﷺ کے

گیارہ بچوں نے وفات پائی

"تو اس سے آنحضرت ﷺ پر ایمان اور بھی مضبوط ہوتا ہے کیونکہ وہ اندازہ کرتا ہے اس صبر اور رضا بالقضا کا جو گیارہ موتوں پر آپ نے دکھایا بہر حال اعتراض کرنے والے احمق ان باتوں کو کب دیکھتے ہیں خدا تعالیٰ کی آیات کے نزول پر ان کا تو خبث اور رجس اور بھی بڑھتا ہے۔ ایمان والوں ہی کے ایمان بڑھا کرتے ہیں۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں تو خدا تعالیٰ نے اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ حَلِیْمٍ کہہ کر ایک اور **بشارت** دی ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کی ذریت کے بڑھنے کا آج نہیں اکیس برس پہلے اعلان کیا ہوا ہے۔ اسی میں بعض کے کم عمری میں فوت ہونے کی پیش گوئی ہے۔ اس کی جسمانی اور روحانی نسل بڑھ رہی ہے اور بڑھے گی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہے کہ ابراہیم کی طرح اس سے ایک قوم نکالے۔ ہاں

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ

کی وحی بھی اسے ہو چکی ہے۔ پس ناخدا ترس معترض کو ڈرنا چاہئے۔"

(اخبار الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۲)

صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر حضرت اقدس کی تقریر باغ میں

فرمایا "قضاو قدر کی بات ہے۔ اصل مرض سے (مبارک احمد نے) بالکل مخلصی پالی تھی۔ بالکل اچھا ہو گیا تھا۔ بخار کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا۔ یہی کہتا رہا کہ مجھے باغ میں لے چلو۔ باغ کی خواہش بہت کرتا تھا۔ سو آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کے ساتھ ہی موت کی خبر دے رکھی تھی۔

" تریاق القلوب میں لکھا ہے "انی اسقط من اللہ و اصیبہ" مگر قبل از وقت ذہول رہتا ہے اور ذہن منتقل نہیں ہوا کرتا۔ پھر ایک جگہ پیش گوئی ہے۔ "ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر"۔ پھر کئی دفعہ یہ الہام بھی ہوا ہے۔ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا"۔ اور پھر اہل بیت کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ اور پھر فرمایا ہے یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ اللّٰہَ خَلَقَکُمْ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے یہ بڑا تطہیر کا موقع ہے۔ ان کو بڑے بڑے تعلقات ہوتے ہیں اور ان کے ٹوٹنے سے رنج بہت ہوتا ہے۔ میں تو اس سے بڑا خوش ہوں کہ خدا کی بات پوری ہوئی۔ گھر کے آدمی اس کی بیماری میں بعض اوقات بہت گھبرا جاتے تھے میں نے ان کو جواب دیا تھا کہ آخر نتیجہ موت ہی ہونا ہے یا کچھ اور ہے۔ دیکھو ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی اگر تم مجھ سے مانگو تو قبول کروں گا۔ اور دوسری جگہ فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ........ الآیہ

وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کی طرف سے بھی امتحان آیا کرتے ہیں۔ مجھے بڑی خوشی اس بات کی یہی ہے کہ میری بیوی کے منہ سے سب سے پہلا کلمہ جو نکلا ہے وہ یہی تھا کہ انّا للہ وانّا الیہ رَاجِعون۔ کوئی نعرہ نہیں مارا کوئی چیخیں نہیں ماریں۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں انسان اسی واسطے آتا ہے کہ آزمایا جاوے۔ اگر وہ اپنی منشاء کے موافق خوشیاں مناتا رہے اور جس بات پر اس کا دل چاہے وہی ہوتا رہے تو پھر ہم اس کو خدا کا بندہ نہیں کہہ سکتے اس واسطے ہماری جماعت کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کی تقسیم کی ہوئی ہے اس لئے اس تقسیم کے ماتحت چلنے کی کوشش کی جاوے ایک حصہ تو اس کا یہ ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو مانتا ہے اور دوسرا حصہ یہ ہے کہ وہ اپنی منواتا ہے۔ جو شخص ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ خدا ہمیشہ اسی کی مرضی کے مطابق کرتا رہے اندیشہ ہے کہ شاید وہ کسی وقت مرتد ہو جاوے۔

”کوئی یہ نہ کہے کہ میرے پر ہی تکلیف اور ابتلاء کا زمانہ آیا ہے بلکہ ابتدا سے سب نبیوں پر آتا رہا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا جب فوت ہوا تھا تو کیا انہیں غم نہیں ہوا تھا۔ ایک روایت میں لکھا ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے تھے۔ آخر بشریت ہوتی ہے غم کا پیدا ہونا ضروری ہے مگر ہاں صبر کرنے والوں کو پھر بڑے بڑے اجر ملا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ساری کتابوں کا منشاء یہی ہے کہ انسان رضا بالقضا سیکھے۔ جو شخص اپنے ہاتھ سے آپ تکلیف میں پڑتا ہے اور خدا کے لئے ریاضات اور مجاہدات کرتا ہے وہ اپنے رگ پٹھے کی صحت کا خیال بھی رکھ لیتا ہے اور اکثر اپنی خواہش کے موافق ان اعمال کو بجالاتا ہے اور حتی الوسع اپنے آرام کو مدنظر رکھتا ہے۔ مگر جب خدا کی طرف سے کوئی امتحان پڑتا ہے اور کوئی ابتلاء آتا ہے تو وہ رگ اور پٹھے کا لحاظ رکھ کر

نہیں آتا۔ خدا کو اس کے آرام اور رگ پٹھے کا خیال مد نظر نہیں ہوتا۔ انسان جب کوئی مجاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنا تصرف رکھتا ہے۔ مگر جب خدا کی طرف سے کوئی امتحان آتا ہے تو اس میں انسان کے تصرف کا دخل نہیں ہوتا۔ انسان خدا کے امتحان میں بہت جلد ترقی کر لیتا ہے اور وہ مدارج حاصل کر لیتا ہے جو اپنی محنت اور کوشش سے کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی واسطے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں اللہ تعالیٰ نے کوئی بشارت نہیں دی مگر لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْئٍ.......الا یتہ میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں ہونگی۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ غرض یہی طریق ہے جس سے انسان خدا کو راضی کر سکتا ہے۔ نہیں تو اگر خدا کے ساتھ شریک بن جاوے اور اپنی مرضی کے مطابق اسے چلانا چاہے تو یہ ایک خطرناک راستہ ہوگا جس کا انجام ہلاکت ہے۔ ہماری جماعت کو منتظر رہنا چاہئے کہ اگر کوئی ترقی کا ایسا موقع آجاوے تو اس کو خوشی سے قبول کیا جاوے۔

"آج رات کو (مبارک احمد نے) مجھے بلایا اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور مصافحہ کیا جیسے اب کہیں رخصت ہوتا ہے۔ اور آخری ملاقات کرتا ہے۔ جب یہ الہام اِنِّیْٓ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ ہوا تھا تو میرے دل میں کھٹکا ہی تھا اسی واسطے میں نے لکھ دیا تھا کہ یا یہ لڑکا نیک ہوگا روبخدا ہوگا۔ اور یا یہ کہ جلد فوت ہو جائے گا۔ قرآن شریف پڑھ لیا تھا کچھ کچھ اردو بھی پڑھ لیتا تھا۔ اور جس دن بیماری سے افاقہ ہوا میرا سارا اشتہار پڑھا اور یا کبھی کبھی پرندوں کے ساتھ کھیلنے میں مشغول ہو جاتا تھا۔

"فرمایا بڑا ہی بد قسمت وہ انسان ہے جو خدا تعالیٰ کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتا ہے خدا کے ساتھ تو دوست والا معاملہ چاہئے کبھی اس کی

مان لی اور کبھی اپنی منوالی۔

زبخت خویش برخوردار باشی
بشرط آں کہ بامن یار باشی

"ہمارے گاؤں میں ایک شخص تھا اس کی گائے بیمار ہو گئی۔ صحت کے لئے دعائیں مانگتا رہا ہو گا۔ مگر جب گائے مرگئی تو وہ دہریہ ہو گیا۔

"خدا نے اپنی قضا و قدر کے راز مخفی رکھے ہیں۔ اور اس میں ہزاروں مصالح ہوتے ہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ کوئی انسان بھی اپنے معمولی مجاہدات اور ریاضات سے وہ قرب نہیں پا سکتا۔ جو خدا کی طرف سے ابتلا آنے پر پاسکتا ہے۔ زور کا تازیانہ اپنے بدن پر کون مارتا ہے۔ خدا بڑا رحیم و کریم ہے۔ ہم نے تو آزمایا ہے ایک تھوڑا سا دکھ دیکر بڑے بڑے انعام و اکرام عنایت فرماتا ہے۔ وہ جہان ابدی ہے جو لوگ ہم سے جدا ہوتے ہیں وہ تو واپس نہیں آسکتے ہاں ہم جلدی ان کے پاس چلے جاویں گے۔ اس جہان کی دیوار کچی ہے اور وہ بھی گرتی جاتی ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ یہاں سے انسان نے لے ہی کیا جانا ہے اور پھر انسان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کب جانا ہے۔ جب جائے گا بھی تو بے وقت جائے گا۔ اور پھر خالی ہاتھ جائے گا۔ ہاں اگر کسی کے پاس اعمال صالحہ ہوں تو وہ ساتھ ہی جائیں گے۔ بعض آدمی مرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں میرا اسباب دکھادو اور ایسے وقت میں مال و دولت کی فکر پڑ جاتی ہے۔"

(اخبار الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵-۶)

اعلیٰ ایمان

"فرمایا کل والا الہام کہ "خدا خوش ہو گیا" ہم نے اپنی بیوی کو سنایا۔ تو اس نے سن کر کہا کہ مجھے اس الہام سے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اگر دو ہزار مبارک احمد بھی مرجاتا تو میں پروانہ کرتی۔

"فرمایا یہ اس الہام کی بنا پر ہے کہ "میں خدا کی تقدیر پر راضی ہوں"
"اور پھر چار دفعہ یہ الہام بھی ہوا تھا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَ کُمْ تَطْھِیْرًا ۔ اور پھر ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر اور پھر لائف آف پین یعنی (Life Of Pain) تلخ زندگی۔

" فرمایا اگر یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو ایک اندھا بھی انکار نہیں کر سکتا اور پھر پیدا ہوتے ہی الہام ہوا تھا۔ اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ میرے دل میں خدا نے اسی وقت ڈال دیا تھا۔ تب ہی تو میں نے لکھ دیا تھا "یا یہ لڑکا نیک ہو گا اور رو بخدا ہو گا اور خدا کی طرف اس کی حرکت ہو گی اور یا یہ جلد فوت ہو جائے گا" کوئی بد معاش اور راستی کا دشمن ہو تو اور بات ہے۔ مگر یکجائی طور پر نظر کرنے سے ایک دشمن بھی مان جائے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے خدائی وعدوں کے مطابق ہوا ہے۔ اور پھر یہ الہام بھی ہوا تھا۔ اِنِّیْ مَعَ اللّٰہِ فِیْ کُلِّ حَالٍ اب بتلاؤ ایسی صاف بات سے انکار کس طرح ہو سکتا ہے۔ اصل میں ابتلاؤں کا آنا ضروری ہے اگر انسان عمدہ عمدہ کھانے گوشت پلاؤ اور طرح طرح کے آرام اور راحت میں زندگی بسر کر کے خدا کو ملنے کی خواہش کرے تو یہ محال ہے بڑے بڑے زخموں اور سخت سے سخت ابتلاؤں کے بغیر انسان خدا کو مل ہی نہیں سکتا۔

بغیر امتحان ترقی محال

" خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ غرض بغیر امتحان کے تو بات بنتی ہی نہیں اور پھر امتحان بھی ایسا جو کہ کمر توڑنے والا ہو۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑھ کر مشکل امتحان ہوا تھا۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ "

" جب سخت ابتلاء آئیں اور انسان خدا کے لئے صبر کرے تو پھر وہ ابتلاء فرشتوں سے جا ملاتے ہیں۔ انبیاء اسی واسطے زیادہ محبوب ہوتے ہیں کہ ان پر بڑے بڑے سخت ابتلاء آتے ہیں اور وہ خود ہی ان کو خدا سے جا ملاتے ہیں۔ امام حسینؓ پر بھی ابتلاء آئے اور سب صحابہؓ کے ساتھ یہی معاملہ ہوا کہ وہ سخت سے سخت امتحان میں ڈالے گئے۔"

رضا بالقضا کا نمونہ

"فرمایا مبارک احمد کی وفات پر میری بیوی نے یہ بھی کہا ہے کہ

"خدا کی مرضی کو میں نے اپنے ارادوں پر قبول کر لیا ہے"

اور یہ اس الہام کے مطابق ہے کہ "میں نے خدا کی مرضی کے لئے اپنی مرضی چھوڑ دی ہے"۔

"فرمایا۔ پچیس برس شادی کو ہوئے اس عرصہ میں انہوں نے کوئی واقعہ ایسا نہیں دیکھا جیسا اب دیکھا میں نے انہیں کہا تھا کہ ایسے محسن اور آقا نے جو ہمیں آرام پر آرام دیتا رہا اگر ایک اپنی مرضی بھی کی تو بڑی خوشی کی بات ہے۔"

"فرمایا ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب خدا کا مال ہے اور ہمارا اس میں کچھ تعلق نہیں اور ہم بھی خدا کا مال ہیں جنہوں نے پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہوتا ہے ان کو غم نہیں ہوا کرتا"۔

(اخبار الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۸-۹)

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
کہا کہ آئی ہے نیند مجھ کو یہی تھا آخر کا قول لیکن
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر
برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خدا نے اسے بلایا

بلانیوالا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

(لوح مزار صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب)

ان تمام تحریروں کو یکجائی نظر سے پڑھنے کے بعد جو اثر ایک شخص کے قلب پر ہونا چاہئے وہ یہی ہو گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کی رضا ہی اپنی زندگی کا مقصد اور منتہائے مراد سمجھتے تھے۔ اور اپنے نمونہ سے انہوں نے ثابت کر دکھایا۔ کہ کوئی حادثہ اور واقعہ جو ایک دنیادار کے پائے ثبات و ہوش کو جنبش دے سکتا ہے اور جن واقعات نے اکثروں کو پاگل بنا دیا۔ اور بعضوں کو خودکشی تک نوبت پہنچ گئی اس مرد خدا کو ان واقعات نے ذرا بھی جنبش نہیں دی۔

مرزا فضل احمد صاحب کی وفات

مرزا فضل احمد صاحب حضرت اقدس کے دوسرے بیٹے تھے جو خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب پنشنر ڈپٹی کمشنر کے چھوٹے بھائی تھے۔ اگرچہ حضرت اقدس کی بعثت اور ماموریت کے بعد وہ آپ کے پاس نہیں آئے تھے۔ اور خان بہادر ہی کے پاس رہتے تھے۔ اور خود بھی ایک معزز سرکاری عہدہ دار تھے۔ وہ عین عنفوان شباب میں فوت ہو گئے۔ ان کی لاش قادیان میں لائی گئی۔ اور اپنے خاندانی قبرستان میں وہ مدفون ہوئے۔ مغرب کی نماز کے بعد آپ اپنی جماعت کے ساتھ مسجد مبارک کی چھت پر حسب معمول تشریف فرما تھے۔ ایک خادم نے عرض کیا کہ مرزا فضل احمد صاحب فوت ہو گئے۔ اور ان کی لاش لا کر دفن کر دی گئی۔ میں جو اس وقت حضرت اقدس کے بالکل قریب بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھ رہا تھا کہ اس کا حضرت کے چہرہ پر کیا اثر ہوتا تھا۔ یہ خبر اسی وقت حضرت نے نہ سنی تھی۔ بلکہ اس سے پہلے بھی سن چکے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت قدرتی اثر سے تو متاثر ہیں مگر آپ نے سن کر یہی فرمایا کہ۔

"ہم سب مرنے ہی والے ہیں بلکہ جس قدر انسان زمین پر چلتے پھرتے ہیں یہ چلتی پھرتی قبریں ہی ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

یہ الفاظ جب آپ کے منہ سے نکل رہے تھے تو وہ ایک تاثیر درد میں ڈوبے ہوئے تھے مگر اس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ کی رضا اور دنیائے فانی کی بے ثباتی کا جذبہ بھی پیدا کر رہے تھے لوگ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں۔

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ

لیکن یہاں حضرت مسیح موعود کے نابالغ اور جوان بچوں کو فوت ہوتے دیکھا مگر کبھی آپ نے زبان سے یا اپنے حالات سے کسی قسم کی بے صبری اور خدا تعالیٰ سے دوری کا اظہار نہ کیا بلکہ آپ نے اپنے طرز عمل سے دکھایا کہ

آپ خدا کی رضا پر ہر طرح خوش و خرم ہیں

یہ واقعات وہ ہیں جو آپ کی اولاد کے متعلق ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی واقعات موت فوت کے ایسے ہوئے ہیں جو آپ کے عزیزوں اور بزرگوں کے حادثات تھے مثلاً والدین کی وفات۔ بڑے بھائی کی وفات۔ ہر ایک موقعہ پر آپ نے اسی رضا بالقضا کا نمونہ دکھایا۔ آپ کی حالت ہر واقعہ کے وقت ایک خاص رنگ رکھتی تھی۔ حضرت والدہ صاحبہ کو آپ سے بہت محبت تھی۔ اور آپ ان کو دنیا میں ایک سپر سمجھتے تھے۔ کبھی کبھی آپ کے ذکر پر چشم پر آب ہو جاتے تھے۔ لیکن ایسی محسن اور بابرکت والدہ کے فوت ہو جانے پر آپ نے کسی قسم کی بیصبری کا نمونہ نہ دکھایا۔

اور اسی طرح حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات پر باوجود ان نقصانات کے خطرہ کے جو ان کی وفات سے دنیوی طور پر وابستہ تھا آپ نے صبر و استقلال کے ساتھ اس حادثہ کو برداشت کیا۔

اور اسی طرح اپنے بڑے بھائی کی وفات کے غم کو پی لیا۔ اور خدا کی تقدیر سے راضی ہو گئے خاندان میں اور عزیزوں کی وفات ہوئی مگر آپ نے نہ صرف رضا بالقضا کا نمونہ دکھایا بلکہ سب کو اس کی تلقین کی۔

گھر والے اب تک یہی کہتے ہیں کہ ہمیشہ کسی ایسے موقعہ پر تسلی دیا کرتے تھے۔

پھر ان جانی حادثات کے علاوہ مالی ابتلا آپ کے خاندان پر بعثت سے پہلے آئے۔ مگر کبھی آپ نے شکوہ نہ کیا۔ اور مامور ہونے کے بعد دنیا نے مخالفت کی۔ آپ کی عزت و آبرو اور جان اور مال کو خطرہ میں ڈالا۔ مگر کوئی وقت آپ پر نہ آیا کہ
آپ نے خدا تعالیٰ کی رضا میں قدم آگے نہ بڑھایا ہو

اخوّت و خُلّت

اخوت اور خُلّت کی حقیقت دراصل مومنین ہی میں پائی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ خونی اور جسمانی تعلق بھی ایک اخوت پیدا کرتا ہے۔ اور دنیا کے اغراض اور مصالح اور مفاد بھی ایک خلّت پیدا کرتے ہیں مگر ان ہر دو صفات کی حقیقت ایمان سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھائی ہی تھے جو بری مثال انہوں نے اخوت کی تاریخ میں چھوڑی ہے وہ برادران یوسف کی ضرب المثل سے ظاہر ہے قرآن کریم نے اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ حقیقی اخوت اور حقیقی خُلّت محض ایمان سے ہی قائم ہوتی ہے۔

پس کسی شخص میں اخوت اور خُلّت کا جس قدر معیار بلند ہوگا اسی قدر اس کے ایمان کا درجہ بلند ہوگا اور اس خصوص میں انبیاء علیہم السلام کا مقام سب سے اعلیٰ ہوتا ہے اور ان میں سب سے بڑھ کر بلند مقام پر حضرت نبی کریم ﷺ تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت میں ان صفات کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ان کی بھی وہی شان نظر آتی ہے جو آپ کے اور ہم سب کے آقا و سردار حضرت نبی کریم ﷺ کے واقعات زندگی میں پائی جاتی ہے۔ احمق اور نادان خیال کرتے ہیں کہ یہ تو نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کی ہمسری ہو جاتی ہے حالانکہ یہ بات غلط محض

ہے حضرت مسیح موعود کو جو کچھ ملا وہ آپ کا نہیں وہ آنحضرت ﷺ ہی کا ہے اور احمد قادیانی کے آئینہ میں احمد مکی ﷺ کی شان جلوہ گر ہے۔

غرض اخوت اور خُلّت کا اعلیٰ مقام بدوں کامل الایمان ہونے کے متحقق نہیں ہوتا۔ آؤ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے واقعات میں اس حقیقت کو دیکھیں۔

عہد دوستی کی رعایت

ایک دن آپ نے عہد دوستی کے متعلق فرمایا کہ "میرا یہ مذہب ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مجھ سے عہد دوستی باندھے مجھے اس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے میں اس سے قطع نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ خود قطع تعلق کر دے تو ہم لاچار ہیں۔ ورنہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں میں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہوا ہو اور لوگوں کا ہجوم اس کے گرد ہو تو بلا خوف لومتہ لائم اسے اٹھا کے لے آئیں گے"۔

فرمایا۔ "عہد دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے اس کو آسانی سے ضائع کر دینا نہ چاہئے اور دوستوں سے کیسی ہی ناگوار بات پیش آوے اسے اغماض اور تحمل کے محل میں اتارنا چاہئے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ سیالکوٹی حاشیہ صفحہ ۴۶)

اس سے حضرت مسیح موعود کے دل میں عہد دوستی کی جو قدر و قیمت ہے اس کا بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے اور آپ اس شخص کو بہت ہی ناپسند فرماتے تھے جو اس عہد کی رعایت نہ کرتا اس کے متعلق میں آپ کی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

مرحوم محمد افضل کا واقعہ

بابو محمد افضل صاحب رضی اللہ عنہ سلسلہ کے مخلص نوجوانوں میں سے تھے۔ عہد دوستی کے لحاظ سے اور ہمعصر ہونے کی وجہ سے ان کا مجھ پر حق ہے اور آج انیس برس کے

بعد میں اس حق کا بہت ہی تھوڑا حصہ ادا کرتا ہوں۔ اور اسے مردوں کی صف سے نکال کر زندہ جاوید احباب کی صف میں کھڑا کرنا چاہتا ہوں۔

مرحوم محمد افضل کے مفصل حالات کا یہ موقع نہیں مگر میں اتنا کہوں گا کہ وہ نہایت مستقل مزاج اور مستقیم الاحوال تھے۔ اور قادیان میں انہوں نے جو قیام اختیار کیا تھا۔ محض خدا کی رضا کے لئے۔ اس کا ذکر میں ابھی حضرت مولانا عبدالکریم کے الفاظ میں کروں گا۔ مگر جو واقعہ ان کی اس تبدیلی کا محرک ہوا وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے اس حصہ کو واضح کرتا ہے کہ آپ عہد دوستی اور عہد زوجیت کا احترام نہ کرنے والوں سے ناراض ہو جاتے تھے۔ لیکن وہ ناراضگی محض خدا کی رضا اور اپنے خادم کی اصلاح کے لئے ہوتی تھی۔ بابو محمد افضل افریقہ میں ملازم تھے اور بہت خوشحال اور فارغ البال تھے سلسلہ کے کاموں میں خصوصیت سے حصہ لیتے اور تبلیغ کا ایک جوش ان کے دل میں تھا۔

ان کی دو بیویاں اور وہ قادیان میں رہتی تھیں ۱۸۹۹ء میں انہوں نے حضرت حکیم الامتہ کو ایک خط لکھا اور کچھ روپیہ بھیجا اور اپنی ایک بیوی کو افریقہ بلایا اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو بیوی آنے سے انکار کرے اس کو طلاق دے دی جاوے۔ حضرت مولوی صاحب نے یہ خط حضرت اقدس کے حضور پیش کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو جب طلاق دے گا مگر اسے لکھ دو کہ ایسے شخص کا ہمارے ساتھ تعلق نہیں رہ سکتا کیونکہ جو اتنے عزیز رشتہ کو ذرا سی بات پر قطع کر سکتا ہے وہ ہمارے تعلقات میں وفاداری سے کیا کام لے گا۔ یہ ارشاد اکسیر ہو گیا اور محمد افضل کو فی الحقیقت افضل بنا گیا۔ حضرت اقدس کی ناراضگی کی جب اطلاع ہوئی تو اسے سمجھ آ گئی کہ باہمی تعلقات کی کیا قیمت ہوتی ہے۔

اور اس نے دنیا کے تمام مالوفات کو چھوڑ کر یہ پسند کیا کہ ایسے ہی محسن اور اعلیٰ اخلاق کے انسان کی صحبت ہے جہاں باقی زندگی بسر کرنی چاہئے چنانچہ وہ دنیا کی تمام امیدوں اور امنگوں کو یکسر چھوڑ کر آ گئے اور پھر انہوں نے وہ تبدیلی کی کہ حیرت انگیز

ہے میں اس کا ذکر حضرت مخدوم الملت کے الفاظ میں کر دیتا ہوں۔

"اس مرحوم بھائی (محمد افضل خان) کی لائف کا گہرا مطالعہ کر کے مجھے ایک بات عجیب نظر آئی ہے اور وہی اس قابل ہے کہ طالبان حق و ارشاد کے لئے اسوہ اور نمونہ بنے۔ گزشتہ زندگی میں جہاں تک مجھے معلوم ہے ہمارا یہ مالوف اور مرحوم بھائی کبھی نہ تو اس قابل ہوا کہ نمونہ ٹھہرتا اور نہ اس کے حالات اور تقلبات دیکھنے اور برتنے والوں کی نگاہ میں شہرت عام اور بقائے دوام کے استحاق کا کوئی نشان رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے انکی زندگی بہت ہی محدود ہے۔ مگر ایک عارف کی بازدید کے لحاظ سے ابدی اور نہایت بابرکت ہے۔

" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا کے دلکش نظارہ گاہوں کے فرحت بخش ہواؤں میں پیٹ بھر کر سیر کرنے کے بعد ہمارے مغفور بھائی کو معلوم ہوا کہ یہ سب فانی اور خیالی تھیٹر ہے اور ان ناپائدار لذتوں پر سرنگوں ہونے کا انجام اچھا نہیں۔ اس روحانی تبدیلی نے انہیں قادیان کی طرف متوجہ کیا جو ابدی اور باقی لذتوں اور واقعی روح افزا نظاروں کی سارے جہان میں ایک جگہ ہے۔ اس کشش اور میلان کی انہوں نے بلا مدافعت پیروی کی۔ قادیان میں آئے چند روز رہے پورے بے سامان اور عیال کثیر اور بظاہر معاش کا کوئی امید دلانے والا منظر نہیں بایں ہمہ صدق دل سے عزم کر لیا کہ جو ہو سو ہو یہاں سے نہیں جاؤں گا یہ ایک فقرہ یا عہد ہے جو بہت سے مونہوں سے نکلا۔ میرے کانوں نے سنا ہے اور حافظہ نے یاد رکھا مگر کہنے والوں نے آخر کار ایسا دکھایا کہ انہوں نے منہ سے کوئی مردانہ بات نہیں نکالی تھی۔ بلکہ تھوک پھینکی تھی خدا تعالیٰ نے بھی ان کے دل کو دیکھ کر ان کے عہد اور وعدہ پر توفیق نازل نہ فرمائی مگر مرحوم محمد افضل کے خلوص نیت کا ثبوت خواتیم اعمال نے دے دیا۔ اور

سب قیل اور قال کا خاتمہ کر دیا۔

"مرحوم کے دل میں مدت سے خیال تھا کہ قادیان میں ایک اخبار نکالا جاوے۔ اس مضمون کا ایک مفصل خط ایک دفعہ انہوں نے افریقہ سے مجھے لکھا تھا۔ یہاں وہ قیام کے عزم بالجزم اور دوام سکونت کے اسباب کی تلاش اور نگہداشت نے اس ارادہ پر پختہ کر دیا اور آخر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ فلاح دارین کا یہی ایک ذریعہ ہے اس سے قوم کی خدمت بھی ہوگی اور قوت لایموت بھی مل جائے گا۔

"البدر نکلا مختلف اوقات میں نہیں شروع سے آخری دم تک (مرحوم افضل کے عہد میں عرفانی) انہیں مصیبتیں اور رکاوٹیں پیش آئیں شاید کم ہی لوگ واقف ہونگے مرحوم اور اس کے عیال نے بسا اوقات دن کو آدھا پیٹ کھانا کھایا اور رات کو بھوکے سو گئے اور اکثر خشک نون مرچ کے ساتھ کچی پکی مسی روٹیاں کھا کر گذارہ کیا کچی پکی میں نے اس لئے کہا کہ ایندھن خریدنے کی طاقت بھی نہ ہوتی۔ نہ صرف بچے پھٹے پرانے کپڑوں میں ادھر ادھر پھرتے نظر آتے بلکہ خوبصورت نوجوان باپ بھی اسی رحم انگیز ہیئت میں باہر نکلتا۔ اور کاروبار کرتا ہے۔ ایک لائق اور بہتوں سے افضل منشی انگریزی میں عمدہ دستگاہ رکھنے والا باہر نکل کر خوب کمانے اور عمدہ گزران والا کونسی بات تھی جس نے اسے ایسی زاہدانہ زندگی کے اختیار کرنے پر مجبور کیا اس کا جواب صاف ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شناخت اور آپ کی معیت کی لذت۔

"غرض مرحوم کے اخلاق میں استقامت اور استقلال کا خلق مجھے قابل قدر اسوہ نظر آیا یہی وہ نور ہے جس سے اللہ تعالیٰ ملتا ہے۔

" اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوان بھائی کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی استقامت کے نمونہ سے بہتوں کو مستفید کرے"۔ آمین۔ عبد الکریم*

*۳۔ اپریل ۱۹۰۵ء (اخبار بدر ۶ / اپریل ۱۹۰۵ء)

مرحوم افضل کے اندر یہ تبدیلی صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خلق نے کی کہ آپ رعایت عہد دوستی یہاں تک کرتے ہیں کہ ایک شخص جو اپنے تعلقات کو اس طرح پر توڑ دینے کو آمادہ ہے وہ اس قابل نہیں کہ ہمارے ساتھ رہے۔ چنانچہ اس نے سمجھ لیا کہ ایسا ہی وجود ہو سکتا ہے جس کی صحبت اور معیّت انسان کی زندگی میں روح اطمینان پیدا کر سکتی ہے۔ اور پھر جو انقلاب اس کی زندگی میں ہوا وہ اوپر کی سطروں سے نمایاں ہے۔ وہی افضل جو بیوی کو افریقہ نہ آنے پر چھوڑ دینے پر آمادہ تھا خود قادیان چلا آیا اور مر کر ہم سے الگ ہوا۔ جن مصائب اور مشکلات معیشت میں سے وہ گذرا ان کا کسی قدر نقشہ اوپر دکھایا گیا ہے۔ مگر اس کی تکالیف کی داستان اس سے بھی لمبی ہے۔ میں نے یہاں مرحوم افضل کی سیرت کو نہیں دکھانا۔ یہ ایک واقعہ کا بیان تھا۔ اور میں نے ان حالات کو لکھ دینا عہد دوستی اور حق معاصرت کی ادائیگی سمجھا اور مجھے خوشی ہے کہ میں پچیس برس کے بعد آنے والے دوستوں میں اپنے مرحوم بھائی کو زندہ کر رہا ہوں اور بہت ہوں گے جو اس کے اسوہ سے انشاء اللہ سبق لیں گے۔

غرض حضرت مسیح موعود عہد دوستی کی بہت بڑی قدر کرتے تھے۔ حقوق دوستی میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ محض خدا کی رضا کے لئے ہو۔ دنیا کی کوئی غرض درمیان میں نہ ہو اور دوستی ہو جانے کے بعد پھر انسان اپنے مال کو اپنے دوستوں سے عزیز نہ رکھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عمل سے ہمیشہ اس کو دکھایا ہے۔

حضرت حکیم الامت اور حکیم فضل الدین کا واقعہ

ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے حضرت مسیح موعود سے چار سو روپیہ قرض لیا اور جب مولوی صاحب کے اپنے خیال اور وعدہ کے موافق ادائیگی کا وقت آیا تو انہوں نے وہ روپیہ حضرت کی خدمت میں واپس کیا تو حضرت اقدس نے وہ روپیہ مولوی

صاحب کو یہ کہہ کر واپس کیا کہ آپ نے میرے روپیہ کو اپنے روپیہ سے الگ سمجھا ہے اور یہ ایسے طور پر فرمایا کہ مولوی صاحب گویا بیدار ہو گئے۔ کسی دوسرے موقعہ پر حکیم فضل الدین صاحب کو بھی کچھ روپیہ لینے کی ضرورت پیش آئی اور انہوں نے حضرت سے روپیہ لیا۔ واپسی کے وقت انہوں نے حضرت مولوی صاحب سے ذکر کیا کہ میں نے حضرت صاحب سے کچھ روپیہ قرض لیا ہوا ہے واپس کرنا ہے تو حضرت مولوی صاحب نے ان کو کہا کہ میں یہ غلطی کر کے جھاڑ کھا چکا ہوں تم ایسا نہ کرنا۔ قرض کا روپیہ اس کو سمجھ کر واپس نہ کرنا۔ حضرت صاحب نے قرض قرار دیکر نہیں دیا۔ کسی اور طریق پر چاہو تو واپس کرو۔

اگرچہ قرض اور دادوستد میں یہ اصول عام نہیں قرار پا سکتا مگر انتہا کی محبت اور خُلّت کا یہ تقاضا ضرور ہے کہ انسان اپنے دوستوں کے لئے اپنے مال کو قربان کر سکے۔ حضرت اقدس نے اپنے اس نمونہ سے یہ دکھایا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے لئے (حقیقت میں اپنے خدام کے لئے ان کو دوستی کی عزت دینا تو آپ کا خاص کرم ہے۔ عرفانی) روپیہ کی کبھی پرواہ ہی نہ کرتے تھے۔ اور کبھی دوستوں سے حساب بھی نہ مانگتے تھے۔ یہاں تک کہ جب تک لنگر خانہ کا اہتمام اپنے ہاتھ میں رکھا لنگر کے مہتمم سے کبھی حساب نہ مانگا۔ جب اس نے آکر جو کچھ مانگا دے دیا۔

فصیح صاحب کا واقعہ

منشی غلام قادر فصیح جو پنجاب گزٹ سیالکوٹ کے ایڈیٹر اور حضرت حکیم الامت کے ہمزلف تھے (افسوس ہے آخر میں بعض عملی کمزوریوں اور شامت اعمال نے انہیں عملاً سلسلہ سے الگ کر دیا۔ عرفانی) کو ایک مرتبہ بہت سا روپیہ ایقاظ الناس اور بعض دوسری عربی کتابوں کے لئے دیا۔ وہ اس کا حساب بنا کر لائے اور حضرت کی خدمت میں پیش کی آپ نے فرمایا کہ

میں اپنے دوستوں سے حساب نہیں کرتا اپنے مال کا حساب نہیں ہوتا میں اپنے دوستوں پر اعتماد کرتا ہوں اور پھر کیا کوئی اپنے اموال کو ضائع کرتا ہے۔

غرض ان کا کاغذ پھاڑ ڈالا اور اس کو ناپسند کیا۔ یہ بات کسی خاص شخص سے مخصوص نہ تھی سب کے ساتھ یہی برتاؤ اور سلوک تھا۔ کسی کی ضرورت کا احساس آپ اس کے بیان کرنے سے پہلے کرتے اور اس خیال اور ٹوہ میں رہتے کہ کوئی تکلیف میں نہ ہو۔ اور اگر آپ کے علم میں آتا تو فوراً اس کے لئے مالی قربانی کرتے۔

پھر حقوق دوستی میں سے یہ بات بھی ہے کہ اپنے دوستوں کے حق میں اچھی بات کہے اور ان کے خلاف سن نہ سکے۔ اور اگر کوئی ان پر زبانی حملہ کرے تو اس کی مدافعت کرے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عادت شریف تھی کہ آپ کبھی اپنے خدام کے خلاف کوئی بات سن نہ سکتے تھے۔ اور آپ کی نظر ہمیشہ ہر شخص کی خوبیوں پر ہوتی خواہ وہ کتنی ہی خفیف سی بات کیوں نہ ہوتی۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا نمونہ بتایا ہے۔

قمار اور شراب کے متعلق سوال ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے قلیل المقدار نفع کا بھی ذکر کر دیا۔ اس میں یہی سبق ہے کہ ادنیٰ سی ادنیٰ خوبی بھی ہو تو انسان اس پر نظر رکھے۔ اور اس کو نظر انداز نہ کرے۔

میرا ایک ذاتی واقعہ

کسی دوست نے ایک مرتبہ میری کوئی شکایت کی۔ میں اپنی کمزوریوں اور غلطیوں میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ اور بڑھا ہوا ہوں اور یہ سچ ہے کہ میں محض خدا کے فضل سے اور آپ کے محض رحم سے آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔

اس دوست کو کہا کہ "دیکھو اگر مرزا نظام الدین صاحب سے جاکر معاملات کو طے کرانا ہو تو کیا میں خود کر سکتا ہوں۔ میاں یعقوب علی یہ کام بہت عمدگی سے کر لیتے ہیں"۔ وہ معاملہ اسی قسم کا تھا۔ آپ نے اسی رنگ میں اپنے اس سب سے کمزور خادم کو اس رنگ میں نواز دیا۔

غرض آپ کی عادت میں یہ بات تھی۔ کہ آپ اپنے خدام کی طرف سے ہمیشہ ذب کرتے اور کسی کی شکایت نہ سن سکتے تھے۔

احباب کے لئے اپنے آرام کو قربان کردینا

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ خود آرام کو چاہتا ہے اور اس مقصد کے لئے وہ دوسروں کی تکلیف کی بھی پرواہ نہیں کرتا چہ جائیکہ وہ اپنے آرام کو دوسروں پر قربان کردے یہ خوبی اور کمال ہر شخص میں پیدا نہیں ہوتا۔ ایثار مومن کی عادات میں داخل ہے اور حقوق احباب میں یہ ایثار داخل ہے۔ احباب کے حقوق میں جن باتوں کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں اتحاد و بے تکلفی ہو۔ ایثار ہو۔ احسان و سلوک ہو۔ اور تعارف ہو۔ یہ باتیں جب کسی شخص میں کامل طور پر اپنے دوست کے لئے پائی جائیں تو وہ حقیقی دوست کہلانے کا مستحق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایثار کی بہت سی مثالیں اور واقعات ہیں اور اس ایثار میں دوست دشمن سب شامل ہیں۔ میں اس وقت صرف دوستوں کے لئے ایثار کا ذکر کرتا ہوں اور وہ بھی اس لئے کہ حقوق دوستی میں ایثار داخل ہے۔ ورنہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایثار پر اس وقت بھی بحث کروں گا جب آپ کے جود وسخا اور بذل و عطا کے عنوان سے آپ کے کمالات کا اظہار ہوگا۔ دوستوں کے لئے آپ کے ایثار کی ایک مثال میں ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

حضرت منشی اروڑے خان صاحب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت منشی اروڑے خان صاحب جماعت کپورتھلہ کے ایک مخلص و ممتاز بزرگ تھے جو آخر تحصیل دار ہو کر پنشن یاب اور قادیان ہی میں آکر دھونی رما کر بیٹھ گئے اور مر کر ہی یہاں سے اٹھے۔ ان کے حالات زندگی انشاء اللہ العزیز توفیق ملنے پر جداگانہ لکھے جائیں گے وہ حضرت کے ساتھ عاشقانہ رنگ رکھتے تھے کوئی موقعہ حضرت کی زندگی میں نہیں آیا جو کوئی اہمیت رکھتا ہو اور وہ حضرت کے پاس نہ آئے ہوں۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود کے اس تعلق کا ذاتی واقعہ بیان کیا جو حضور کو اپنے دوستوں سے

تھا وہ یہ ہے۔

"ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گورداسپور ایک ضروری کام کے لئے جانا تھا آپ جب قادیان سے روانہ ہوئے تو بہت سے لوگ آپ کی مشایعت کے لئے اس سڑک تک جو کہ بٹالہ کو جاتی ہے آپ کے ساتھ آئے۔ اس سڑک پر جاکر آپ ٹھہر گئے اور واپس قادیان آنے والے لوگوں سے مصافحہ کرکے فرمایا کہ تم واپس چلے جاؤ اور چند اصحاب جنہوں نے آپ کے ساتھ گورداسپور جانا تھا ان کو فرمایا کہ تم آگے چلو اور مجھ کو کہا کہ تم ٹھہرو۔ سب اصحاب چلے گئے صرف میں اور حضرت صاحب اور یکہ والا وہاں رہ گئے۔ حضور نے فرمایا کہ مجھ کو پاخانہ جانا ہے میں قریب کے کنوئیں سے ایک لوٹا پانی کا بھر لایا اور حضور کو دے دیا۔ آپ قریباً ایک گھنٹہ میں فارغ ہو کر آئے۔ گاڑی کا وقت چونکہ تنگ ہو رہا تھا۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے بٹالہ میں اپنی لڑکی سے ملنا ہے اور وقت بہت کم ہوتا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس یکہ پر سوار ہو کر آگے چلو اور اپنا کام کرکے پھر مجھے راستہ میں آملنا۔ میں نے عرض کیا حضور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں تو یکہ پر سوار ہو کر چلا جاؤں اور حضور کو اکیلا چھوڑ جاؤں۔ اور حضور پیدل چلیں۔ آپ نے فرمایا اس میں کوئی ہرج نہیں تم یکہ پر سوار ہو جاؤ۔ پھر بھی میں نے سوار ہونے کی جرات نہ کی اور سوار نہ ہونے پر اصرار کرتا رہا۔ حضور نے فرمایا الامر فوق الادب تم اس کو ہمارا حکم سمجھو اور فوراً سوار ہو جاؤ۔ اس کے بعد ناچار مجھے سوار ہونا پڑا اور میں روانہ ہو گیا۔ راستہ میں بٹالہ کے قریب سینکڑوں لوگ برلب سڑک حضور کی انتظار میں بیٹھے ہوئے میں نے دیکھے انہیں دیکھ کر میں اپنے مسیح کی شفقت اور نوازش کو یاد کرکے وجد میں آگیا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ انسان جس کے دیکھنے کے منتظر ہزاروں

لوگ گھروں سے نکل کر راستہ میں انتظار کرتے ہیں وہ اپنے مریدوں سے
شفقت کا وہ برتاؤ کرتا ہے کہ ان کے لئے خود تکلیف اٹھانی پسند کرتا ہے۔
میں بٹالہ پہنچ کر اپنی لڑکی کے گھر گیا۔ اور اس کی خیروعافیت دریافت کر کے
وہاں سے قادیان آنے والی سڑک کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ حضور سے
ملوں میں نے اپنے واقف کار لوگوں سے بھی کہا کہ آؤ تمہیں حضرت مرزا
صاحب کو دکھاؤں وہ بھی میرے ساتھ چل پڑے۔ اور جب بٹالہ شہر سے
نکل کر کچی سڑک پر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ خدا کا مسیح تن تنہا ہاتھ میں عصا
پکڑے پیدل تشریف لا رہا ہے۔ میں یکہ سے اتر گیا اور حضور کو بٹھالیا۔
حضور نے مجھے بھی ساتھ ہی بیٹھنے کا حکم دیا اس طرح پر حضور بٹالہ اسٹیشن
پر پہنچے۔ صرف میرے یہ کہنے پر کہ مجھے اپنی لڑکی سے بٹالہ ملنا تھا اور اب
چونکہ وقت تنگ ہو گیا ہے اس لئے نہیں مل سکوں گا۔ حضور نے خود
پیدل چلنا منظور فرمایا اور یکہ میں بٹھا کر روانہ کر دیا تاکہ یکہ ایک آدمی کو
لے کر جلدی بٹالہ پہنچ جائے۔ دوسرے اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام
بھی یکہ میں بیٹھے ہوتے تو حضور کی زیارت کرنے والے لوگوں کے ہجوم
کی وجہ سے یکہ کے چلانے میں بہت دیر لگتی۔ اور اس طرح پر میں اپنی
لڑکی کے پاس نہ جا سکتا تھا حضور نے میری ایک معمولی سی خواہش کے پورا
کرنے کے لئے خود تو تکلیف اٹھائی لیکن میرے دل کا ذرا بھی رنجیدہ اور
ملول ہونا پسند نہ فرمایا۔ ایسے اخلاق کا نمونہ صرف ان ہی لوگوں سے ظہور
پذیر ہوتا ہے جو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ کا کامل نمونہ ہوتے ہیں ورنہ ہر ایک
انسان کا ایسے اخلاق والا ہونا کوئی آسان کام نہیں"۔

میں نے دیکھا ہے کہ جب منشی اروڑے خان صاحب یہ واقعہ بیان کرتے تھے تو
ان کی آنکھیں پرنم اور آواز میں ایک رقت اور سوز پیدا ہو جاتا تھا۔ یہ واقعہ
کلارک کے مقدمہ کا ہے۔ گورداسپور میں منشی اروڑے خان صاحب اپنے ایک

واقف و آشنا کے ہاں ہم چند احباب کو لے گئے تھے۔ چونکہ منشی صاحب بڑے بے تکلف دوست تھے اور احباب کی خاطر تواضع میں وہ خود بہت ہی فراخ دلی اور وسعت حوصلہ سے کام لیا کرتے تھے۔ اور اکثر لوگوں سے جو ان سے تعلق رکھتے موقع مناسب پر مدد کرنے سے کبھی فرق نہ کرتے تھے اس لئے وہ اپنے ایسے دوستوں کے ہاں جب جاتے تو وہ خود بے تکلفی سے کھاتے پیتے تھے۔

غرض گورداسپور جاکر انہوں نے اپنے ایک واقف کار کے ہاں مختلف چیزوں کا آرڈر دے دیا دوسرے روز شام کی گاڑی سے ہم سب واپس ہو رہے تھے۔ حضرت صاحب قادیان کو جا رہے تھے اور میں اور بعض دوسرے دوست امرتسر اور کپورتھلہ وغیرہ کو۔ غرض منشی صاحب کے قلب پر اس واقعہ کا ایک خاص اثر تھا بلکہ بعض وقت وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وقت کو بعض وقت یاد کرتا ہوں تو کانپ جاتا ہوں کہ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ اگر میں اس ضرورت کا اظہار نہ کرتا تو حضرت صاحب کو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ مگر میں انہیں کہتا کہ منشی صاحب! اگر آپ ظاہر نہ کرتے تو مسیح موعود کا یہ اخلاقی معجزہ ظاہر نہ ہوتا۔ کہ آپ نے ایثار کا کامل نمونہ دکھایا۔

میر عباس علی صاحب اور مولوی محمد حسین بٹالوی

جیسا کہ میں اس باب کے شروع میں بیان کر چکا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام عہد دوستی کی بہت بڑی رعایت کرتے تھے اور حتی الوسع نہیں چاہتے تھے کہ یہ عہد ضائع ہو۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی براہین احمدیہ کی تصنیف کے زمانہ میں آپ کے بہت بڑے مداح اور موید تھے۔ اور اس کی وجہ آپ کے اعلیٰ اخلاق اور آپ کی متقیانہ زندگی اور خدمت اسلام کے لئے آپ کا صادقانہ درد تھا۔ اس لئے کہ مولوی محمد حسین صاحب آپ کے حالات سے سماعی طور پر واقف نہ تھے بلکہ وہ آپ کے ہم مکتب بھی رہ چکے تھے۔ انہوں نے براہین احمدیہ پر ریویو کرتے وقت اسی ایک امر کو بیان کیا تھا کہ میں

ذاتی طور پر واقف ہوں اور یہ بالکل درست تھا۔ غرض براہین احمدیہ کی تصنیف کے عہد میں وہ ایک دوستانہ اور مخلص دوستانہ تعلق آپ سے رکھتے تھے۔ اس اخلاص میں یہاں تک ترقی کی کہ وہ حضرت مسیح موعود کو وضو کرانا اپنی عزت اور سعادت سمجھتے تھے۔ لیکن جب آپ نے مسیح موعود کا دعویٰ کیا تو مولوی محمد حسین صاحب نے اختلاف کیا۔ اس اختلاف کی وجوہات کچھ بھی ہوں انہوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف اس حد تک بڑھا کہ انہوں نے تمام ہندوستان میں سفر کر کے آپ اور آپ کے متبعین پر کفر کا اور قتل کا فتویٰ مرتب کرایا۔ اور اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ کو مخالفت کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں تک ہی نہیں بلکہ بٹالہ کے سٹیشن پر قادیان کو آنے والی سڑک پر علی العموم وہ اس غرض کے لئے آتے جاتے تھے کہ قادیان کو آنے والے لوگوں کو روکیں اور ہر طرح سے کوشش کرتے۔ پھر اس پر بھی بس نہ کر کے عیسائیوں کے مقدمہ اقدام قتل میں شہادت دی۔ پنڈت لیکھرام کے قتل ہو جانے پر حضرت مسیح موعود کے خلاف سازش کا الزام لگانے کی تگ و دو کی۔ اور ہر ممکن سے ممکن کوشش حضرت مسیح موعود کو تکلیف پہنچانے آپ کے سلسلہ کو ناکام بنانے کے لئے کی۔

مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیشہ اس عہد دوستی کی رعایت کی۔ اور مولوی محمد حسین صاحب کا یہ حال ہو گیا کہ جب کبھی کوئی امر اسے پیش آجاتا جس کا کچھ بھی تعلق حضرت مسیح موعود سے ہوتا تو فوراً اس کے لئے لکھ دیتا۔ اشاعۃ السنہ کے خریداروں میں اکثر وہ لوگ بھی تھے جو بعد میں اس سلسلہ حقہ میں داخل ہو گئے۔ اور انہوں نے رسالہ بند کر دیا۔ مولوی محمد حسین صاحب نے ان کا نام اپنے رجسٹر خریداران سے خارج نہ کیا۔ اور باوجود حساب صاف ہو جانے کے مطالبہ کرتا رہتا۔ وہ اسے جواب دیتے کہ ہم قیمت دے چکے ہیں۔ اور ہمارا حساب صاف ہے۔ مگر ان ایام میں ان کی حالت بہت کچھ قابل رحم ہو چکی تھی۔ وہ بلاوجہ بھی مطالبہ کرتے تھے۔ آخر انہوں نے میری معرفت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں خط

لکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ ان دوستوں کو لکھ دو کہ

"وہ اس سے حساب نہ کریں اور روپیہ بھیج دیں کہ میرے ساتھ تعلق رکھتا تھا وہ جس قدر مانگتا ہے بطور احسان کے دے دیں"۔

چنانچہ جن احباب کے نام انہوں نے لکھے تھے میں نے ان کو خط لکھ دیئے اور ایک معقول رقم اس طرح پر ان کو دلادی۔ اور باوجود مخالفت اور سخت مخالفت کے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے کہ اس کو کوئی تکلیف اور نقصان نہ پہنچے۔ اور کبھی کبھی اس عہد دوستی کی یاد بھی فرماتے چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَوَاللّٰہِ لَا اَنْسٰی زَمَانَ تَعَلُّقٍ وَلَیْسَ فُؤَادِیْ مِثْلَ اَرْضٍ تَحَجَّرُ

ترجمہ = اور خدا کی قسم میں اس تعلق کے زمانہ کو بھولتا نہیں۔ اور میرا دل سنگلاخ زمین کی طرح نہیں ہے

یہ شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قلب کی کیفیت اور ایک دوست قدیم کی یاد کے جذبات کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔ آپ کو مولوی محمد حسین صاحب کی ہر قسم کی ایذا دہیوں کے باوجود ان کی بہتری کا خیال رہتا تھا۔ اور میں نے خود مولوی محمد حسین صاحب سے نہ ایک مرتبہ بلکہ متعدد مرتبہ سنا کہ وہ کہا کرتے تھے "تم مرزا کو نہیں جانتے میں اب بھی ان کو جو کچھ کہوں گا کرالوں گا یہ مخالفت اور رنگ کی ہے" میں اس حق دوستی کی ایک اور مثال مولوی محمد حسین صاحب کے واقعات ہی میں لکھنے سے نہیں رہ سکتا۔

آخر میں مولوی صاحب کی حالت کچھ عجیب ہو گئی تھی۔ وہ اپنے رسالہ کی اشاعت کے لئے مختلف قسم کی مشکلات میں تھے۔ یہاں تک کہ کوئی کاتب ان کا رسالہ لکھ کر نہ دیتا تھا۔ اور جو کاپیاں انہوں نے لکھوائی ہوئی تھیں ان کی صحت اور درستی کے لئے بھی مشکلات تھیں۔ چھپوانا تو اور بھی مشکل تھا۔ انہوں نے جہاں تک مجھے یاد ہے مولوی ثناء اللہ صاحب کو لکھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے معاملات کے اصول پر مطالبہ کیا کہ وہ اجرت وغیرہ بھیج دیں تو ممکن ہے کہ وہ ان کا کام کرادیں مگر معلوم

نہیں کیوں مولوی صاحب نے اس کو پسند نہ کیا۔ انہوں نے مجھے پیغام دیا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کروں کہ منشی غلام محمد کاتب امرتسری سے جو ان ایام میں قادیان میں کام کرتے تھے۔ ان کا یہ کام کرادیں۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ

"ان کو کہدو کہ وہ اپنی کاپیاں اور مضمون لے کر آجاویں میں اپنا کام بند کر کے ان کا کام کرادوں گا۔ خواہ وہ میری مخالفت ہی میں ہو"۔

مولوی محمد حسین صاحب نے اس وقت حضرت مسیح موعود کی اس مہربانی کا خاص طور پر احساس کیا۔

مولوی محمد حسین صاحب نے جب مخالفت کا اظہار کیا اس وقت بھی آپؑ اپنے خطوط میں اس کو مخاطب کرتے ہوئے ان تعلقات کی رعایت رکھتے تھے۔ میں بعض خطوط سے چند فقرات یہاں دیتا ہوں تاکہ اندازہ ہو سکے۔

"اگرچہ میں آپ سے ان باتوں کی شکایت کروں تاہم مجھے بوجہ آپ کی صفائی باطن کے آپ سے محبت ہے اور اگر میں شناخت نہ کیا جاؤں تو میں سمجھوں گا کہ میرے لئے یہی مقدر تھا مجھے فتح اور شکست سے کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ عبودیت اور اطاعت سے غرض ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس خلاف میں آپ کی نیت بخیر ہوگی (اللہ رے! حسن ظن۔ عرفانی) مجھے اس سے کچھ غم اور رنج نہیں کہ آپ جیسے دوست مخالفت پر آمادہ ہوں"۔ .... "اب مجھے آپ کی ملاقات کے لئے صحت حاصل ہے اگر آپ بٹالہ آجائیں تو اگرچہ میں بیمار ہوں اور دوران سر اس قدر ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی تاہم افتاں و خیزاں آپ کے پاس پہنچ سکتا ہوں بقول رنگین ؂

وہ نہ آوے تو تو ہی چل رنگیں اس میں کیا تیری شان جاتی ہے"

میر عباس علی صاحب لودہانوی

میر عباس علی صاحب لودہانوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان مخلص خدام میں سے تھے جو اشاعت براہین کے عہد میں خدا تعالیٰ نے آپ کو دیئے تھے۔ اور اس زمانہ میں جس ہمت اور جوش کے ساتھ انہوں نے خدمت کی وہ بے شک قابل قدر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا پنہانی معصیت اور نخوت تھی جس نے آخر ان کو الگ کر دیا۔ مسیح موعود کے دعویٰ کی اشاعت کے وقت ان کو ابتلا آیا۔ اسی طرح پر جیسے مولوی محمد حسین صاحب اس وقت الگ ہوئے۔ میر صاحب کا یہ ابتلا بھی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی پیش گوئی کے مطابق تھا۔ (جیسا کہ ان مکتوبات میں درج ہے جو میر صاحب کے نام کی میں نے چھاپی ہیں۔ عرفانی)

لیکن باوجود اس کے کہ میر صاحب نے مخالفت کا اعلان کیا اور اس مخالفت میں حد ادب اور رعایت اخلاق سے بھی وہ نکل گئے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کسی تحریر یا تقریر میں ان کے تعلق کے عہد کو فراموش نہ کیا۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جالندھر کے مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام میر صاحب کو سمجھا رہے تھے اور اس فروتنی اور انکسار کے ساتھ کہ ایک سنگدل اور خشونت طبع والا انسان بھی اگر قبول نہ کرے تو کم از کم اس کے کلام میں نرمی اور متانت آجانی چاہیئے حضرت مسیح موعود جب بھی اس سے خطاب کرتے تو میر صاحب۔ جناب میر صاحب! کہہ کر مخاطب کرتے اور فرماتے کہ آپ میرے ساتھ چلیں میرے پاس کچھ عرصہ رہیں خدا تعالیٰ قادر ہے کہ آپ پر حقیقت کھول دے مگر میر صاحب کی طبیعت میں باوجود صوفی ہونے کے خشونت اور تیزی آجاتی تھی۔ اور ادب اور اخلاق کے مقام سے الگ ہو کر حضرت سے کلام کرتے تھے۔ مگر بایں حضرت صاحب نے اپنے طرز خطاب کو نہ بدلا"۔

آسمانی فیصلہ کے اخیر میں میر صاحب کے متعلق ایک مبسوط تحریر موجود ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس محبت اور دلسوزی سے آپ نے خطاب کیا ہے۔

ہندوؤں اور غیر قوموں سے تعلقات

اسی طرح پر آپ کے جو تعلقات ہندوؤں یا دوسری اقوام کے ساتھ تھے جہاں تک تمدنی اخلاق کا تعلق ہے آپ نے ہمیشہ ان کو نہایت خوبی اور عمدگی سے نبھایا اور کبھی موقع نہ دیا کہ ان کو قطع کر دیا جاوے۔ قادیان کے آریوں میں سے لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت رائے سے تعلقات تھے لالہ شرمپت رائے تو فوت ہو گئے مگر ابھی ملاوامل صاحب زندہ ہیں۔ باوجودیکہ مذہبی امور میں سخت مخالفت تھی۔ اور یہ لوگ سلسلہ کی مخالفت میں اپنے ہم قوم اور ہم خیال لوگوں کے ساتھ ہوتے تھے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی اس قسم کی مخالفت کو مدنظر رکھ کر کبھی ان سے ناراضی کا اظہار نہ کیا اور نہ ان تعلقات کو کبھی کم کیا۔ برابر ان کی آمد و رفت جاری تھی۔ اور جو خصوصیت ان کو ہمیشہ حاصل تھی وہ حاصل رہی کہ جس وقت چاہتے آکر آپ سے ملتے اور اپنی ضرورتوں کا اظہار کرتے۔ اسی طرح پر ایام طالب علمی کے زمانہ سے لالہ بھیم سین صاحب سے آپ کی واقفیت اور دوستی تھی۔ پھر سیالکوٹ میں جب آپ کو رہنے کا موقع ملا تو لالہ بھیم سین صاحب بھی وہیں تھے۔ اور اس طرح پر ان کے ساتھ ایک خُلّت کے تعلقات کا رنگ تھا۔ لالہ صاحب آپ کی بے لوث زندگی اور مخلصانہ دوستی کے ہمیشہ مداح اور آپ کی خدا پرستی اور مقرب باللہ ہونے کے قائل تھے۔ ایک دوسرے کی ضرورتوں اور رنج و راحت میں ہمیشہ شریک رہتے۔

چنانچہ جن دنوں گورداسپور میں مقدمات کا ایک سلسلہ جاری تھا۔ لالہ بھیم سین صاحب نے اپنے قابل فرزند لالہ کنور سین صاحب ایم۔اے حال جج جموں کی خدمات بطور قانونی مشیر کے پیش کی تھیں۔ چونکہ وکلاء کام کر رہے تھے حضرت نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔ میں جانتا ہوں کہ لالہ کنور سین صاحب کے دل میں بھی اس عہد دوستی کی ایک عظمت باقی ہے۔

بہرحال آپ نے ہمیشہ اس عہد دوستی کی رعایت رکھی اور کسی کو موقعہ نہیں دیا

کہ ان کی طرف سے تعلقات قطع ہوں۔ اور اس عہد دوستی کی قدر و منزلت کو قائم رکھا۔ اور جہاں تک ممکن ہوا ان کے ساتھ ہر قسم کے احسان و مروت کے سلوک کو جاری رکھا۔ جب کسی ایسے شخص نے مخالفت بھی کی تو اس کو دوسرے معاملات کے ساتھ ملانا آپ نے پسند نہ کیا۔ اپنی دلی ہمدردی اور غم گساری کو ان کے ساتھ اپنے اعمال سے ثابت کیا۔

غیرت دینی

غصہ اور غیرت دینی

غصہ اور غیرت دینی دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ بعض لوگ ان میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے غلطی کھاتے ہیں اور وہ صحیح اندازہ حسن اخلاق کا نہیں کر سکتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جہاں ایک طرف غصہ کے اس ناپاک جذبہ سے پاک تھے۔ جو انسان میں نخوت و تکبّر اور انانیت کے جراثیم پیدا کرتا ہے۔ وہاں آپ کی فطرت میں غیرت دینی کا اس قدر زبردست جذبہ تھا کہ آپ ایسے موقعہ پر ہر قسم کے تعلقات کو قربان کر دینے کو تیار ہوتے تھے۔ اور محبت اور نرمی کا کوئی اثر اس وقت دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔

آپ کبھی کسی شخص پر اپنے ذاتی کام اور ذاتی نقصان کی وجہ سے ناراض نہیں ہوئے اور کوئی ایسی مثال پائی نہیں جاتی لیکن جب کوئی مقابلہ دین کا پیش آجاوے تو آپ اس موقعہ پر کبھی اس کو نظر انداز نہ کرتے تھے۔ اور اس معاملہ میں وہ کبھی کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے خواہ وہ کتنا ہی عزیز اور رشتہ داری کے تعلقات رکھنے والا کیوں نہ ہو۔ یہ ناممکن تھا کہ آپ آنحضرت ﷺ کے خلاف یا قرآن مجید کے خلاف کوئی بات سن سکیں۔

اس معاملہ میں ان لوگوں کو آپ مستثنیٰ کرتے تھے جو اسلام کے پہلے سے مخالف ہیں جیسے آریہ یا عیسائی وغیرہ ان کو اعتراض کا موقعہ دیتے اور اس کا جواب دیتے اس صورت میں آپ کی غیرت دینی کا اقتضا یہ ہوتا تھا کہ کوئی ایسا اعتراض بلاجواب نہ

چھوڑتے تھے۔ اور مختلف طریقوں سے اس کا جواب دیتے تھے لیکن اگر کوئی مسلمان کہلا کر کبھی ایسی بات کہہ دیتا یا کوئی ایسا فعل کرتا جس سے کسی نہ کسی پہلو سے قرآن مجید یا نبی کریم ﷺ کی تحقیر یا ہتک ہوتی ہو تو آپ اس کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور باوجود اس کے کہ آپ کسی پر غصہ ہونا نہ جانتے تھے۔ شدید رنج کا اظہار کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کو جو محبت اور عشق تھا اس کی نظیر نہیں ملتی چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم   گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

آپ کے کلام کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت نبی کریم ﷺ کا کہیں نام اور ذکر آتا ہے اس وقت آپ کی حالت بالکل اور ہو جاتی ہے محبت اور فدائیت کا ایک سمندر ہے جو موجیں مار رہا ہے۔ عربی۔ فارسی۔ اردو میں جو مدح آپ نے نبی کریم ﷺ کی کی ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔ غرض دنیا کی تمام محبوب ترین چیزوں میں سے آپ کو حضرت نبی کریم ﷺ کا وجود باجود بہت پیارا تھا اور وہ اس محبت اور پیار کو اس وقت سے رکھتے جبکہ شیر خوار تھے خود فرماتے ہیں

عشق تو دارم ازاں روز یکہ بودم شیر خوار

اور اس محبت اور عشق کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے لئے اس قدر غیرت اور جوش پیدا ہو گیا تھا کہ اس کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کو ہمیشہ آمادہ رہتے تھے۔ یہ محبت یہ عشق ایک معرفت کا مقام تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حسن و احسان کو جس رنگ میں آپ نے ظاہر کیا ہے تیرہ سو سال کے اندر اس کی نظیر نہیں ملتی۔ غرض اس غیرت دینی نے ہمیشہ اپنے وقت پر اپنا جلوہ دکھایا اور یہ ظہور آپ کی بعد بعثت اور قبل بعثت یکساں تھا جیسا کہ میں واقعات سے بتاتا ہوں۔

اپنی حقیقی چچی کے ہاں جانا چھوڑ دیا

ابھی حضرت مسیح موعود کا دنیا میں کوئی دعویٰ نہ تھا بلکہ دنیا آپ کو نہ جانتی تھی۔ براہین احمدیہ بھی ابھی لکھی جانی شروع نہ ہوئی تھی۔ حضرت مسیح

موعود کے ایک چچا مرزا غلام حیدر مرحوم تھے یہ وہی مرزا غلام حیدر مرحوم تھے جن کے مکان میں آج حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رہتے ہیں۔ ان کی اہلیہ بی بی صاحب جان تھیں ایک مرتبہ ان کے منہ سے حضرت نبی کریم ﷺ کی شان میں کوئی بے ادبی کا کلمہ نکل گیا باوجود اس احترام کے جو آپ بزرگوں کا کرتے تھے اس بات کا اثر آپ کی طبیعت پر اس قدر ہوا اور اس قدر بے تابی آپ کے قلب میں پیدا ہوئی کہ اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک سے نمایاں تھا۔ وہ غصہ سے تمتما رہا تھا۔ اس حالت میں آپ کا کھانا بھی چھوٹ گیا محض اس لئے کہ

حضرت نبی کریم ﷺ کی شان میں کیوں بے ادبی ہوئی

اس قدر رنج آپ کو ہوا کہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ مخدومی خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب پنشنر جو اس روایت کے راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ حضرت صاحب کو بہت ہی غصہ تھا اور انہوں نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر ان کے ہاں کا کھانا پینا ترک کر دیا۔ یہ ایک ہی واقعہ آپ کی زندگی میں نہیں گذرا بلکہ اس قسم کے متعدد واقعات آپ کی زندگی میں ملتے ہیں جن میں غیرت دینی کی شان نمایاں ہے۔

اقارب سے قطع تعلق

یہ ایک ہی مثال اس امر کی نہیں ہے کہ آپ نے محض غیرت دینی کے جوش سے ایک عزیز سے قطع تعلق کر لیا ہو بلکہ جب کبھی ایسا موقعہ پیش آیا آپ نے اس کی پروا نہیں کی۔ آپ کے چچا زاد بھائی مرزا امام الدین صاحب کی مجلس میں اسلام سے ہنسی ہوتی تھی اور وہ خود بھی ایسے الفاظ و کلمات اپنی زبان سے نکال دیتے تھے۔ جس سے تحقیر دین متین ہو ان باتوں کو دیکھ کر آپ نے ان لوگوں سے قطع تعلق کر لیا اور آخری وقت تک اس پر قائم رہے۔ ان سے کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی۔ بلکہ اگر کبھی کسی موقعہ پر ان کو تکلیف میں مبتلا دیکھتے یا وہ اپنی کسی مالی ضرورت کے وقت تحریک کرتا تو آپ نے کبھی اس سے مضائقہ نہ کیا اور ان کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا۔ یہ ایسے واقعات

ہیں جس کو قادیان کے لوگ عموماً جانتے ہیں۔

پنڈت لیکھرام کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود فیروزپور سے قادیان کو آرہے تھے ان ایام میں حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم فیروزپور میں مقیم تھے اور اس تقریب پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام وہاں گئے ہوئے تھے۔ خاکسار عرفانی کو (جو ان ایام میں محکمہ نہر میں امیدوار ضلعداری تھا اور رکھانوالہ میں حافظ محمد یوسف ضلعدار کے ساتھ رہ کر کام سیکھتا تھا) بھی فیروزپور جانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ جب وہاں سے واپس آئے تو میں رائے ونڈ تک ساتھ تھا۔ وہاں آپ نے ازراہ کرم فرمایا۔ کہ تم ملازم تو ہو ہی نہیں چلو لاہور تک چلو۔ عصر کی نماز کا وقت تھا آپ نماز پڑھنے کے لئے تیار ہوئے۔ اس وقت وہاں ایک چبوترہ بنا ہوا کرتا تھا۔ مگر آج کل وہاں ایک پلیٹ فارم ہے۔ میں پلیٹ فارم کی طرف گیا تو پنڈت لیکھرام آریہ مسافر جو ان ایام میں پنڈت دیانند صاحب کی لائف لکھنے کے کام میں مصروف تھا جالندھر جانے کو تھا کیونکہ وہ غالباً وہاں ہی کام کرتا تھا مجھ سے اس نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو میں نے حضرت اقدس کی تشریف آوری کا ذکر سنایا تو خدا جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ بھاگا ہوا وہاں آیا جہاں حضرت اقدس وضو کر رہے تھے۔ (میں اس نظارے کو اب بھی گویا دیکھ رہا ہوں۔ عرفانی) اس نے ہاتھ جوڑ کر آریوں کے طریق پر حضرت اقدس کو سلام کہا مگر حضرت نے یونہی آنکھ اٹھا کر سرسری طور پر دیکھا اور وضو کرنے میں مصروف رہے اس نے سمجھا کہ شاید سنا نہیں اس لئے اس نے پھر کہا۔ حضرت بدستور اپنے استغراق میں رہے۔ وہ کچھ دیر ٹھہر کر چلا گیا۔ کسی نے کہا کہ لیکھرام سلام کرتا تھا فرمایا۔

"اس نے آنحضرت ﷺ کی بڑی توہین کی ہے۔ میرے ایمان کے خلاف ہے کہ میں اس کا سلام لوں۔ آنحضرت ﷺ کی پاک ذات پر تو حملے کرتا ہے اور مجھ کو سلام کرنے آیا ہے"۔

غرض آپ نے اظہار غیرت کیا اور پسند نہ کیا وہ شخص جو آنحضرت ﷺ کی ہتک کرتا ہے میں اس کا سلام بھی لوں۔

جنگ مقدس میں اس خلق کا اظہار

اسی سال ۱۸۹۳ء میں امرتسر کے مقام پر عیسائیوں سے مباحثہ ہوا جس کا نام جنگ مقدس رکھا گیا ڈاکٹر پادری مارٹن کلارک نے چائے کی دعوت پر آپ کو اور آپ کے خدام کو بلانا چاہا۔ آپ نے محض اس بنا پر صاف انکار کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی تو بے ادبی کرتے ہیں اور نعوذ باللہ آپؐ کو جھوٹا کہتے ہیں اور مجھے چائے کی دعوت دیتے ہیں میں نہیں پسند کرتا۔ ہماری غیرت تقاضا ہی نہیں کرتی کہ ان کے ساتھ مل کر بیٹھیں سوائے اس کے کہ ہم ان کے غلط عقاید کی تردید کریں۔

لاہور آریہ سماج کا واقعہ

آپ کی زندگی کے آخری سال ۱۹۰۷ء میں لاہور میں آریہ سماج کا جلسہ تھا۔ اس جلسہ میں انہوں نے ایک مذہبی کانفرنس کی۔ اور مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اپنا مضمون بھیجنے کی دعوت دی چنانچہ آپ نے وہ مضمون لکھا جو چشمہ معرفت کے اوّل میں چھپا ہوا ہے۔

اس مضمون کے سنانے کے لئے حضرت حکیم الامت خلیفہ اولؓ مامور ہوئے اور ایک جماعت آپ کے ساتھ بھیجی گئی۔ آریوں نے اپنی نوبت پر آنحضرت ﷺ کی شان میں دل آزار کلمات بولے آپ نے جب یہ سنا کہ ہماری جماعت کے لوگ ان کلمات کو سن کر بیٹھے رہے تو آپ نے اظہار ناراضگی فرمایا

کہ کیوں جماعت کے لوگ وہاں بیٹھے رہے

باوجودیکہ حضرت حکیم الامت کا آپ بہت احترام فرماتے تھے اور ان سے بہت محبت رکھتے تھے مگر اس فرد گذاشت میں جو حاضرین مجلس سے ہوئی تھی آپ نے کسی کی پروا نہ کی اور اظہار ناراضگی فرمایا۔ حضرت خلیفہ ثانی بھی اس وفد میں شریک تھے

اور وہ اس وقت وہاں سے آنا بھی چاہتے تھے۔ مگر ایک دوست نے کہہ دیا کہ راستہ نہیں ہے (اور فی الواقع نہیں تھا) ان کو بھی اٹھنے نہ دیا۔ باوجودیکہ آپ کو بہت محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر یہ غلطی ان کی بھی قابل معافی نہ سمجھی گئی اور ان سے جواب طلب کیا گیا کہ

کیوں تم اس مجلس سے نہ اٹھ آئے جہاں حضرت نبی کریم ﷺ کی ہتک ہوئی تھی

کاش وہ جو عداوت اور مخالفت کی نظروں سے آپ کو اور آپ کے سلسلہ کو دیکھتے ہیں ان واقعات پر غور کریں اور دیکھیں کہ کیا وہ شخص جو آنحضرت ﷺ کی محبت میں اس قدر فنا اور گمشدہ ہے۔ وہ انسان جو آپ کے لئے اس قدر غیرت اور جوش رکھتا ہے کہ اپنے عزیزوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے محض اس بنا پر کہ ان میں سے کسی نے دانستہ یا نادانستہ سوء ادبی کی وہ جو اپنے اخص مخلص اور وفادار اور جان نثار دوست اور خدا تعالیٰ کی بشارت کے ایک موعود بیٹے اور اپنی جماعت کے بعض لوگوں پر محض اس لئے ناراض ہو جاتا ہے کہ کیوں انہوں نے اس مجلس کو نہیں چھوڑا جس میں آنحضرت ﷺ کی شان کے خلاف بے ادبی کے کلمات بولے گئے۔ وہ اسلام کا حقیقی پرستار اور خیر خواہ ہے یا دشمن!

غور کرو اور سوچو!

میں اس باب کو ایک اور واقعہ کے بیان کے بعد ختم کر دیتا ہوں۔

صاحبزادہ مبارک احمد (اللھم اجعلہ لنا فرطا) کا واقعہ

حضرت صاحبزادہ مبارک احمد

صاحب آپ کے چوتھے اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے (جو خدا تعالیٰ کی وحی کے موافق فوت ہو گئے اور مقبرہ بہشتی میں ان کا مزار ہے) ہر بچہ اپنے ماں باپ کو پیارا ہوتا ہے قدرتی طور پر مبارک احمد کو حضرت صاحب بہت پیار کرتے تھے۔ وہ خدا تعالیٰ کی

آیت تھا اس سے ایک مرتبہ قرآن مجید کے متعلق سہوا" ایک بے ادبی ہو گئی قرآن مجید ان سے گر گیا تھا۔ حضرت اقدس نے جب دیکھا تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ شخص گویا بالکل بدل گیا تھا۔ باوجودیکہ آپ بچوں کو تعلیمی معاملات میں سزا دینے کے بہت خلاف تھے مگر اس کو برداشت نہ کر سکے اور مبارک احمد کو ایک تھپڑ مارا جس سے نشان ہو گیا۔ اور اظہار رنج فرمایا کہ قرآن مجید کی بے ادبی ہوئی ہے۔ وہ بچہ ہے ابھی ان آداب سے واقف نہیں لیکن آپ اس کو برداشت نہیں کر سکتے اور چاہتے ہیں کہ کوئی حرکت کسی سے دانستہ یا نادانستہ ایسی سرزد نہ ہو جو استخفاف شریعت یا آنحضرت ﷺ یا قرآن مجید کی ہتک اور تحقیر کا موجب ہو۔

غرض آپ کی زندگی میں جب کبھی ایسا موقع آیا آپ نے غیرت دینی کا اظہار پورے جوش سے فرمایا آپ کو لوگوں نے گالیاں دیں۔۔ ہر قسم کی تحقیر کی۔ سامنے بیٹھ کر برا بھلا کہا۔ آپ کو کبھی غصہ نہیں آیا اور آپ نے عفو و کرم کا اظہار کیا مگر جو امر آپ کی برداشت سے باہر تھا وہ ایک ہی تھا کہ

آنحضرت ﷺ کی تحقیر نہ سن سکتے تھے

یہ واقعات غیرت دینی کے اظہار کی ایک شان ہیں غیرت دینی کے اظہار کا ایک دوسرا رنگ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام اور آنحضرت ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف کوئی اعتراض آپ سن نہ سکتے تھے اور فوراً اس کے جواب کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ اس کا بیان دوسرے موقعہ پر ہو گا۔

بیماری اور تیمارداری

عیادت اور تعزیت کے سلسلہ میں یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے اس حصہ کو پیش کروں جو بیماری اور تیمارداری کی حالتوں میں آپ کے اخلاق اور کیریکٹر کو ظاہر کرتا ہے۔ انسان بیمار ہوتا ہے اور اس

کے متعلقین احباب عزیز و اقربا میں سے بھی بعض بیمار ہوتے ہیں اور اس کو ان کی تیمارداری کرنی پڑتی ہے ان دونوں حالتوں میں اس کے اندرونی اخلاق اور ایمانی کیفیات کا جو منظر سامنے آتا ہے۔ وہ دوسری حالتوں میں ممکن نہیں۔ مجھ کو خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں دونوں قسم کے موقع دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے مگر قبل اس کے کہ میں ان واقعات کا ذکر کروں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ نے آپ کی سیرت کے اس پہلو پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے یہاں درج کروں آپ فرماتے ہیں :-

"ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ آپ کو سخت درد سر ہو رہا تھا اور میں بھی اندر آپ کے پاس بیٹھا تھا اور پاس حد سے زیادہ شور و غل برپا تھا۔ میں نے عرض کیا جناب کو اس شور سے تکلیف تو نہیں ہوتی۔ فرمایا ہاں اگر چپ ہو جائیں تو آرام ملتا ہے۔ میں نے عرض کیا تو جناب کیوں حکم نہیں کرتے۔ فرمایا آپ ان کو نرمی سے کہہ دیں۔ میں تو کہہ نہیں سکتا۔ بڑی بڑی سخت بیماریوں میں الگ ایک کوٹھڑی میں پڑے ہیں اور ایسے خاموش پڑے ہیں کہ گویا مزہ میں سو رہے ہیں۔ کسی کا گلہ نہیں کہ تو نے ہمیں کیوں نہیں پوچھا۔ اور تو نے ہمیں پانی نہیں دیا اور تو نے ہماری خدمت نہیں کی۔

" میں نے دیکھا ہے کہ ایک شخص بیمار ہوتا ہے اور تمام تیماردار اس کی بدمزاجی اور چڑچڑا پن سے اور بات بات پر بگڑ جانے سے پناہ مانگ اٹھتے ہیں اسے گالی دیتا ہے۔ اسے گھورتا ہے اور بیوی کی تو شامت آجاتی ہے۔ بیچاری کو نہ دن کو آرام اور نہ رات کو چین۔ کہیں تکان کی وجہ سے ذری اونگھ گئی ہے۔ بس پھر کیا۔ خدا کی پناہ آسمان کو سر پر اٹھا لیا۔ وہ بیچاری حیران ہے۔ ایک تو خود چور چور ہو رہی ہے۔ اور ادھر یہ فکر لگ گئی ہے کہ کہیں مارے غضب و غیظ کے اس بیمار کا کلیجہ پھٹ نہ جائے

غرض جو کچھ بیمار اور بیماری کی حالت ہوتی ہے خدا کی پناہ کون اس سے بے خبر ہے۔ برخلاف اس کے سالہا سال سے دیکھا اور سنا ہے کہ جو طمانیت اور جمعیت اور کسی کو بھی آزار نہ دینا حضرت کے مزاج مبارک کو صحت میں حاصل ہے۔ وہی سکون حالت بیماری میں بھی ہے اور جب بیماری سے افاقہ ہوا معا" وہی خندہ روئی اور کشادہ پیشانی اور پیار کی باتیں۔ میں بسا اوقات عین اس وقت پہنچا ہوں جبکہ ابھی ابھی سردرد کے لمبے اور سخت دورہ سے آپ کو افاقہ ہوا۔ آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا ہے تو مسکرا کر دیکھا ہے اور فرمایا ہے اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا آپ کسی بڑے عظیم الشان دلکشا نزہت افزا باغ کی سیر سے واپس آئے ہیں جو یہ چہرہ کی رنگت اور چمک دمک اور آواز میں خوشی اور لذت ہے۔ میں ابتدائے حال میں ان نظاروں کو دیکھ کر بڑا حیران ہوتا تھا۔ اس لئے کہ میں اکثر بزرگوں اور حوصلہ اور مردانگی کے مدعیوں کو دیکھ چکا تھا کہ بیماری میں کیا چولہ بدل لیتے ہیں اور بیماری کے بعد کتنی کتنی مدت تک ایسے سڑیل ہوتے ہیں کہ الامان۔ کسی کی تقصیر آئی ہے جو بھلے کی بات منہ سے نکال بیٹھے۔ بال بچے بیوی دوست کسی اوپرے کو دور سے ہی اشارہ کرتے ہیں کہ دیکھنا کالا ناگ ہے نزدیک نہ آنا۔ اصل بات یہ ہے کہ بیماری میں بھی ہوش و حواس اور ایمان اسی ٹھکانے رہتا ہے جو صحت کی حالت میں مستقیم الاحوال ہو اور دیکھا گیا ہے کہ بہت سے تندرستی کی حالت میں مغلوب الغضب شخص بیماری میں خالص دیوانے اور شدت جوش سے مصروع ہو جاتے ہیں۔ حقیقت میں ایمان و عرفان اور استقامت کے پرکھنے کے لئے بیماری بڑا بھاری معیار ہے جیسے سکر اور خواب میں بڑبڑانا اور خواب دیکھنا حقیقی تصویر انسان کی دکھا دیتا ہے۔ بیماری بھی مومن اور کافر اور دلیر اور بزدل کے پرکھنے کے لئے ایک کسوٹی

ہے۔ بڑا مبارک ہے وہ جو صحت کی حالت میں جوش اور جذبات نفس کی باگ کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیتا۔"

" برادران! چونکہ موت یقینی ہے اور بیماریاں بھی لابدی ہیں کوشش کرو کہ مزاجوں میں سکون اور قرار پیدا ہو۔ اسلام پر خاتمہ ہونا۔ جس کی تمنا ہر مسلمان کو ہے۔ اور جو امید و بیم میں معلق ہے اسی پر موقوف ہے کہ ہم صحت میں ثبات و تثبیت اور استقامت و اطمینان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ اس خوفناک گھڑی میں جو حواس کو سراسیمہ کر دیتی اور عقاید اور خیالات میں زلزلہ ڈال دیتی ہے تثبیت و قرار دشوار ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ یہ تثبیت یہی ہے جو میں حضرت خلیفتہ اللہ کی سیرت میں دکھا چکا ہوں۔ وہ انسان اور کامل انسان جس پر اس دنیا کی آگ اس دنیا کی آفات اور مکروہات کی آگ یہاں کچھ بھی اثر نہیں کر سکی وہ وہی مومن ہے جسے دوزخ کہے گی کہ اے مومن گزر جا۔ کہ تیرے نور نے میری نار کو بجھا دیا ہے۔ اے بہشت کو دونوں جیبوں میں اسی طرح موجود رکھنے والے برگزیدۂ خدا جس طرح آج کل لوگ جیبوں میں گھڑیاں رکھتے ہیں تو یقیناً خدا سے ہے۔ ہاں تو اس کثیف اور مکروہ دنیا کا نہیں ورنہ وجہ کیا کہ یہ دنیا اپنی آفات و امتحانات کے پہاڑ تیرے سر پر توڑتی ہے اور وہ یوں تیرے اوپر سے ٹل جاتے ہیں جیسے بادل سورج کی تیز شعاعوں سے پھٹ جاتے ہیں۔ لاکھوں انسانوں میں یہ تیرا نرالا قلب اور فوق العادت جمعیت اور سکون اور ٹھہرا ہوا مزاج جو تجھے بخشا گیا ہے۔ یہ کس بات کی دلیل ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تو صاف نتھر کر پہچانا جائے کہ تو زمینی نہیں ہے بلکہ آسمانی ہے۔ آہ! اس زمین کے فرزندوں نے تجھے نہیں پہچانا۔ حق تو یہ تھا کہ آنکھیں تیری راہ میں فرش کرتے اور دلوں میں

جگہ دیتے کہ تو خدا کا موعود خلیفہ اور حضرت خاتم النّبیّین ﷺ کا خادم اور اسلام کو زندہ کرنے والا ہے"۔

(سیرت مسیح موعود حضرت مولانا عبدالکریم سیالکوٹی صفحہ ۲۲ تا ۲۵)

حقیقت میں بیماری انسان کی ایمانی اور قلبی کیفیت کے جانچنے کے لئے ایک امتحان ہوتا ہے۔ اور بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو اس امتحان میں پاس ہوتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دوران سر کی عام شکایت تھی اور دوسرے لوگ شناخت بھی نہ کر سکتے تھے۔ بعض اوقات مجلس میں بیٹھے ہوئے بھی دورہ ہو جاتا تھا۔ مگر کبھی آپ کی زبان سے ہائے وائے نہیں سنا گیا بلکہ اگر کوئی آواز آتی تھی تو سبحان اللہ۔

عزم اور ہمت اتنی بلند تھی کہ جونہی اس سے ذرا سا بھی افاقہ ہوتا پھر بدستور کام میں مصروف ہو جاتے اور شاداں و فرحاں باہر آتے۔ اور کبھی آپ کے چہرہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ بیماری کے ایک شدید حملہ اور دورہ سے نکل کر آئے ہیں۔ بیماری کے مختلف حملے آپ پر ایام بعثت سے پہلے بھی ہوئے ہیں اور بعد میں بھی۔ لیکن کبھی اور کسی حال میں آپ کے طرز عمل میں تبدیلی نہیں ہوئی۔

قولنج زحیری سے بیمار ہوئے

۱۸۸۰ء میں آپ قولنج زحیری سے بیمار ہوئے۔ سولہ دن تک برابر خون کے دست آتے رہے۔ اور سخت تکلیف تھی۔ مگر باوجود اس سخت تکلیف اور شدت کرب کے نہ تو آپ کے منہ سے کوئی ایسا کلمہ نکلا جو خدا تعالیٰ کے شکوہ کا ہو۔ یا بے صبری ظاہر ہوتی ہو بلکہ مستقل مزاجی کے ساتھ پڑے رہے اور خدا تعالیٰ کی حمد کرتے رہے۔ گھر والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اس مرض سے اب جانبر نہ ہونگے۔ بٹالہ سے مولوی محمد حسین صاحب کے والد شیخ رحیم بخش صاحب عیادت کے لئے آئے اور انہوں نے یہ کہہ کر اور بھی ڈرایا کہ یہ بیماری آج کل وباء کے طور پر پھیلی ہوئی ہے میں بٹالہ میں ایک جنازہ پڑھ کر آرہا ہوں۔ جو اسی بیماری سے فوت ہوا ہے اور

قادیان میں میاں فضل الدین حجام کا والد میاں محمد بخش اسی بیماری سے حضرت صاحب کے ساتھ ہی بیمار ہوا تھا اور آٹھویں دن فوت ہو گیا مگر حضرت سولہ دن تک یہ تکلیف اٹھاتے رہے اور آخر حالت یہ ہو گئی کہ آپ چارپائی سے اٹھ نہ سکتے تھے اور بالکل نومیدی کی حالت نمودار ہوئی اور عزیزوں نے تین مرتبہ سورۃ یٰسین بھی سنائی۔ آپ کو اگرچہ تاب گویائی نہ تھی تاہم آپ کے ہونٹ ہلتے معلوم ہوتے تھے اور آپ تسبیح میں لگے ہوئے تھے اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر القا کیا کہ دریا کی ریت جس کے ساتھ پانی بھی ہو تسبیح اور درود کے ساتھ اپنے بدن پر ملو چنانچہ ریت منگوائی گئی اور آپ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم اور درود شریف کے ساتھ وہ ریت ملتے تھے۔ اور جوں جوں ملتے جاتے تھے بدن آگ میں سے نجات پاتا جاتا تھا اور صبح تک وہ مرض بالکل دور ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی الہام ہوا ”وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِشِفَاءٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ“ یہ واقعہ آپ کی بعثت سے پہلے کا ہے اور ابھی تک اس کے دیکھنے والے موجود ہیں آپ نے اپنی تصانیف میں بھی اسے شائع کیا ہے۔

غرض بیماروں میں جو چڑچڑاپن، گھبراہٹ اور بیقراری ہوتی ہے وہ آپ میں کبھی نہیں پائی گئی۔ عام طور پر آپ کی حالت یہ تھی کہ بیماری میں خاموش پڑے رہتے تھے۔ اور خدا کی تحمید اور تسبیح کرتے رہتے یا درود شریف پڑھتے رہتے۔

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ اس وقت کی حالت ہے جبکہ آپ پبلک میں نہ آئے تھے اور گردوپیش لوگوں کا ہجوم نہ تھا۔ مگر یہ بات غلط ہے آپ کی حالت کی تبدیلی نے آپ کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس وقت بھی آپ ایک بڑے کنبہ کے ایک فرد تھے۔ اور آپ کا خاندان ذی وجاہت اور نوکروں چاکروں کی کبھی کمی نہ تھی۔ مگر آپ کی خلوت پسند طبیعت نے کبھی یہ گوارا ہی نہیں کیا۔ مزاج میں ایک قسم کا سکون تھا۔ اور بیماری میں بے قراری اور بے تابی آپ کے پاس نہ آتی تھی۔

زمانہ بعثت کے بعد کی علالت

مبعوث ہونے کے بعد جبکہ لوگوں کی آمد و رفت زیادہ ہو گئی تب بھی آپ کی یہی حالت تھی۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی کے موافق دو زرد چادروں میں تو آپ ہمیشہ رہتے ہی تھے۔ یعنی دوران سر اور ذیابیطس کی شکایت رہتی تھی۔ مگر ان بیماریوں کے باوجود اپنے کاروبار میں ہمیشہ مصروف رہتے بلکہ سچ یہ ہے کہ جس قدر بڑی بڑی کتابیں آپ نے تصنیف فرمائی ہیں وہ انہیں بیماریوں کے حملے میں۔

آپ ہمیشہ اپنی بیماری کو خدا تعالیٰ کی کسی عظیم الشان مصلحت کا نتیجہ یقین کرتے تھے۔ اور بیماری میں آپ کی توجہ دعا اور خدا تعالیٰ کی طرف بے حد مبذول ہو جاتی تھی۔ نہ یہ کہ خود دعا کیا کرتے بلکہ دوسرے دوستوں کو بھی دعا کے لئے تحریک کرتے رہتے اور یہ ایک ایسا امر ہے جس سے آپ کا دعا پر یقین اور ایمان کامل ثابت ہوتا ہے۔

مئی ۱۹۰۲ء کے عشرہ اول میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر درد گردہ کی قسم کا ایک حملہ ہوا۔ یہ حملہ نہایت خطرناک تھا۔ حضرت حکیم الامت آپ کا علاج کر رہے تھے۔ مگر اس حملہ میں جو موت کے قریب پہنچا دینے والا تھا۔ کسی قسم کی جزع فزع ہائے وائے آپ کے منہ سے نہیں سنی گئی۔ آپ خود بھی دعا میں مصروف تھے اور خدام کو بھی آپ نے دعا کے لئے خاص طور پر تاکید کی۔ چنانچہ مسجد اقصیٰ میں خاص طور پر دعا کی گئی۔ اس وقت حالت ایسی ہو گئی تھی کہ گویا آخری وقت ہے۔ مگر آپ کی طرف سے کسی گھبراہٹ اور بے اطمینانی کا اظہار نہ تھا۔ حضرت مخدوم الملت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کو حکم دیا کہ باہر بھی دوستوں کو دعا کے لئے خطوط لکھیں۔ چنانچہ ۱۰ مئی ۱۹۰۲ء کو انہوں نے کچھ خطوط لکھ دئے مگر رات کو ہی آپ کی حالت میں ایک فوری تغیر ہوا۔ چنانچہ ۱۱ مئی ۱۹۰۲ء کو الحکم کا جو غیر معمولی نمبر میں نے شائع کیا اس میں حضرت مولوی صاحب نے آپ کے کلمات طیبات کو لکھا۔ جس سے آپ کی اس حالت ایمانی اور عرفانی کا پتہ لگتا ہے جو حالت مرض میں تھی۔ چنانچہ

فرماتے ہیں۔

”بہت سے مخلص دوستوں کو کل ہی کی ڈاک میں حضرت اقدس علیہ السلام کے حکم سے آپ کی علالت طبع کی نسبت خط لکھے تھے اور ان سے چاہا گیا تھا کہ وہ حضرت کی صحت و عافیت کے لئے دعا کریں۔ ان کے اور عام احباب کی اطلاع کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل نے مجھے عمدہ اور من ؛انا موقعہ دیا کہ میں ان کو بشارت دوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو رات سے پوری عافیت حاصل ہو گئی والحمد للہ۔ آج صبح خدا کی طرف سے وحی ہوئی ’خوشی کا مقام۔ نصر من اللہ وفتح قریب‘۔

”فرمایا یہ ہماری آمد ثانی ہے۔ اور فرمایا مسیح علیہ السلام کو صلیب کا واقعہ پیش آیا اور خدا تعالیٰ نے انہیں اس سے نجات دی۔ ہمیں بھی اس کی مانند صلب یعنی پیٹھ کے متعلقات کے درد سے وہی واقعہ جو پورا موت کا نمونہ تھا۔ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے عافیت بخشی اور فرمایا جس طرح توریت کا وہ بادشاہ جسے نبی نے کہا کہ تیری عمر کے پندرہ دن رہ گئے ہیں اور اس نے بڑی تضرع اور خشوع سے گریہ و بکا کیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس نبی کی معرفت اسے بشارت دی کہ اس کی عمر پندرہ روز کی جگہ پندرہ سال تک بڑھائی گئی اور معاً اسے ایک اور خوشخبری دی گئی کہ دشمن پر اسے فتح بھی نصیب ہو گی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی دو بشارتیں دی ہیں ایک عافیت یعنی عمر کی درازی کی بشارت۔ جس کے الفاظ ہیں خوشی کا مقام دوسری عظیم الشان نصرت اور فتح کی بشارت۔ فرمایا دشمنوں کی یہ آخری خوشی تھی اور فرمایا پرسوں طبیعت بالکل درست ہو گئی تھی مگر برف پینے کے سبب سے دوبارہ درد کی شدت زور پکڑ گئی۔ اور فرمایا میں نے اس میں غور کی کہ کیوں قضا و قدر نے مجھے اتنی برف پلا دی کہ جس سے خوفناک حد تک مرض کی نوبت پہنچ گئی مجھے اس میں کئی

اسرار معلوم ہوئے اول یہ کہ بعض دوستوں کے لئے مجھے ہنوز پر درد اور مخلصانہ دعا کرنی تھی۔ اور اس کا موقعہ وہی حزن اور کرب کی گھڑیاں تھیں۔ جو جاتی رہی تھیں۔ دوم بعض دوستوں کو ہمارے حق میں پر سوز اور مخلصانہ دعائیں کرنے کا ثواب ملنا تھا۔ سوم خدا نے چاہاکہ تھوڑی دیر کے لئے دشمن بھی خوش ہو لیں اور اس خوشی سے اپنے لئے وہ سامان پیدا کریں اور اس قضاو قدر کی تحریک کریں جو ان کے لئے مقدر ہے۔ چہارم بعض ثواب اور مدارج ہیں جن کا ملنا موقوف تھا ایسی نازک اور جان گداز حالت پر۔ اس بیماری کے اثناء میں جس چیز نے میرے ایمان کو بڑھایا۔ اور اس میں وہ نور بخشا وہ حضرت کا بار بار اپنے احباب کو دعا کی تاکید کرنا تھا۔ حضرت بار بار خدام کو عورتوں کو جو آپ کے گردو پیش جمع رہتیں اور باہر خدام کو بار بار کہتے اور کہلا کر بھیجتے کہ دعائیں کرو اور استغفار بہت پڑھو۔ کہ یہ ابتلا کا وقت ہے"۔

آپ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے بہت ڈرتے اور اس کے فضل کے لئے دعاؤں کو بہترین ذریعہ یقین کرتے تھے یہ آپ کی ایک بیماری کا نقشہ ہے۔ عام طور پر یہی حالت تھی۔ بیماری میں آپ کی توجہ الی اللہ بہت بڑھ جاتی تھی اور آپ عام طور پر فرمایا کرتے تھے کہ بیمار اقرب الی اللہ ہو تا ہے

ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ آپ بعد نماز مغرب حسب معمول شہ نشین پر تشریف فرما تھے۔ اور گرمی کا موسم تھا کہ آپ پر ضعف قلب کا دورہ ہوا۔ یکایک آپ کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوگئے۔ آپ نے مشک نکال کر (جو ہمیشہ رومال میں باندھ کر رکھا کرتے تھے) کھایا اور گرم پانی منگوایا گیا۔ جس میں پاؤں رکھے گئے۔ حملہ بہت سخت تھا۔ اس حالت کی خبر پیرا پہاڑیا (ملازم حضرت اقدس) کو بھی ہوئی۔ وہ بھاگا آیا اور اس کے پاؤں کیچڑ میں لت پت تھے۔ اسی حالت میں آگے چلا آیا۔ کسی نے اس کو روکنا چاہا مگر آپ نے فرمایا مت روکو وہ کیا جانتا ہے

کہ کیچڑ والے پاؤں سے فرش پر جانا ہے یا نہیں محبت سے آیا ہے آنے دو۔ اس وقت تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آپ سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے تھے۔ اور یہی آواز سننے میں آتی تھی۔ چہرہ پر طمانیت اور تسلی تھی اور اندر سے جب دریافت کیا جاتا اور باربار دریافت کیا جاتا تو آپ فرمادیتے دورہ ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھا ہوں فکر نہ کریں۔ قریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک برابر اسی طرح پر مالش وغیرہ ہوتی رہی تب آپ کی طبیعت درست ہوئی اور نماز ادا کر کے اندر تشریف لے گئے۔

ہم لوگ جو اردگرد بیٹھے تھے۔ اس حالت کو دیکھ کر بردا طراف ہو رہی تھی گھبرا رہے تھے مگر آپ کی طبیعت میں سکون اور اطمینان تھا۔

عام حالت

بیماری میں عام طور پر جس طرح آپ کی توجہ دعا کی طرف ہوتی تھی اور زیادہ زور دعاؤں ہی پر ہوتا تھا۔ دوا کی طرف بھی آپ توجہ کرتے تھے فوراً علاج کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اور تمسک بالا سباب کو بھی ضروری سمجھتے تھے۔ اور اس غرض کے لئے کبھی اس بات کی پروانہ کرتے تھے کہ اس علاج پر کیا خرچ ہوتا ہے جب آپ پر کسی بڑی بیماری کا حملہ ہوتا تھا تو وہ کسی بڑے عظیم الشان الہام کا پیش خیمہ ہوتی تھی۔ جنوری ۱۹۰۰ء کے اوائل میں مرزا امام الدین صاحب اور ان کے رفقا نے مسجد کا راستہ ایک دیوار کے ذریعہ بند کر دیا اس وقت آپ کو درد سر کا دورہ ہوا چنانچہ حضرت مخدوم الملت لکھتے ہیں۔

"حضرت اقدس کو کل معمولاً" درد سر تھا۔ اور ہم نے بھی عادتاً" یقین کر لیا تھا کہ تحریک تو ہو ہی گئی ہے اب خدا کا کلام نازل ہو گا۔ ظہر کے وقت آپ مسجد مبارک میں تشریف لائے۔ اور فرمایا درد سر بہت ہے دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھ لی جائیں۔ نماز پڑھ کر اندر تشریف لے گئے اور سلسلہ الہام شروع ہوا اور مغرب تک تار بندھا رہا۔ مغرب کو تشریف لائے اور الہام اور کلام الٰہی پر بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے کہ کس طرح خدا کا کلام نازل ہوتا ہے اور ملہم کو اس پر کیسا یقین ہوتا ہے کہ

یہ خدا تعالیٰ کے الفاظ ہیں اگر چہ دوسرے اس کی کیفیت سمجھ نہ سکیں"۔
(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ سیالکوٹی صفحہ ۵۶)

یہ الہامات اَلرَّحٰی یَدُوْرُ وَیَنْزِلُ الْقَضَآءُ سے شروع ہوتے ہیں ان ایام میں ہم اس کو الرحی کہا کرتے تھے۔ اور جس وقت یہ وحی الٰہی نازل ہوئی ہے حضرت سید فضل شاہ صاحبؓ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اور آپ کے پاؤں دباتے تھے۔ انہوں نے اس کیفیت اور نظارہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ پر غنودگی طاری ہوتی تھی اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وحی الٰہی نازل ہوتی تھی اور آپ لکھواتے جاتے تھے۔

مختصر یہ کہ آپ کی علالت عام طور پر کسی الہام کا پیش خیمہ ہوتی تھی اور جس قدر شدت سے بیماری کا حملہ ہوتا تھا اسی قدر عظیم الشان نشان نازل ہوتا تھا۔ ان بیماریوں میں یہ بھی دیکھا گیا کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نے بعض خاص علاج آپ کو بتا دئے۔ اور ادویات متشکل ہو کر سامنے آگئیں جیسا کہ ایک مرتبہ پیپر منٹ حاضر ہوا۔ اور اس نے کہا کہ "خاکسار پیپر منٹ" اور اسی طرح بعض بیماریوں کا آپ کو خطرہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے محفوظ رہنے کی بشارت دی۔

آپ کی تیمارداری

جس طرح آپ اپنی بیماری میں ایک سکون اور اطمینان کی حالت میں رہتے تھے۔ اور اگر خدانخواستہ کوئی بیمار ہو جاتا تھا تو آپ اس کے علاج اور تیمارداری میں اس طرح منہمک ہو جاتے تھے کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی تھی۔ مگر آپ کا یہ انہماک اور مصروفیت ایاک نعبد کی ایک تفسیر ہوتی تھی اور جس قدر انسانی قدرت اور ہمت میں ہے آپ تمسک بالاسباب کر کے خدا تعالیٰ پر توکل کرتے اور آپ کی ساری توجہ اسی شافی الامراض کی طرف ہوتی تھی۔ آپ خود ڈاکٹروں اور طبیبوں کو بھی ہمیشہ اسی قسم کا وعظ اور ہدایت فرماتے رہتے تھے۔

آپ کی تیمارداری کے بعض واقعات میں رضا بالقضا کے عنوان کے نیچے بھی

لکھوں گا۔ انشاء اللہ۔ اس لئے یہاں تفصیل نہیں کروں گا۔ تاہم بعض واقعات کا اظہار یہاں بھی کرتا ہوں۔

صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کا واقعہ

ایک مرتبہ آپ نے کشف میں صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے متعلق دیکھا کہ وہ مبہوت اور بدحواس ہو کر دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا ہے اور نہایت بے قرار ہے اور حواس اڑے ہوئے ہیں اور کہتا ہے کہ ابا پانی یعنی مجھے پانی دو حضرت اقدس اس وقت باغ میں مقیم تھے اور دو گھنٹہ بعد اس کشف کے بعینہ یہ واقع پیش آیا۔ آٹھ بجے صبح کا وقت تھا اور حضرت اقدس ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ مبارک احمد چار برس کی عمر کا تھا۔ یکایک وہ اسی طرح مبہوت حضرت کی طرف آیا اور کشف پورا ہو گیا آپ فرماتے ہیں۔

"میں نے اس کو گود میں اٹھالیا اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں تیز قدم اٹھا کر اور دوڑ کر کنوئیں تک پہنچا اور اس کے منہ میں پانی ڈالا"۔

اس نقشہ کا تصور کریں کہ جب آپ چار برس کے بچے کو اٹھاتے ہوئے کنویں کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ آپ نے یہ پروا نہیں کی کہ میں آواز دیکر اپنے بیسیوں خادموں کو بلا سکتا ہوں پانی ہی منگوا سکتا ہوں۔ کسی کا اِنتظار نہیں کیا بلکہ خود اٹھا کر بھاگتے ہوئے کنویں کی طرف چلے گئے۔

اپنی اولاد اور اقارب کے ساتھ ہی یہ بات مخصوص نہ تھی بلکہ ہر ایک کے ساتھ ہی آپ کو اسی قسم کا درد تھا۔ اور آپ دوسروں کے لئے اپنا آرام قربان کر دیتے تھے۔

حضرت ام المومنین پر جب کبھی بیماری کا حملہ ہوتا تو آپ ہر طرح آپ کی ہمدردی اور خدمت کرنا ضروری سمجھتے تھے اور اپنے عمل سے آپ نے یہ تعلیم ہم سب کو دی کہ بیوی کے کیا حقوق ہوتے ہیں؟ جس طرح پر وہ ہماری خدمت کرتی ہے عندالضرورت وہ مستحق ہے کہ ہم اسی قسم کا سلوک اس سے کریں۔

چنانچہ آپ علاج اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف نہ رہتے بلکہ بعض اوقات حضرت ام المومنین کو دباتے بھی تاکہ آپ کو تسلی اور سکون ملے۔ احمق اور نادان ممکن ہے اس پر اعتراض کریں مگر حقیقت میں نسوانی حقوق کی صیانت اور ان کے حقوق کی مساوات کا یہ بہترین نمونہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دکھایا۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی تیمارداری اور عیادت کے واقعات اوپر بیان ہو چکے ہیں حضرت حکیم الامت اور بعض دوسرے دوستوں کی علالت میں بھی آپ کا کرم و رحم بے حد تھا۔ اور مرض الموت میں یہی انسان کے لئے تسلی بخش ہوتا ہے۔

علاج معالجہ بھی کرتے تھے

شاید یہ باب نامکمل رہ جائے اگر میں یہ ذکر نہ کروں کہ بیماروں کے ساتھ ہمدردی لفظاً" ہی نہ تھی اور نہ دوسروں کو تاکید کی صورت میں ہی تھی بلکہ آپ خود علاج بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ بطور پیشہ کے نہیں بلکہ محض خدا کی مخلوق کی ہمدردی اور خیر خواہی کے لئے۔ آپ نے طب اپنے والد صاحب سے سبقاً" پڑھی تھی۔ مگر بطور پیشہ کے اس کو کبھی اختیار نہ کیا۔ البتہ کسی کو جب ضرورت ہوتی تو آپ اس کا علاج بغیر کسی اجورہ کی ادنیٰ سی تحریک اور خواہش کے بھی کرتے اور قیمتی ادویات اپنے پاس سے دے دیتے۔ اوائل میں آپ کے گھر میں اچھا خاصہ ہسپتال تھا۔ اور صبح کے وقت کا بہت سا حصہ غربا اور مرضیٰ کو ادویات دینے میں بھی صرف ہوتا تھا۔ اور آپ اس خدمت کو اسی طرح کرتے جس طرح دوسری دینی خدمات کو پوری مسرت اور انشراح کے ساتھ۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے اس کا نقشہ چشم دید واقعہ کی بناء پر کھینچا ہے۔ اور بہترین نقشہ دکھایا ہے فرماتے ہیں :-

"بعض اوقات دوا درمل پوچھنے والی گنواری عورتیں زور سے دستک دیتی ہیں اور اپنی سادہ اور گنواری زبان میں کہتی ہیں "میرجاجی جرا بوا کھولو تاں" (یعنی مرزا صاحب ذرا دروازہ تو کھولو) حضرت اس طرح

اٹھتے ہیں جیسے مطاع ذیشان کا حکم آیا ہے اور کشادہ پیشانی سے باتیں کرتے اور دوا بتاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں وقت کی قدر پڑھی ہوئی جماعت کو بھی نہیں تو پھر گنوار تو اور بھی وقت کے ضائع کرنے والے ہیں۔ ایک عورت بے معنی بات چیت کرنے لگ گئی ہے اور اپنے گھر کا رونا اور ساس نند کا گلہ شروع کر دیا ہے اور گھنٹہ بھر اسی میں ضائع کر دیا ہے آپ وقار اور تحمل سے بیٹھے سن رہے ہیں۔ زبان سے یا اشارہ سے اس کو کہتے نہیں کہ بس اب جاؤ دوا پوچھ لی۔ اب کیا کام ہے ہمارا وقت ضائع ہوتا ہے وہ خود ہی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوتی اور مکان کو اپنی ہوا سے پاک کرتی ہے۔ ایک دفعہ بہت سی گنواری عورتیں بچوں کو لیکر دکھانے آئیں اتنے میں اندر سے بھی چند خدمت گار عورتیں شربت شیرہ کے لئے برتن ہاتھوں میں لئے آنکلیں اور آپ کو دینی ضرورت کے لئے ایک بڑا اہم مضمون لکھنا تھا۔ اور جلد لکھنا تھا۔ میں بھی اتفاقاً جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں حضرت کمر بستہ اور مستعد کھڑے ہیں جیسے کوئی یورپین اپنی دنیوی ڈیوٹی پر چست اور ہوشیار کھڑا ہوتا ہے اور پانچ چھ صندوق کھول رکھے ہیں اور چھوٹی چھوٹی شیشیوں اور بوتلوں میں سے کسی کو کچھ اور کسی کو کوئی عرق دے رہے ہیں اور کوئی تین گھنٹے تک یہی بازار لگا رہا۔ اور ہسپتال جاری رہا۔ فراغت کے بعد میں نے عرض کیا حضرت یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے اللہ! اللہ کس نشاط اور طمانیت سے مجھے جواب دیتے ہیں کہ

"یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے۔ یہ مسکین لوگ ہیں یہاں کوئی ہسپتال نہیں میں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یونانی دوائیں منگوا کر رکھا کرتا ہوں جو وقت پر کام آجاتی ہیں اور فرمایا یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ مومن کو ان کاموں میں سست اور بے پروانہ ہونا چاہئے"۔ *

* (سیرت مسیح موعود مصنفہ مولانا عبد الکریم صاحبؓ سیالکوٹی صفحہ ۳۴، ۳۵)

ادویات خواہ کتنی ہی قیمتی ہوں آپ بے دریغ دے دیتے تھے۔ اور فوراً دے دیتے تھے تریاق الٰہی جب آپ نے تیار کیا اور وہ بہت قیمتی تھا۔ ہزاروں روپیہ اس پر خرچ آئے جب کسی نے مانگا تو آپ کافی مقدار میں جھٹ لا کر دے دیتے تھے۔ اور کسی مریض کے لئے جب کسی دوا کی ضرورت ہوئی اور معلوم ہوا کہ آپ کے سوا اور کسی جگہ نہیں ملتی تو فوراً آپ ساری کی ساری اٹھا کر دے دیتے تھے کہ کسی طرح مریض کو فائدہ پہنچے۔ مریضوں کو جب آپ ادویات دیا کرتے تھے تو خود اپنے ہاتھ سے تیار کر کے دیتے تھے۔ اس کام میں آپ کی مدد کرنے کے لئے کوئی کمپونڈر یا خادم نہ ہوتا بلکہ آپ ادویات کے معاملہ میں خاص طور پر احتیاط سے کام لیا کرتے تھے۔

ایک یتیم کے معالجہ میں سرگرمی

اس خصوص میں آپ کی سیرت کا یہ پہلو ناتمام رہ جائے گا اگر میں ایک یتیم کے واقعہ کا ذکر نہ کروں۔ ایک یتیم لڑکا جس کا نام فجا ہے وہ آج کل یہاں قادیان ہی میں ایک مخلص احمدی کی حیثیت سے رہتا اور صاحب اولاد ہے اور معماری کا کام کرتا ہے۔ ابتداً میں مرزا نظام الدین صاحب کے گھر میں رہتا تھا۔ بعض سختیوں کو ناقابل برداشت پا کر وہ حضرت اقدس کے گھر میں آگیا۔ کسی سرپرستی اور تربیت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی حالت بہت خراب تھی اطوار وحشیانہ اور غیر مہذبانہ تھے۔ طبیعت میں تیزی تھی۔ ایک مرتبہ وہ اپنی شوخی کی وجہ سے جل گیا۔ کھولتا ہوا پانی اس کے سارے بدن پر گر گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے لئے اس سے کم صدمہ نہیں ہوا جس قدر اپنے لخت جگر کے لئے ہوا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو بھی چشم زخم پہنچا تھا۔

آپ ہمہ تن اس کے علاج میں مصروف ہو گئے۔ بدن پر تازہ دھنی ہوئی روئی رکھی جاتی تھی اور بڑی احتیاط کی جاتی تھی۔ اس کے علاج میں آپ نے نہ تو روپیہ کی پروا کی اور نہ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی مضائقہ کیا۔ اور نہ ہی غور و

پرداخت اور غذا و دوا میں کوئی کمی جائز رکھی گئی۔ خود اپنے سامنے ہر چیز کا انتظام کراتے تھے۔ اور اس کو ہمیشہ تسلی دیتے تھے یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس صدمہ سے یہ بچ گیا تو نیک ہوگا۔ چنانچہ آپ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بلا سے نجات دی اور اب وہ ایک مخلص احمدی ہے۔ اس جلنے کا نشان اس کے بدن پر اب تک باقی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اس وقت وہ ایک میلی کچیلی شکل کا بچہ تھا اور کس مپرسی کی حالت میں اس نے زندگی کے ابتدائی دن کاٹے تھے۔ عرف عام کے لحاظ سے کسی بڑی قوم اور خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ ایسی مصیبت کے وقت میں جبکہ انسان اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کی علالت سے بھی اکتا جاتا ہے آپ ایک لمبے عرصہ تک اس کی تیمارداری میں مصروف رہے اور نہ صرف خود بلکہ سب گھر والوں کو اس کے متعلق خاص طور پر ہدایات تھیں۔ اس کے آرام اور علاج میں کوئی کمی نہ کی جاوے۔ یتیم پروری اور تیمارداری کی یہ بہترین مثال ہے۔

آپ کے صاحبزادے اکثر بیمار ہو جاتے ان کے علاج معالجہ اور دوا درمن میں راتوں کو دن کر دینا معمولی بات ہوتی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب) کی آنکھیں بیمار تھیں آپ اس کے علاج کے لئے بٹالہ تشریف لے گئے۔ اور ساری ساری رات خود لے کر ٹہلتے رہتے اور ان کو بہلاتے۔ مگر کبھی شکایت نہ کی۔ ہم نے اپنے گھروں میں دیکھا ہے کہ بیماری ذرا لمبی ہوئی یا کسی کو زیادہ وقت تک کسی بیمار کے پاس رہنا پڑا تو گھبرا کر ایسے الفاظ منہ سے نکال دیتے ہیں جو قابل افسوس ہوتے ہیں مگر حضرت کو دیکھا گیا کہ بعض اوقات مہینوں تیمارداری کرنی پڑی ہے اور ساری ساری رات اور دن بھر اس کوفت میں رہے ہیں مگر زبان سے کوئی لفظ شکوہ کا نہیں نکلا۔ پوری مستعدی کے ساتھ اس میں لگے رہے۔ تیمارداری میں گھبراہٹ اور بیمار کی حالت اور چڑچڑاہٹ سے آپ کو رنج نہ پیدا ہوتا تھا۔ اور نہ اس کی حالت کے کسی مرحلہ پر نازک ہو جانے سے کوئی مایوسی ظاہر ہوتی تھی۔ مایوسی تو کبھی اور کسی حال میں آپ کے نزدیک آہی

نہیں سکتی بلکہ خطرناک حالتوں میں بھی آپ کے چہرہ کو دیکھ کر حد درجہ کا ناامید اور کمزور طبیعت کا انسان ایک قوت اور امید کی شعاع اپنے اندر پیدا کرلیتا تھا۔ غرض نہ تو اپنی بیماری میں گھبراہٹ اور چڑاچڑاپن آپ میں ہوتا تھا۔ ایک سکون اور اطمینان سے بیٹھے رہتے تھے اور ادویات کے استعمال سے جی نہ چراتے۔ کیسی ہی تلخ اور بدمزہ دوائی ہو بغیر منہ بنانے اور ذرا بھی تامل کرنے کے پی لیتے تھے۔ اور اوپر والوں کو اپنی تیمارداری کے لئے کوئی تکلیف نہ دیتے۔ طبیعت میں استقامت اور عزم اور قوت اس حالت میں بھی پاتے تھے۔ جبکہ اسہال کی کثرت یا دوران سر اور برد اطراف کے دورے نے نقاہت اور ضعف پیدا کر دیا ہو۔ بعض اوقات بیماریوں کے لمبے دورے میں عام طور پر خود مریض بھی جان سے بیزار ہو جاتا اور گھبرا جاتا ہے آپ بیماری میں بھی اس شوق و ذوق سے پڑے رہتے کہ دیکھنے والا آپ کو ایسی حالت میں بیمار نہ سمجھتا۔ آپ کے کام آپ کے کلام اور آپ کے عزم سے اس بات کا سمجھنا محال ہو گیا تھا۔ آخری حصہ تو عموماً بیماری میں ہی گذرا ہے اور جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں تمام بڑی بڑی تصانیف بیماری ہی میں لکھی گئی ہیں۔ بلکہ ایام بیماری میں آپ کا قلم تیز ہو جاتا تھا۔ آپ سمجھتے تھے کہ شاید وقت قریب آگیا ہے اس لئے جس قدر کام ہو سکے وہ کم ہے۔

جس طرح اپنی بیماری میں آپ کی یہ حالت تھی۔ متعلقین اور دوسروں کی تیمارداری میں بھی آپ کا استقلال اور اطمینان ایک اعجازی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک طرف بیمار کا چڑاچڑاپن اس کی تکلیف اور دواؤں کی بدمزگی سے نفرت ہے دوسری طرف اپنی بے آرامی اس کے علاج میں مصروفیت اس کی نگہداشت اور سلسلہ کے کاموں میں مصروفیت مزیدے برآں ہے۔ مگر یہ تمام بے آرامیاں تمام کوفتیں اس طرح سے گزار لیتے کہ گویا کوئی واقعہ ہے ہی نہیں۔ یہ سب کچھ انسانی ہمدردی اور تعظیم لامراللہ کی بناء پر تھا۔ بیماری اور تیمارداری دونوں حالتوں میں یہ شیر خدا ایک جنت کی حالت میں تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اگر موت فوت کا کوئی واقعہ ہو جاتا تو

وہ حالت بھی آپ کی حالت میں تغیر پیدا نہ کرتی۔ بیماری کی حالت میں وہ شکور تھا اور موت فوت کی حالت میں راضی بالقضا تھا۔ اس کی زندگی میں کوئی لمحہ ایسا نہ آتا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ سے اپنے قرب اور صدق اور وفا کے مقام کو آگے نہ پاتا ہو۔ میں آگے چل کر آپ کا نمونہ رضا بالقضا کا انشاء اللہ دکھاؤں گا۔ شاید اس جگہ بعض بیماریوں کے نسخے آپ کے بیان کردہ لکھ لینے مناسب سمجھے جاتے۔ مگر سیرت کے مضمون سے ان کا کچھ تعلق نہیں اس لئے اگر توفیق ملی تو آپ کی طب کا بیان کرتے ہوئے انشاء اللہ درج کروں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو اخلاق بیماری اور تیمارداری میں ظاہر ہوئے ہیں واقعات کے لحاظ سے وہ کثیر التعداد ہیں۔ اور یہ بھی آسان نہیں کہ اخلاقی اعجاز اور اعجاز مسیحائی میں فرق کیا جا سکے۔ یعنی جو نشانات آپ کی دعاؤں سے بیماروں کی صحت و شفا کی صورت میں ظاہر ہوئے ہیں وہ بھی کثیر التعداد ہیں۔ مگر میں انکو عام طور پر آپ کے اعجازات کی تفصیل میں کہوں گا۔ یہاں میں ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو اگرچہ بجائے خود ایک زبردست نشان ہے۔ مگر اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس اخلاق فاضلہ کا بھی ثبوت ملتا ہے جو مسافروں اور غریب الوطن لوگوں کی تیمارداری میں آپ سے ظاہر ہوتا تھا۔ اوپر میں نے ایک واقعہ ایک یتیم بچہ کے علاج کا بتایا ہے۔ یہ ایک غریب الوطن کا واقعہ ہے۔

ایک غریب الوطن لڑکے کی تیمارداری

مکرمی سیٹھ حسن صاحب رئیس یادگیر نے (جو سلسلہ کے ایک مخلص اور پرانے احمدی ہیں) عبدالکریم نامی ایک لڑکے کو تعلیم کے لئے قادیان بھیجا۔ اتفاق سے اس کو ایک دیوانہ کتے نے کاٹا۔ اس کو علاج کے لئے کسولی بھیجا گیا۔ وہاں سے شفایاب ہو کر جب وہ قادیان میں آیا تو یکایک اس کی بیماری عود کر آئی۔ اور دیوانگی کے آثار اس پر ظاہر ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ کا دل اس غریب الوطن کی حالت پر

پگھل گیا۔ اور آپ کو دعا کے لئے خاص رقت پیدا ہوئی۔ عبد الکریم کو بورڈنگ سے نکال کر اس مکان کے ایک حصہ میں رکھا جس میں خاکسار راقم الحروف عرفانی رہتا تھا۔ وہ مکان سید محمد علی شاہ صاحب مرحوم کا تھا۔ کسولی سے بذریعہ تار معلوم کیا گیا تو انہوں نے اسے لاعلاج بتایا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس غریب اور بے وطن لڑکے کے لئے اس قدر توجہ فرمائی کہ حیرت ہوتی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آپ اس کی خبر منگواتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ سے دوا تیار کر کے اس کے لئے بھجواتے تھے۔ آپ اس قدر بے قرار تھے کہ کوئی اپنے عزیز کے لئے بھی نہیں ہو سکتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بچا لیا اور وہ اب تک زندہ ہے اور صاحب اولاد ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت اقدس کی تصانیف میں ہے۔ مگر میں اس واقعہ کو دیکھنے والا ہوں یہ نشان میری آنکھوں کے سامنے میرے مکان میں ظاہر ہوا۔ خود حضرت مسیح موعود نے بھی اس بے قراری اور اضطراب کا اظہار فرمایا ہے۔ جو اس کے لئے آپ کے دل میں پیدا ہوا چنانچہ فرماتے ہیں :-

> "اس غریب اور بے وطن لڑکے کے لئے میرے دل میں بہت توجہ پیدا ہو گئی۔ اور میرے دوستوں نے بھی اس کے لئے دعا کرنے کے لئے بہت ہی اصرار کیا کیونکہ اس غربت کی حالت میں وہ لڑکا قابل رحم تھا اور نیز دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر وہ مر گیا تو ایک برے رنگ میں اس کی موت شماتت اعداء کا موجب ہو گی تب میرا دل اس کے لئے سخت درد اور بے قراری میں مبتلا ہوا۔ اور خارق عادت توجہ پیدا ہوئی"۔

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۴ طبع اول و روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۴۸۰)

جود و سخا و احسان و عطا

جود و سخا کی حقیقت پر ایک نظر

ایصال خیر کے اخلاق میں سے احسان بھی ایک خلق ہے اور اس کے مختلف مدارج اور شعبے ہیں اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ احسان کا خیال ہو اور نہ

شکر گزاری پر نظر ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہمدردی اور نیکی ایک طبعی جوش کے ساتھ ہو۔ جیسے والدہ اپنے بچے کے ساتھ جو نیکی اور ہمدردی کرتی ہے وہ کسی غرض اور تبادلہ احسان کا رنگ نہیں رکھتی یہ اعلیٰ مقام ہے۔ اور اس سے بھی آگے ایک درجہ ہے جو ایثار کہلاتا ہے کہ انسان باوجود اپنی ضروریات کے بھی دوسروں کے آرام آسائش اور ضرورتوں کو اپنے نفس پر مقدم کر لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان صفات اخلاق کی مختلف مقامات پر خوب تشریح کی ہے اور بخل۔ اسراف اور سخاوت میں فرق کر کے دکھایا ہے۔ اور یہ تینوں اخلاق بھی ایک باریک اور دقیق فرق رکھتے ہیں۔ کیونکہ مال کی غرض یہ ہے کہ وہ ضرورت اور حاجت کے موقع پر استعمال کیا جاوے۔ اگر وہ ضرورت کے وقت صرف نہ کیا جاوے تو بخل ہو جائے گا بے ضرورت صرف کیا جاوے تو اسراف ہوگا۔ اور ضرورت کے موقع پر صرف کیا جاوے تو وہ سخاوت ہوگا۔ لیکن اس میں پھر ایک بحث ہے۔ کہ ضرورت اور حاجت سے کیا مراد ہے؟ اور سخاوت میں کیا کچھ داخل ہے؟

ضرورت سے مراد جو کچھ حضرت مسیح موعود کے کلام سے اور عمل سے مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ضرورت شرعی ہو رواج ارر عادت کے ماتحت نہ ہو۔ اور سخاوت کے بڑے بڑے اجزا یہ ہیں کہ بن مانگے احساس ضرورت کر کے دیا جاوے۔ دے کر احسان نہ کیا جاوے سائل کو دیکھ کر خوش ہو اور اسے جھڑکے نہیں کسی حالت اور صورت میں کسی امید۔ طمع۔ مبادلہ شکر گزاری اور مدح و ثناء کے خیال سے نہ دیا جاوے۔ اور کسی رسم و عادت کے ماتحت یہ عطا نہ ہو۔

قرآن کریم کے مختلف مقامات کو یکجائی نظر سے دیکھنے کے بعد یہی پایا جاتا ہے کہ مال کی یہی غرض ہے کہ وہ ضرورت اور حاجت کے موقعہ پر استعمال کیا جاوے۔ اگر وہ ضرورت کے وقت صرف نہ کیا جاوے تو یہ بخل ہوگا۔ بے ضرورت صرف کیا جائے تو یہ اسراف ہے اس میں تھوڑے یا بہت کا سوال نہیں ہے ضرورت پر ایک لاکھ خرچ کر دینا اسراف میں داخل نہیں بلا ضرورت ایک پائی خرچ کرنا بھی اسراف

ہو جاتا ہے۔ پھر سخاوت کے بھی مدارج ہیں اور اس کے کچھ لوازم اور اصول ہیں جب تک وہ ان کے ساتھ نہ ہو اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

عمل صالح کے دو اجزاء

اسلام جو روح انسان کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ مخلص فی الدین ہونے کی روح ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی عمل عمل صالح نہیں کہلاتا جب تک اس میں دو باتیں نہ ہوں اول اخلاص دوم صواب۔ اخلاص سے مراد یہ ہے کہ وہ محض خدا تعالیٰ کی رضا اور خدا تعالیٰ کے ارشاد و ہدایت کے موافق ہو اور صواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ کے موافق ہو اگر یہ دونوں باتیں اس میں نہ پائی جاویں تو خواہ بظاہر وہ کتنا ہی نیک عمل نظر آتا ہو مگر اس میں نمو کی قوت نہیں وہ ایک مردہ چیز ہے۔ مثلاً نماز کیسی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ مومن کا معراج اور صعود الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ لیکن جب وہ ریا کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو اس پر خدا تعالیٰ نے خود ہلاکت اور لعنت کا اطلاق فرمایا ہے۔ قتل بجائے خود کیسی مکروہ اور خوفناک چیز ہے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے کوئی قتل کر دیتا ہے تو وہ پیارا فعل ہو جاتا ہے اسی طرح ہر عمل کے لئے یہ دونوں شرائط ضروری ہیں۔ جود و سخا کے ساتھ بھی سب سے اول یہ ضروری ہے کہ وہ اخلاص اور صواب سے ہو۔ یہ تو اس کے اجزائے اعظم ہیں۔

سخاوت کے اجزائے خیر

اس کے ضمن میں اُس کے اور بھی چھوٹے چھوٹے اجزاء ضروریہ ہیں مثلاً دے کر احسان نہ جتلانا۔ سائل اگر اصرار کرتا جاوے تو نرمی سے جواب دینا۔ اور کسی مرحلہ پر بھی اس کو جھڑکنا نہیں۔ سائل کو خالی ہاتھ حتی الوسع نہ پھیرنا۔ اس کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس پر بدگمانی نہ کرنا۔ پھر اسی کے ضمن میں ان اموال کی بھی تفصیل ہوتی ہے جو اس مقصد کے لئے استعمال میں آنے چاہئیں۔ یعنی وہ طیب ہوں جو کسب حلال سے پیدا کئے گئے ہوں۔ اور پھر وہ ردی اور ناقص اشیاء نہ ہوں جو کسی وجہ سے اپنے استعمال میں نہ آسکتی ہوں اور مفت کرم داشتن کا مصداق ہوتی ہوں۔

غرض جود و عطا کے متعلق ان اجزاء کو مدنظر رکھ کر جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کو دیکھتے ہیں اور ان واقعات اور حالات پر نظر کرتے ہیں جو ہمارے سامنے پیش آئے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس خُلق عظیم سے حصہ وافر دئے گئے تھے اور یہ طرز عمل آپ کی زندگی میں اس وقت سے پایا جاتا ہے جب سے آپ نے ہوش سنبھالا تھا۔ یہ نہیں کہ مامور ہو جانے کے بعد آپ سے اس قسم کے اخلاق کا صدور کسی تکلف سے ہوتا تھا۔ بلکہ آپ کی طبیعت کا ایک جزو تھا۔ اس قسم کے اخلاق بعض وقت بالکل مخفی ہوتے تھے اور بعض اوقات ایسے طور پر بھی ان کا صدور قدرتی طور پر ہو جاتا تھا کہ دوسروں کو علم ہو جاوے۔ آپ کا عام رجحان اسی طرف تھا کہ مخفی رہے۔ چنانچہ ابتدائی زندگی کے واقعات جود و سخا عموماً مخفی رہتے تھے اس لئے کہ آپ ایک گوشہ گزین تھے اور مخفی طور پر (جیسا کہ میں حیات احمد میں ذکر کر چکا ہوں) آپ بعض لوگوں سے اس وقت کے حسب حال سلوک کیا کرتے تھے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے آپ کو پبلک میں نکالا اور لوگوں کی آمدورفت کثرت سے ہونے لگی اور آپ کے حالات پبلک ہونے لگے تو ان واقعات کے دیکھنے والے اور بیان کرنے والے بھی پیدا ہو گئے۔ اب میں واقعات کو پیش کر کے آپ کی سیرت کے اس پہلو کو دکھانے کی خدا کے فضل اور رحم سے کوشش کرتا ہوں وباللہ التوفیق۔

آپ سائل کو رد نہ کرتے

سائل کو آپ کبھی بھی رد نہ کرتے تھے آپ کی زندگی اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ کی ایک عملی تفسیر تھی۔ حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"ایک دن ایسا ہوا کہ نماز عصر کے بعد آپ معمولاً اٹھے اور مسجد کی کھڑکی میں اندر جانے کے لئے پاؤں رکھا اتنے میں ایک سائل نے آہستہ سے کہا کہ میں سوالی ہوں حضرت کو اس وقت ایک ضروری کام بھی تھا اور کچھ اس کی آواز دوسرے لوگوں کی آوازوں میں مل جل گئی تھی جو نماز کے بعد اٹھے اور عادتاً آپس میں کوئی نہ کوئی بات کرتے تھے غرض حضرت

سرزدہ اندر چلے گئے اور التفات نہ کیا۔ مگر جب نیچے گئے وہی دھیمی آواز
جو کان میں پڑی تھی اب اس نے اپنا نمایاں اثر آپ کے قلب پر کیا۔ جلد
واپس تشریف لائے اور خلیفہ نورالدین صاحب کو آواز دی کہ ایک سائل
تھا۔ اسے دیکھو کہاں ہے؟ وہ سائل آپ کے جانے کے بعد چلا گیا۔ خلیفہ
صاحب نے ہرچند ڈھونڈا پتہ نہ ملا۔ شام کو حسب عادت نماز پڑھ کر بیٹھے
وہی سائل آگیا۔ اور سوال کیا حضرت نے بہت جلدی جیب سے کچھ نکال
کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیا اور اب ایسا معلوم ہوا کہ آپ ایسے خوش
ہوئے ہیں کہ گویا کوئی بوجھ آپ کے اوپر سے اتر گیا ہے۔ چند روز کے بعد
ایک تقریب سے ذکر کیا کہ اس دن جو وہ سائل نہ ملا میرے دل پر ایسا بوجھ
تھا کہ مجھے سخت بے قرار کر رکھا تھا اور میں ڈرتا تھا کہ مجھ سے معصیت
سرزد ہوئی ہے کہ میں نے سائل کی طرف دھیان نہیں کیا اور یوں جلدی
اندر چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ شام کو واپس آگیا ورنہ خدا جانے
میں کس اضطراب میں پڑا رہتا۔ اور میں نے دعا بھی کی تھی کہ اللہ تعالیٰ
اسے واپس لائے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب ؓ سیالکوٹی صفحہ ۵۹)

سائل کو کچھ دے دینا یا رد نہ کرنا ایک ایسی بات ہے کہ بعض دوسرے لوگوں
میں بھی پائی جاسکتی ہے۔ مگر یہ احساس کہ آپ سائل کے لئے اس قدر تلاش کریں
اور اس کے نہ ملنے پر اس قدر اضطراب ہو کہ معصیت سمجھنے لگیں یہ ایسی بات ہے
کہ جب تک قلب اعلیٰ درجہ کا مطہّر اور مزکّی نہ ہو اور خدا تعالیٰ کے اس ارشاد

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ

کی حقیقی عظمت اس میں نہ ہونا ممکن ہے۔ الفاظ اس کے لئے مساعدت نہیں کرتے
کہ فطرت کی اس علو ہمتی اور فیاضی کے اس بلند مقام کا نقشہ کھینچ سکیں۔

حضرت نے اس کی آواز کو جو بجائے خود دھیمی تھی اور دوسرے لوگوں کی

آوازوں میں ملی ہوئی تھی پورے طور پر سنا بھی نہیں تھا اور وہ اگر اس پر توجہ نہ کرتے تو اخلاقی شریعت میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں تھا مگر اس دھیمی آواز کا اتنا اثر کہ ضروری سے ضروری کام چھوڑ کر آتے ہیں اور ایک آدمی کو سائل کی تلاش پر مقرر کرتے ہیں۔ اور پھر یہاں تک ہی نہیں بلکہ اس کے لئے دعا کرتے ہیں کہ سائل مل جاوے۔

یہ پاکیزہ فطرت خدا کے نبیوں کے سوا دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ آپ کی عادت میں کبھی اس امر کو کسی نے نہیں دیکھا کہ کسی سائل کے متعلق آپ نے بدظنی کی ہو کہ یہ فی الواقعہ حاجت مند نہیں ہے۔ آپ ہمیشہ یہی فرماتے تھے کہ سائل کو تو کچھ نہ کچھ دینا ہی چاہئے اور آپ کا یہ عام طرز عمل تھا کہ حتی المقدور کبھی کسی سائل کو رد نہ کرتے تھے اور یہ کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ

آپ نے رد کیا ہو

اور اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ طریق بھی تھا کہ آپ موقعہ اور محل کو بھی دیکھتے تھے۔ چونکہ محض خدا کی رضا مقصود ہوتی تھی کوئی فخر یا نمائش مد نظر نہ تھی۔ اس امر کا لحاظ بھی رکھتے تھے کہ بر محل ہو۔

ایک عجیب واقعہ

آپ ۱۸۸۹ء میں جو بیعت کا سال ہے لودہانہ میں موجود تھے۔ ایک موقعہ پر آپ کے پاس ایک سائل آیا اور اس نے ذکر کیا کہ میرا ایک عزیز فوت ہو گیا ہے میرے پاس کفن دفن کے لئے کچھ انتظام نہیں ہے اور اس نے کچھ سکے چاندی اور تانبے کے رکھے ہوئے تھے یہ دکھانے کے لئے کہ کسی قدر چندہ ہوا ہے۔ اور ابھی اور ضرورت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مکرمی حضرت قاضی خواجہ علی صاحب رضی اللہ عنہ کو (جو بڑے ہی مخلص اور حضرت کی راہ میں فدا شدہ بزرگ تھے) فرمایا کہ "قاضی صاحب ان کے ساتھ جا کر کفن کا سامان کر دو"۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس قسم کی عادت نہ تھی بلکہ عام طور پر جو مناسب سمجھتے دے دیتے۔ اس ارشاد پر خدام کو تعجب ہوا۔

قاضی صاحب نے بھی یہ نہیں پوچھا کہ کیا دے دوں بلکہ وہ ساتھ ہی ہو گئے اور اسے کہا چلو بھائی میں چل کر تمام انتظام کرتا ہوں۔ وہ سائل قاضی صاحب کو لیکر رخصت ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد قاضی صاحب ہنستے ہوئے واپس آئے اور کہا کہ

"حضرت وہ تو بڑا دھوکہ باز تھا۔ راستہ میں جاکر اس نے میری منت و خوشامد شروع کی کہ خدا کے واسطے آپ نہ جاویں جو کچھ دینا ہو دے دو میں نے کہا کہ مجھے تو خود جانے کا حکم ہے جو کچھ تمہارے پاس ہے یہ مجھے دو جو کچھ خرچ آئے گا میں کروں گا۔ آخر اس نے جب دیکھا کہ میں نہیں ٹلتا تو اس نے ہاتھ جوڑ کر ندامت کے ساتھ کہا کہ نہ کوئی مرا ہے نہ کفن دفن کی ضرورت ہے یہ میرا پیشہ ہے اب میری پردہ دری نہ کرو تم واپس جاؤ اور مجھے چھوڑ دو میں اب یہ کام نہیں کروں گا"۔

جب قاضی صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تو طبعی طور پر اس کے سننے سے ہنسی بھی آئی مگر آپ کی فراست مومنانہ اور اخلاق کا بھی عجیب اثر ہوا۔ آپ نے حسن ظن کر کے اس کو جواب تو نہ دیا مگر ایسا طریق اختیار کیا جس سے اس کی اصلاح ہو گئی اور غیر محل پر آپ کو خرچ کرنے کی بھی ضرورت نہ پڑی۔

آپ کسی کی ضرورت کا احساس کر کے سوال کی بھی نوبت نہ آنے دیتے تھے

جہاں آپ کی عادت میں یہ تھا کہ آپ سائل کو کبھی رد نہ کرتے تھے یہ امر بھی آپ کے معمولات میں تھا کہ بعض لوگوں کی ضرورتوں کا احساس کر کے قبل اس کے وہ کوئی سوال کریں ان کی مدد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کی صبح کو قبل نماز فجر آپ نے کچھ روپیہ جس کی تعداد آٹھ یا دس ہو گی ایک مخلص مہاجر کو یہ کہہ کر دئے کہ "موسم سرما ہے آپ کو کپڑوں کی ضرورت ہو گی" اس مہاجر کی طرف سے

کوئی سوال نہ تھا۔ خود حضور علیہ السلام نے اس کی ضرورت محسوس کرکے یہ رقم عطا کی۔

یہ ایک واقعہ نہیں متعدد مرتبہ ایسا ہوتا۔ اور مخفی طور پر آپ عموماً حاجت مند لوگوں سے سلوک کرتے رہتے۔ اور اس میں کسی دوست دشمن ہندو یا مسلمان کا امتیاز نہ تھا۔

نہالا بہارو راج کے ساتھ سلوک

قادیان میں ایک شخص نہال چند (نہالا) بہارو راج ایک برہمن تھا اپنی جوانی کے ایام میں وہ ایک مشہور مقدمہ باز تھا۔ آخر عمر تک قریباً اس کی ایسی حالت رہی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو حضرت اقدس کے خاندان کے ساتھ عموماً مقابلہ اور شرارتیں کرتے رہتے تھے پھر سلسلہ کے دشمنوں کے ساتھ بھی وہ رہتا۔ اخیر عمر میں اس کی مالی حالت نہایت خراب ہو گئی۔ اور یہاں تک کہ بعض اوقات اس کو اپنی روزانہ ضروریات کے لئے بھی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس نے ایک مرتبہ حضرت اقدس کے دروازے پر آکر ملاقات کی خواہش کی اور اطلاع کرائی حضرت صاحب فوراً تشریف لے آئے۔ اس نے سلام کرکے اپنا قصہ کہنا شروع کیا۔ حضرت اقدس نے نہ صرف تسلی دی بلکہ پچیس روپے کی رقم لاکر اس کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ فی الحال اس سے کام چلاؤ پھر جب ضرورت ہو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ اس کے بعد اس شخص کا معمول ہو گیا کہ وہ مہینے دو مہینے کے بعد آتا اور ایک معقول رقم آپ سے اپنی ضروریات کے لئے لے جاتا۔ وہ نہ صرف حضرت اقدس سے لیتا تھا بلکہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے بھی اس نے بطور قرض ایک معقول رقم ایک خاص وعدہ پر لی تھی۔ جب وہ وعدہ کا وقت گزر گیا تو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اس سے مطالبہ کرایا۔ مگر اس نے یوں ہی سرسری جواب دے کر ٹال دیا۔ آخر حضرت خلیفہ اول نے مجھے فرمایا کہ میں اس سے مطالبہ کروں۔ میں نے جب اس کو کہا تو اس نے مندرجہ بالا واقعہ اپنا بیان کیا اور کہا کہ مولوی

صاحب باربار آدمی بھیجتے ہیں مرزا جی تو مجھے ہمیشہ روپیہ دیتے ہیں اور اس سے میرا گذارہ چلتا ہے" میں نے آکر حضرت خلیفہ اول سے واقعات عرض کئے تو فرمایا کہ اچھا اب اس کو نہ کہنا۔

اسی طرح ایک شخص پنڈت بیج ناتھ بہنوت بھی تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ بعض اوقات حضرت نے اس کے ساتھ بھی سلوک کیا۔

میاں غفارے کی شادی میں قیمتی زیور دے دیا

میاں غفارا

(عبدالغفار) کشمیری جس کا ذکر میں نے حیات احمد کے دوسرے حصہ میں کیا ہے حضرت مسیح موعود کے احسان و مروت کے تذکرے کیا کرتا تھا اور ان میں اپنا یہ واقعہ بھی بیان کیا کرتا تھا۔ کہ جب اس کی شادی ہوئی تو آپ نے دو قیمتی زیور اس کی مدد کے لئے دے دیئے۔ یہ آپ کی بعثت کے زمانہ سے پہلے کی بات ہے جبکہ آپ ایک گوشہ نشین کی صورت میں زندگی بسر کرتے تھے۔

سوال کی باریک صورتوں میں بھی آپ دے دیتے

جیسے آپ کی عادت تھی کہ سائل کو کبھی رد نہ کرتے تھے اور جس طرح پر آپ بدوں سوال کرنے کے بھی اہل حاجت کی مدد فرماتے یہ بھی آپ کی عادت شریف میں تھا کہ آپ سوال کی باریک در باریک صورتوں کو بھی خوب سمجھتے تھے اور ایسے موقعہ پر بھی اپنی عطا سے کام لیتے۔

صاحبزادہ سراج الحق صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے پاس ایک خوب صورت ٹوپی بھیجی جب یہ پارسل حضرت کی خدمت میں پہنچا تو اتفاق

سے ایک ہندو صاحب بھی پاس موجود تھے۔ آپ نے پارسل کو کھولا تو وہ ٹوپی نکلی۔ اس ہندو نے اس ٹوپی کی بہت تعریف کی۔ آپ نے جب اس کے منہ سے ٹوپی کی تعریف سنی تو جھٹ وہ ٹوپی اسی کو دے دی۔

کپڑے عموماً دیتے رہتے تھے

جب سے حضرت اقدس نے بعثت کا اعلان کیا اور لوگوں کو یہ بھی علم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ لوگ علی العموم آپ سے کپڑوں کا سوال کرتے تھے اور آپ کبھی کسی کو جواب نہیں دیتے تھے۔ اور بعض اوقات یہ حالت ہو جاتی تھی کہ آپ کے بدن پر ہی کپڑے رہ جاتے تھے باقی سب دے دیئے جاتے تھے۔

صدقہ و خیرات تو آپ کی عادت میں بہت تھا۔ اور عام طور پر آپ کا معمول تھا کہ 1/10 حصہ صدقہ کر دیتے تھے۔ اس کے متعلق حضرت ام المومنینؓ کی ایک روایت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے سیرت المہدی میں لکھی ہے کہ

> "بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود صدقہ بہت دیا کرتے تھے اور عموماً ایسا خفیہ دیتے تھے کہ ہمیں بھی پتہ نہیں لگتا تھا۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ کتنا صدقہ دیا کرتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا بہت دیا کرتے تھے۔ اور آخری ایام میں جتنا روپیہ آتا تھا اس کا دسواں حصہ صدقے کے لئے الگ کر دیتے تھے۔ اور اس میں سے دیتے رہتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے بیان فرمایا کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ دسویں حصہ سے زیادہ نہیں دیتے تھے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات اخراجات کی زیادت ہوتی ہے تو آدمی صدقہ میں کوتاہی کرتا ہے لیکن اگر صدقہ کا روپیہ پہلے سے الگ کر دیا جاوے تو پھر کوتاہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ روپیہ دوسرے مصرف میں نہیں آسکتا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا اسی غرض سے آپ دسواں حصہ تمام آمد کا الگ کر دیتے تھے ورنہ ویسے

دینے کو تو اس سے زیادہ بھی دیتے تھے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ کیا آپ صدقہ دینے میں احمدی غیر احمدی کا لحاظ رکھتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا نہیں"۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۴۹)

غرض آپ سراً وعلانیہ ہمیشہ جود و عطا میں مصروف رہتے اور جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا طریق تھا رمضان کے مہینے میں آپ کا ہاتھ بہت وسیع ہوتا تھا۔ اور اکثر حاجت مندوں کے گھروں میں پہنچاتے تھے۔ اور ایسے طریق پر کہ کسی دوسرے کو علم نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ لوگ آپ کے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کر دیتے۔

ایک خر گدا کا قصہ

قادیان کے قریب سٹھیالی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو قادیان سے قریباً چھ میل کے فاصلہ پر ہو گا۔ وہاں سے ایک جٹ فقیر آیا کرتا تھا۔ اس کے دیکھنے والے بہت لوگ اب تک موجود ہیں۔ وہ مسجد مبارک کی چھت کے نیچے آکر کھڑکی کے پاس آواز لگایا کرتا تھا۔ جو بیت الفکر کی مغربی دیوار میں ہے۔ اس کی آواز یہ ہوتی تھی۔

غلام احمد ا روپیہ لینا ہے

یعنی اے غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) روپیہ لینا ہے۔ اور وہ وہاں بیٹھ جاتا۔ حضرت صاحب کسی کام میں بعض اوقات مصروف ہوتے اور آپ کی توجہ اس میں ہوتی اور آپ اس کی آواز کو نہ سن سکتے۔ تو وہ ہر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آوازیں لگاتا۔ اکثر لوگوں کو ناگوار معلوم ہوتا۔ اور کوئی اسے ٹوکتا تو وہ کہہ دیتا کہ میں تمہارے پاس آیا ہوں؟ میں تو غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مانگتا ہوں۔ حضرت اقدس کو اگر معلوم ہو جاتا کہ کسی نے اسے کچھ کہا ہے تو آپ ناپسند فرماتے۔ اور ہنستے ہوئے اس کو روپیہ دے دیا کرتے۔ اور یہ بھی آپ کا معمول تھا کہ سائل کو زیادہ دیر انتظار میں نہ رکھتے تھے۔

مرزا میراں بخش کا معاملہ (لگان)

اسی طرح قادیان میں مرزا میراں بخش نام ایک مجنون رہتا تھا۔ وہ کسی کو دکھ تکلیف نہ دیتا تھا۔ حضرت صاحب جب سیر کو نکلتے تو وہ آگے بڑھ کر کہتا

مرزا جی میرا معاملہ دے دو

گویا وہ خراج وصول کرتا ہے۔ حضرت صاحب بہت اچھا کہہ کر اس کو کچھ نہ کچھ ضرور دے دیتے اور اس طرح پر پھر وہ آپ کے تمام خدام سے مستقل طور پر اپنا معاملہ وصول کر لیتا۔

پیالہ بھر دیا

ایک مرتبہ ایک سائل آیا اس نے قادیان میں ایک پھیری لگا دی وہ صبح کو اٹھتا اور حضرت میر حامد شاہ صاحب مرحوم کی نظم

ہوا ناصر خدا تیرا مرے اے قادیاں والے
ہمیں بخشی اماں تو نے ہے اے دارالاماں والے

پڑھا کرتا اور کبھی کبھی 'ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم پڑھتا تمام قادیان میں چکر لگاتا۔ جب وہ دوسری نظم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پڑھا کرتا تو حضرت مخدوم الملت مولانا مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کو سخت ناگوار ہوتا۔ وہ فرمایا کرتے کہ یہ اس نظم کے پڑھنے کا اہل نہیں۔ کیونکہ یہ نظم ایک حقیقت اور حال ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کے وجود میں پائی جاتی ہے جو کچھ اس نظم میں بیان کیا گیا ہے میں کسی دوسرے کے منہ سے غیرت کی وجہ سے سن ہی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ اس قسم کا عامی سائل پڑھتا پھرے۔ یہ تو مخدوم الملت کی اس محبت اور عشق کی کیفیت ہے جو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تھا۔

بہر حال اس سائل نے قادیان میں ایک چکر لگایا رمضان کا مہینہ تھا۔ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام نے اس عرصہ میں متعدد مرتبہ اس کو بہت کچھ دیا۔ لیکن وہ کہتا تھا کہ میرا پیالہ بھر دو چنانچہ عید کے دن وہ بہت بڑا پیالہ لے کر آگیا اور مسجد میں دروازہ کے قریب چادر بچھا کر بیٹھ گیا۔ اور جب حضرت صاحب تشریف لائے تو سوال کیا کہ

میرا پیالہ بھر دو

حضرت اقدس نے اس میں ایک روپیہ ڈالا اس روپیہ کا ڈالنا تھا کہ روپوں کا مینہ برس گیا۔ اور مختلف قسم کے سکوں سے اس کا پیالہ بھر دیا گیا۔ جب حضرت صاحب نے اس کا سوال سنا تو متبسّم ہوئے۔ اور اس حالت میں وہ روپیہ ڈالا۔

آپ کی عادت جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے عام طور پر مخفی دینے کی تھی مگر یہ عطا علانیہ تھی۔ اور وہ اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ کی مصداق تھی۔ غرض سائل شاداں و فرحاں گھر کو چلا گیا اور پھر اس نے یہ طریق سالانہ اختیار کرنا چاہا چونکہ گداگری کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے اس کو ناپسند فرمایا گو اس کو آپ نے کچھ نہیں کہا مگر دوسرے لوگوں نے اس کو سمجھایا مگر گداگر لوگ ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ پھر بھی وہ کبھی کبھی آجاتا اور کچھ لے ہی جاتا۔

اکثر لوگ اس قسم کے سائل بھی آجاتے جو عام طور پر سوال نہ کرتے مگر رقعہ لکھ کر دے دیتے اور کسی کو یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس نے سوال کیا ہے لیکن جب حضرت اقدس اندر سے سائل کے لئے کچھ بھیجتے تو پتہ لگتا یا کبھی اندر تشریف لے جاتے وقت کہہ جاتے کہ تم بیٹھو میں آتا ہوں اور بعض لوگ اس خیال سے ٹھہر جاتے کہ حضرت صاحب آئیں گے تو معلوم ہوتا کہ آپ سائل کے لئے اس کی مطلوبہ چیز نقدی یا کپڑا لے کر آرہے ہیں۔

مخفی عطا کا ایک عجیب واقعہ

میں نے بتایا ہے کہ آپ کی عام عادت یہ تھی کہ جو کچھ کسی کو دیتے تھے وہ کسی نمائش کے لئے نہ ہوتا تھا بلکہ محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے اور شفقت علیٰ خلق اللہ

کے نقطہ خیال سے اور اس لئے عام طور پر آپ نہایت مخفی طریقوں سے عطا فرماتے تھے اور کبھی دوسروں کو تحریک کرنے کے لئے اور عملی سبق دینے کے واسطے علانیہ بھی کرتے تھے۔ مخفی طور پر عطا کرنے میں آپ کا یہ بھی ایک طریق تھا کہ بعض اوقات ایسے طور پر دیتے تھے کہ خود لینے والے کو بھی بمشکل علم ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ منشی محمد نصیب صاحب (جو آج کل قادیان سے قطع تعلق کر چکے ہیں) ایک یتیم کی حیثیت سے قادیان آئے تھے اور حضرت اقدس کے رحم و کرم سے انہوں نے قادیان میں رہ کر تعلیم پائی۔ ان کے اخراجات اور ضروریات کا سارا بار سلسلہ پر تھا۔ جب وہ جوان ہو گئے اور انہوں نے شادی کر لی تو وہ لاہور کے ایک اخبار کے دفتر میں محرر ہوئے اور پھر دفتر بدر قادیان میں آکر بارہ روپے ماہوار پر ملازم ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کو جب اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا بیٹا نصیر احمد (اللھم اجعلہ لنا فرطا) عطا فرمایا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مرحوم نصیر احمد صاحب کے لئے ایک انّا کی ضرورت پیش آئی میں نے شیخ محمد نصیب صاحب کو تحریک کی کہ ایسے موقعہ پر تم اپنی بیوی کی خدمات پیش کردو۔ ہم خرما و ہم ثواب کا موقعہ ہے۔ میرے مشورہ کو شیخ صاحب نے قدر و عزت کی نظر سے دیکھا اور ان کو یہ موقعہ مل گیا۔ اور ان کی بیوی صاحبزادہ نصیر احمد صاحب کو دودھ پلانے پر مامور ہو گئیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے باتوں ہی باتوں میں دریافت فرمایا کہ شیخ محمد نصیب صاحب کو کیا تنخواہ ملتی ہے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ صرف بارہ روپے ملتے ہیں تو آپ نے محسوس فرمایا کہ اس قدر قلیل تنخواہ میں شاید گزارہ نہ ہوتا ہو۔ اگرچہ وہ ارزانی کے ایام تھے لیکن حضرت اقدس کو یہ احساس ہوا اور آپ نے ایک روز گزرتے ہوئے ان کے کمرے میں بیس پچیس روپے کی پوٹلی پھینک دی۔ شیخ صاحب کو خیال گزرا کہ معلوم نہیں یہ روپیہ کیسا ہے۔ آخر یہ معلوم ہوا کہ حضرت اقدس نے ان کی تنگی کا احساس کر کے رکھ دیا ہے تاکہ تکلیف نہ ہو اور آرام سے گزارہ کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس روپیہ کو زیور بنانے میں خرچ

کیا کیونکہ اس وقت ان کی کھانے پینے کی ضروریات حضرت کے وسیع دستر خوان سے پوری ہو جاتی تھیں۔

مجھے افسوس ہے کہ ایسے محسن کے شہر کو چھوڑ کراب وہ لاہور چلے گئے ہیں اور جس اولوالعزم بیٹے کی خدمت کی بدولت ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی تھی کہ وہ حضرت مسیح موعود کے دار میں ایک وقت رہنے کا موقعہ پا چکے تھے اس سے قطع تعلق ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔ *

ایک سکھ کو جو دشمن تھا قیمتی مشک دے دیا

قادیان میں نہال سنگھ نامی ایک بانگرو جٹ رہتا تھا۔ اپنے ایام جوانی میں وہ کسی فوج میں ملازم بھی رہا تھا۔ اور پنشن پاتا تھا۔ اس کا گھر جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کے دیوان خانہ سے دیوار بدیوار ہے۔ یہ سلسلہ کا بہت بڑا دشمن تھا۔ اور اس کی تحریک سے حضرت حکیم الامت اور بعض دوسرے احمدیوں پر ایک خطرناک فوجداری جھوٹا مقدمہ دائر ہوا تھا۔ اور ہمیشہ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر احمدیوں کو تنگ کیا کرتا تھا۔ اور گالیاں دیتے رہنا تو ایک معمول تھا۔ عین ان ایام میں جب کہ مقدمات دائر تھے اس کے بھتیجے سنتا سنگھ کی بیوی کے لئے مشک کی ضرورت پڑی اور کسی دوسری جگہ سے یہی نہیں کہ مشک ملتا نہ تھا بلکہ یہ بہت قیمتی چیز تھی۔ وہ اس حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دروازہ پر گیا اور مشک کا سوال کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کے پکارنے پر فوراً ہی تشریف لے آئے تھے اور اسے ذرا بھی انتظار میں نہ رکھا اس کا سوال سنتے ہی فوراً اندر تشریف لے گئے اور کہہ گئے ٹھہرو میں ابھی لاتا ہوں چنانچہ آپ نے کوئی نصف تولہ کے قریب مشک لاکر اس کے حوالہ کر دی۔

جود و عطا میں آپ کا ایثار

آپ کی زندگی میں جود و عطا کی ایک اور شان بھی جلوہ گر ہے جو شفاعت و سپارش کا

* حضرت شیخ محمد نصیب صاحبؓ۔ آپ چند سالوں کے بعد خلافتِ ثانیہ سے وابستہ ہو گئے تھے۔ بہشتی مقبرہ

رنگ رکھتی ہے بعض اوقات آپ کی خدمت میں کوئی ایسا سائل آتا جس کے سوال کو پورا کرنا آپ کے اختیار میں نہ ہوتا بلکہ اس کا تعلق دوسروں سے ہوتا۔ اس حالت میں آپ اس امر کا بھی التزام رکھتے تھے۔ کہ اس کے فائدہ کے لئے ایسے لوگوں کو بھی سپارش کر دیتے جن کو اپنی کسی ذاتی ضرورت کے لئے بھی کبھی کچھ نہ کہتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی کریمانہ اور مخلصانہ شان ہے۔ کہ بہت ہی کم دنیا میں پائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق میں دو واقعات پیش کروں گا۔

پہلا واقعہ

شیخ محمد نصیب صاحب جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے قادیان میں ایک سکھ عورت کے کرایہ دار تھے اس نے ایک مرتبہ ان کو کسی وجہ سے تنگ کیا اور وہ اس کے ہاتھ سے نالاں تھے۔ وہ مکان خالی کرنے پر مجبور کر رہی تھی اور قادیان کی یہ حالت تھی کہ مکانات ملتے ہی نہ تھے۔ میاں محمد نصیب صاحب نے حضرت کی خدمت میں اپنی تکلیف کا اظہار کیا۔ حضرت کے اپنے مکانات میں کوئی حصہ ایسا نہ تھا کہ دیا جا سکتا اس لئے آپ نے اسی مکان کے متعلق رفع تکلیف کا وعدہ کیا۔ اور اس کے لئے آپ نے جناب مرزا نظام الدین صاحب کو کہلا بھیجا۔ کیونکہ وہ مالکہ مکان ان کے زیر اثر تھی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تکلیف رفع ہو گئی۔ جو امر اس واقع میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ مرزا نظام الدین صاحب اپنے بڑے بھائی مرزا امام الدین صاحب کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اچھے تعلقات نہ رکھتے تھے۔ بلکہ عداوت اور مخالفت کا رنگ تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دوسرے کے آرام اور نفع کے لئے یہ پسند کر لیا کہ مرزا نظام الدین صاحب کو بھی کہلا بھیجا کہ اس کی تکلیف کو رفع کر دیا جاوے۔

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ خود مرزا نظام الدین صاحب کے بھائی مرزا امام الدین صاحب کے متعلق ہے۔ یہ کوئی مخفی امر نہیں کہ مرزا امام الدین صاحب اس سلسلہ کے سخت دشمن تھے۔ اور حضرت کے خاندان کے ساتھ ان کو عداوت تھی مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کی عداوت کو دنیوی معاملات میں

ہمیشہ نظر انداز کر دیتے تھے یعنی ان سے حسن سلوک میں کبھی بھی آپ نے فرق نہ کیا۔ وہ بسا اوقات حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مالی مدد لے لیتا تھا۔ اور باوجود ان احسانات کے مخالفت میں بھی لگا رہتا تھا۔ اور اس طرح پر تلخ دشمن تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک گھوڑا فروخت کرنا چاہا۔ اور اس کے لئے اس نے بہتر موقعہ یہ تجویز کیا کہ اس گھوڑے کو جموں لے جاوے اور حضرت حکیم الامت مولوی نورالدین صاحب خلیفتہ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پیش کرے۔ تاکہ اس طرح پر اسے ایک معقول رقم مل جاوے۔ اس تجویز کو زیر نظر رکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے خود درخواست کی کہ آپ ایک سپارشی خط حضرت حکیم الامت کے نام لکھ دیں۔ آپ نے اس درخواست کو رد نہ فرمایا اور بلا تأمل حضرت مولوی صاحب کے نام ایک سپارشی خط دے دیا جس کو میں ذیل میں درج کرتا ہوں حالات ظاہر ہیں۔ اور واقعہ واضح۔ مرزا امام الدین صاحب کی دشمنی اور عداوت کوئی مخفی امر نہ تھا۔ مگر آپ نے جب بھی نیکی اور احسان کرنے کا موقعہ آیا اس عداوت کا کبھی خیال بھی نہیں کیا اور اسے فائدہ پہنچانے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔

خط نمبر ا متعلق مرزا امام الدین صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہٗ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اس خط کی تحریر سے مطلب آپ کو ایک تکلیف دینا ہے امید ہے کہ آپ توجہ اور سعی سے دریغ نہ فرمائیں گے اور وہ یہ ہے کہ

مرزا امام الدین صاحب جو میرے ایک چچا زاد بھائی ہیں۔ ایک بیش قیمت گھوڑا ان کے پاس ہے جو خوش رفتار اور راجوں رئیسوں کی سواری کے لائق ہے اب وہ اس کو فروخت کرنا چاہتے ہیں چونکہ ایسے

گراں قیمت گھوڑوں کو عام لوگ خرید نہیں سکتے اور رئیس خود ایسی چیزوں کی تلاش میں رہتے ہیں لہٰذا مکلّف ہوں کہ آپ براہ مہربانی رئیس جموں یا اس کے کسی بھائی کے پاس تذکرہ کر کے جدوجہد کریں کہ تا مناسب قیمت سے وہ گھوڑا خرید لیں۔ اگر خریدنے کا ارادہ ان کی طرف سے پختہ ہو جاوے تو گھوڑا آپ کی خدمت میں بھیجا جاوے ضرور کوشش بلیغ کے بعد اطلاع بخشیں۔ والسلام۔ خاکسار غلام احمد از قادیان

(۳۔ مارچ ۱۸۸۸ء مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۶۲)

مرزا محمد بیگ مرحوم کی سپارش

اسی سلسلہ میں میں مرزا محمد بیگ خلف مرزا احمد بیگ صاحب ہوشیارپوری کا واقعہ بھی درج کر دیتا ہوں مرزا محمد بیگ کے خاندان کے ساتھ بھی تعلقات اچھے نہ تھے اور یہ تعلقات کی ناخوش گواری محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے تھی۔ مرزا محمد بیگ نے جموں جاکر ملازمت کرنی چاہی اور حضرت مسیح موعود سے سپارش چاہی کہ حضرت حکیم الامت کے نام سپارشی خط دیا جاوے۔ حضرت نے بلا تامل مندرجہ ذیل خط لکھ دیا اس لئے کہ آپ کسی جائز سوال کو رد نہ کرتے تھے۔

خط نمبر (۲)

"محمد بیگ لڑکا آپ کے پاس ہے۔ آں مکرم کو معلوم ہوگا کہ اس کا والد مرزا احمد بیگ بوجہ اپنی بے سمجھی اور حجاب کے اس عاجز سے سخت عداوت اور کینہ رکھتا ہے...... کچھ مضائقہ نہیں کہ ان لوگوں کی سختی کے عوض میں نرمی اختیار کر کے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کا ثواب حاصل کیا جاوے۔ اس لڑکے محمد بیگ کے کتنے خط اس مضمون کے پہنچے ہیں کہ مولوی صاحب پولیس کے محکمہ میں مجھ کو نوکر کرا دیں"۔

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ صفحہ ۱۰۱)

اس خط کے بعد حضرت مولوی صاحب نے اس کو پولیس میں نوکر کرا دیا۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ آپ ہر طرح سے مخلوق خدا کی نفع رسانی کے لئے آمادہ رہتے تھے اور داد و دہش اور شفاعت و سپارش سے کبھی دریغ نہ فرماتے۔ باوجود ان باتوں کے جہاں آپ دیکھتے کہ کچھ دینا مسرفانہ رنگ رکھتا ہے آپ اس سے پرہیز فرماتے۔

ایک مسجد کے لئے چندہ کی درخواست

۲۱۔ مئی ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے کہ کہیں سے خط آیا کہ ہم ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں اور تبرکاً آپ سے بھی چندہ چاہتے ہیں۔ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم چندہ تو دے سکتے ہیں اور یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ مگر جبکہ خود ہمارے ہاں بڑے بڑے اہم اور ضروری سلسلے خرچ کے موجود ہیں جن کے مقابلہ میں اس قسم کے خرچوں میں شامل ہونا اسراف معلوم ہوتا ہے تو ہم کس طرح سے شامل ہوں۔ یہاں جو مسجد خدا بنا رہا ہے اور وہی مسجد اقصیٰ ہے وہ سب سے مقدم ہے آپ لوگوں کو چاہئے کہ اس کے واسطے روپیہ بھیج کر ثواب میں شامل ہوں۔ ہمارا دوست وہ ہے جو ہماری بات کو مانے نہ وہ کہ جو اپنی بات کو مقدم رکھے۔

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل وعادات اور اخلاق کا تذکرہ

حصہ سوئم

جسکو خاکسار یعقوب علی تراب احمدی عرفانی ایڈیٹر الحکم و تادیب النساء

نے مرتب کیا اور

خاکسار ابوالخیر محمود احمد (مجاہد مصری) نے انقلاب سٹیم پریس لاہور

میں چھپوا کر انوار احمدیہ بکڈپو قادیان دارالامان

سے شائع کیا

تاریخ اشاعت : ۲۰ نومبر ۱۹۲۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

عرض حال

الحمدللہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و رحم سے مجھے پھر موقعہ دیا۔ کہ میں اپنے محسن و آقا۔ مطاع و مقتداء سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل و اخلاق کا ایک اور حصہ شائع کر سکوں۔ پہلی جلد ۱۲ مئی ۱۹۲۴ء کو اور دوسری ۱۰ اپریل ۱۹۲۵ء کو شائع ہوئی تھی اور اب تیسری جلد شائع کر رہا ہوں۔ میں اس تعویق اور توقف کے لئے کوئی عذر نہیں کرنا چاہتا۔ اسلئے کہ میں اسے اپنے اختیار و تصرف سے باہر پاتا ہوں۔ اور ہر مرتبہ میں نے دیکھا۔ کہ میری کوشش اور تجویز نے مجھے شرمندہ کیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس سلسلہ کو متواتر جاری رکھوں۔ مگر جون ۱۹۲۵ء میں میں یورپ چلا گیا۔ اور اب اگست ۱۹۲۷ء میں یورپ اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت سے واپس آیا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس سفر نے مجھے اس سعادت کی توفیق دی۔ جس کی آرزو سالہا سال سے تھی۔ یعنی بیت اللہ کی زیارت اور حج کی سعادت مل گئی۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

واپس آنے کے بعد پہلا کام میں یہی کر رہا ہوں۔ کہ اپنے مطاع و مولیٰ کی سیرت و شمائل کا ایک حصہ شائع کرنے کی توفیق پاتا ہوں۔ اور باقی حصص کو بھی وقتاً فوقتاً شائع کرنے کی توفیق کیلئے دعا کرتا ہوں مجھے افسوس سے یہ بھی کہنے دیا جاوے۔ کہ اب تک پوری پانچ سو جلدیں بھی اس سیرت کی شائع نہیں ہو سکیں۔ اس لئے ہر

خادم مسیح موعود سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ یہ کام جلد جلد ہو تو اس کی کثرت اشاعت کیلئے سعی کریں۔ اگر مستقل طور پر پانچ سو خریدار بھی ہوں تو انشاء اللہ العزیز سال میں کم از کم ۶ جلدیں شائع ہو سکتی ہیں۔

مجھ کو آخر میں یہ بھی گزارش کرنا ہے۔ کہ حضرت اقدس کے اخلاق و عادات اور سیرت کے متعلق کوئی واقعہ کسی صاحب کو معلوم ہو۔ یا حضرت اقدس کی کوئی تحریر کسی کے پاس موجود ہو۔ تو وہ ازراہ کرم اصل یا نقل مجھے بھیج دیں۔ تاکہ اپنے مقام پر درج ہو جاوے۔ ایسا ہی حضرت اقدس کے دشمنوں میں سے کسی دشمن اور مخالف کے عبرتناک اور اعجازی انجام کے واقعات اور کوائف کا صحیح علم ہو تو اس سے بھی اطلاع دیں اور بالآخر عرض ہے۔ کہ وہ میرے لئے دعا کریں۔ کہ میں اس کام کو اخلاص کے ساتھ ختم کرنے کی توفیق پاسکوں۔ والسلام

خاکسار: عرفانی

کنج عافیت واقع تراب منزل دارالامان قادیان

عطائے کوزہ

مخدومی حضرت ڈاکٹر صادق ان بزرگوں میں سے ایک ہیں۔ جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص پیاروں میں ہونے کی سعادت اور شرف حاصل ہے۔ جن کی نسبت حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے۔ کہ لاہور سے ہمارے حصہ میں مفتی محمد صادق ہی آئے ہیں۔ ڈاکٹر صادق کی ہمیشہ سے عادت تھی۔ کہ حضرت کی مجلس میں کوئی بات سنتے تو نوٹ کرتے۔ ذیل کا واقعہ ان کی ایک پرانی نوٹ بک سے لیا گیا ہے۔ جس کو نہایت عزت و احترام سے درج کیا جاتا ہے۔

"۱۸۹۷ء کا ذکر ہے۔ عاجز راقم اپنی ملازمت سے چند روز کی رخصت پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک دن غالباً ظہر کی نماز کے بعد حضرت صاحب مسجد مبارک کے شمال مغربی کونے میں بیٹھے تھے۔ گویا کونے کے دونوں طرف کی دیواروں سے آپ کی پشت مبارک لگی ہوئی تھی۔ خدام اردگرد بیٹھے تھے۔ میرے قدیمی وطن بھیرہ ضلع شاہ پور سے ایک احمدی عورت آئی ہوئی تھی۔ اس نے دروازہ مسجد پر کھڑے ہو کر ایک مٹی کا کوزہ بھیرے کا بنا ہوا حضرت کے حضور میں پیش کیا۔ اس کوزے پر کچھ روپہلی کام کیا ہوا تھا۔ اس کی شکل اس طرح سے تھی۔

" حضرت نے اس کوزے کو ہاتھ میں پکڑا۔ اس کی صنعت کی تعریف کی۔ پھر اس کی مشت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ کسی شاعر نے اس پر

ایک رباعی کہی ہے۔ کہ یہ ایسا ہے جیسا کہ دوست کی گردن میں عاشق ہاتھ ڈالے ہوئے ہو۔ تب آپ نے وہ رباعی پڑھی۔ میں نے جھٹ اپنی نوٹ بک حضور کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کی کہ حضور وہ رباعی مجھے لکھ دیں۔ حضور نے اس ذرہ نوازی سے جو اپنے غلاموں پر کرتے تھے۔ اپنے دست مبارک سے وہ رباعی میری کاپی پر لکھ دی۔ وہ کاپی اب تک محفوظ ہے۔ اور اس میں سے حضور کی دستی تحریر کا عکس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

این کوزہ چو من عاشق زارے بودست
در بند سر زلف نگارے بودست
این دست کہ در گردن او مے بینے
دستیست کہ در گردن یارے بودست

ایں کوزہ چو من عاشق زارے بود است　　دربند سر زلف نگارے بود است
ایں دست کہ در گردن اوے بنی　　دست است کہ در گردن یارے بود است

ترجمہ: یہ کوزہ میری طرح بیچارہ عاشق ہو چکا ہے۔ کسی معشوق کی زلف میں قید رہ چکا ہے۔ یہ ہاتھ جو تو اس کی گردن میں دیکھتا ہے۔ یہ وہ ہاتھ ہے جو کسی یار کی گردن میں ہے"۔ (اخبار الحکم خاص نمبر بابت ۲۱-۲۲ مئی ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۷)

تھوڑا دینا جانتے ہی نہ تھے صندوقچی ہی آگے رکھ دی

حافظ نور احمد صاحب سوداگر پشمینہ لودہانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

پرانے اور مخلص خدام میں سے ہیں۔ انکو اپنے تجارتی کاروبار میں ایک بار سخت خسارہ ہو گیا۔ اور کاروبار قریباً بند ہی ہو گیا۔ انہوں نے چاہا۔ کہ وہ کسی دوسری جگہ چلے جاویں۔ اور کوئی اور کاروبار کریں۔ تاکہ اپنی مالی حالت کی اصلاح کے قابل ہو سکیں۔ وہ اس وقت کے گئے ہوئے گویا اب واپس آسکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں برابر خط و کتابت رکھتے تھے۔ اور سلسلہ کی مالی خدمت اپنی طاقت اور توفیق سے بڑھ کر کرتے رہے۔ اور آجکل قادیان میں ہی مقیم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی داد و دہش اور جود و سخا کے متعلق میں تو ایک ہی بات کہتا ہوں کہ آپ تھوڑا دینا جانتے ہی نہ تھے۔ اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ کہ میں نے جب اس سفر کا ارادہ کیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کچھ روپیہ مانگا۔ حضور ایک صندوقچی جس میں روپیہ رکھا کرتے تھے۔ اٹھا کر لے آئے۔ اور میرے سامنے صندوقچی ہی رکھ دی کہ

جتنا چاہو لے لو

اور حضور کو اس سے بہت خوشی تھی۔ میں نے اپنی ضرورت کے موافق لے لیا۔ گو حضور یہی فرماتے رہے۔ کہ سارا ہی لے لو۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ دوستوں کے ساتھ تو آپ کا معاملہ ہی الگ تھا۔ وہ اپنے مال کو دوستوں ہی کا مال عملاً سمجھتے تھے۔ اور اس معاملہ میں آپ کو اس سے تکلیف ہوتی اگر کوئی خادم مغائیرت کرے۔ حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ سے کچھ قرض لیا۔ جب انہوں نے اس روپیہ کو حضرت کی خدمت میں واپس بھیجا۔ تو حضرت نے ناپسند فرمایا۔ اور واپس کر کے فرمایا۔ کہ

آپ ہمارے روپیہ کو اپنے روپیہ سے الگ سمجھتے ہیں

حضرت سید فضل شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت سید فضل شاہ

صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت ہی مخلص خدام میں سے تھے۔ شاہ صاحب مکرمی سید ناصر شاہ صاحب کے برادر معظم تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ان کو عشق تھا۔ آخر وہ ہجرت کر کے قادیان آگئے تھے۔ اور دار الضعفاء میں رہتے تھے۔ اور اب مقبرہ بہشتی میں آرام فرماتے ہیں۔

جولائی ۱۹۰۰ء کا واقعہ ہے۔ کہ وہ قادیان آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ۶ جولائی ۱۹۰۰ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جانے کی اجازت طلب کی۔ اور یہ بھی خواہش کی۔ کہ حضور چند کلمات نصیحت کے لکھ دیں۔ نیز کوئی دوائی اور ایک کرتہ بھی طلب کیا۔ حضرت اقدس کو دوران سر کا شدید دورہ تھا۔ اور نماز میں بھی تشریف نہ لاسکے۔ مگر آپ نے باوجود اس کے کہ سر میں سخت درد تھا۔ شاہ صاحب کے خط کے جواب میں ایک نصیحت نامہ لکھا۔ اور دوائی اور کرتہ بھی دیا۔ یہ واقعہ اس بات کی شہادت ہے۔ کہ آپ اپنی بیماری کی شدید ترین حالتوں میں بھی اپنے خدام کی جائز درخواستوں کو پورا کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور عوام کے نفع اور بھلائی کے لئے تکلیف کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور تبلیغ حق اور نصح اور کلمۃ الخیر کے پہنچانے میں ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔

ہر سائل کو عطاء کیلئے تیار رہتے تھے

جب حضور آخری مرتبہ ۱۹۰۵ء میں دہلی تشریف لے گئے۔ تو ایک روز آپ دہلی کے مزارات وغیرہ پر جانے کے ارادے سے نکلے۔ کسی نے بیان کیا۔ کہ حضور اس طرف راستہ میں اس قدر گداگر ہوتے ہیں۔ کہ گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ آج ہم چلتے ہیں۔ ہم سب کو دیں گے۔ یہ معمولی عزم اور حوصلہ نہ تھا۔ آپ حقیقت میں اس امر کے لئے تیار تھے۔ کہ جو کوئی بھی مانگے گا۔ اسے دیں گے۔ جس کثرت سے گداگروں کا ہونا بتایا گیا تھا۔ اس قدر تو ملے نہیں۔ بعض ملے اور ہر ایک نے اپنے سوال کا جواب عملی طور پر حاصل کیا۔

میں نے حضرت کو پیسہ دیتے نہیں دیکھا

میں ۱۸۹۸ء سے مستقل طور پر حضرت کی خدمت میں آگیا۔ اور ۱۸۹۲ء سے قادیان آتا تھا۔ میرے سامنے اکثر لوگوں نے سوال کیا۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے سائل کو تانبے کا سکہ یعنی پیسہ دیا ہو۔ آپ ہمیشہ چاندی کا سکہ دیتے تھے۔ اور علی العموم معمولی سائل کو بھی ایک روپیہ دے دیتے تھے۔ ایک غیر احمدی فقیر نے ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں آکر سوال کیا۔ کہ میں جنگل میں ایک کنواں لگوانا چاہتا ہوں۔ وہاں مسافروں کو اس سے آرام ملے گا۔ اور وہ پانی پئیں گے۔ کہتے ہیں حضرت نے اس کو اس غرض کے لئے دو سو روپیہ دے دیا۔

دوسرے کے سوال کا انتظار نہ کرتے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت میں یہ امر بھی داخل تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بھی ذکر کر آیا ہوں کہ بعض اوقات وہ کسی کی حاجت اور ضرورت کا احساس کر کے اس کے سوال یا اظہار کے منتظر نہ رہتے تھے۔ بلکہ خود بخود ہی پیش کر دیا کرتے تھے۔ مکرمی شیخ فتح محمد صاحب پنشنر انسپکٹر ریاست کشمیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرصہ دراز سے آنے والے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں جب کبھی حضرت کی خدمت میں آتا تھا۔ تو ہمیشہ میرا کرایہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوتے تھے۔ مگر مجھ کو چونکہ ضرورت نہ ہوتی تھی۔ میں نے کبھی لیا نہیں۔ لیکن حضرت کی روح سخاوت اس قدر عظیم الشان تھی۔ کہ آپ بغیر استفسار ہمیشہ پیش کر دیتے۔ اور یہ میرے ساتھ ہی معاملہ نہ تھا۔ بلکہ اکثروں کو دیتے رہتے تھے۔ شام اور عرب سے بعض لوگ آتے۔ اور آپ ان کو بعض اوقات بیش قرار رقوم زاد راہ کے طور پر دے دیتے کیونکہ حضور جانتے تھے۔ وہ دور دراز سے آئے ہیں۔

تریاق الٰہی کی عطاء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب طاعون اس ملک میں پھیلی تو اللہ تعالیٰ کی وحی اور علم کے ماتحت ایک دوائی تیار کرنی شروع کی۔ جس کا نام حضور نے تریاق الٰہی رکھا۔ اس دوائی کا کوئی مقرر نسخہ نہ تھا۔ بلکہ جس جس طرح پر اللہ تعالیٰ کی وحی خفی نے ہدایت کی آپ اس کے اجزاء مہیا کرتے تھے۔ اور عرفی اصول طب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اجزاء کے وزن اور پیمانہ کو اسی اصل علم الٰہی کے ماتحت کر دیا۔ اس دوائی میں کئی ہزار کے تو جواہرات ڈالے گئے۔ اور بھی بہت سی قیمتی ادویات ڈالی گئیں۔ جب یہ دوائی تیار ہوئی۔ تو حضور نے نہایت فراخدلی کے ساتھ اسے تقسیم کیا۔ اور ایک حبہ کسی سے نہیں لیا۔ بلکہ باہر سے طلب کرنے والوں کو رجسٹرڈ پارسل بھی اپنے خرچ سے بھجوا دیتے تھے۔ مکرمی ڈاکٹر صادق صاحب نے ایک مرتبہ بیان کیا تھا۔ کہ کسی شخص نے دو تین ماشہ تریاق طلب کیا تھا۔ آپ نے اسے بہت سی مقدار ڈبیہ میں بند کر کے رجسٹری کرا کر روانہ کر دی۔ خود خاکسار عرفانی نے جب عرض کیا۔ تو بہت بڑی مقدار میں عطاء فرمایا۔

تریاق ہی کے متعلق حضور کا یہ طرز عمل نہ تھا۔ بلکہ ادویات کے متعلق تو حضور کا اسوہ یہ تھا۔ کہ بعض اوقات تمام بوتل ہی حوالہ کر دیتے تھے۔ میں نے دشمنوں سے سلوک کے باب میں بیان کیا ہے۔ کہ کس طرح بعض اوقات آپ نے نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجہ کا مشک اپنے تلخ دشمنوں کو دے دیا۔

احباب کی خوشیوں میں فیاضانہ حصہ لیتے تھے

آپ کے طرز عمل سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات آپ دوستوں کی خوشیوں میں فیاضانہ حصہ لیتے تھے۔ اور یہ طریق آپ کا اظہار محبت اور جود و عطاء کی شان رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری ؓ کے نام جو خطوط وقتاً فوقتاً آپ نے تحریر فرمائے۔ ان کے مطالعہ سے اور خود منشی صاحب موصوف کے

بیان سے یہی ثابت ہے۔ کہ حضور نے ایک مرتبہ منشی صاحب موصوف کے ولیمہ میں اور دوسری مرتبہ عقیقہ فرزند میں اپنی طرف سے ایک رقم خرچ کر دی۔ اور اس خرچ کرنے میں آپ کو خوشی اور انشراح تھا۔ بعض اوقات لوگ اپنی اس قسم کی تقریبوں پر کچھ روپیہ حضرت کے حضور بھیج دیتے۔ اور لکھ دیتے کہ وہاں دعوت احباب کر دیں۔ مگر وہ تحریر کے وقت اس امر کو نادانستہ بھول جاتے۔ کہ قادیان کی دعوت چند آدمیوں کی دعوت نہیں ہو سکتی۔ لیکن حضرت اقدس ان کو مکرر اس کے متعلق کچھ نہ لکھتے۔ بلکہ اپنی گرہ سے ایک رقم ڈال کر ان کی تمنا کو پورا کر دیتے۔ اور بارہا ایسے موقعہ آپ کو پیش آتے۔ مگر کبھی اس کا ذکر اشارۃً کنایۃً بھی نہ کرتے۔ بلکہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر یہی فرماتے

کہ فلاں دوست کی طرف سے دعوت ہے

شیخ محمد اسماعیل صاحب سرساوی کا واقعہ

شیخ محمد اسماعیل صاحب سرساوی

میرے بتیس سال کے مخلص دوست اور بھائی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے خادم ہیں۔ شروع ہی سے ان کی طبیعت صوفیانہ واقع ہوئی ہے۔ اور صلحاء کی صحبت کا شوق دامنگیر رہا۔ مدرسہ تعلیم الاسلام میں شروع سے آج تک مدرس ہیں۔ اوائل میں وہی مہمانوں کو کھانا وغیرہ کھلایا کرتے تھے۔ گویا انہیں ناظر ضیافت کہنا چاہئے۔ وہ جب سے یہاں آئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام خاص طور پر ان کا خیال رکھتے۔ اور ان کی ضروریات کا آپ تکفّل فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت نانا جان مرحوم شیخ صاحب سے ناراض ہوئے۔ اور بے حد ناراض ہوئے۔ انہوں نے ان کے قرضہ وغیرہ کی فہرست تیار کی۔ ان میں حلوائیوں کا قرضہ بھی تھا۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ ادا ہو چکا ہے۔ معاملہ حضرت تک پہنچا۔ کہ انہوں نے حلوائیوں سے اس قدر قرضہ برداشت کیا ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سنکر ہنسے اور فرمایا کہ مجھے یہ معلوم ہے۔ اور وہ قرضہ ادا ہو چکا ہوا ہے۔ بلکہ ہر ہفتہ بے باق ہو

جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام شیخ صاحب کے ہفتہ واریا جب وہ چاہیں اخراجات ادا کر دیتے تھے۔ اور شیخ صاحب نہایت بے تکلفی سے جیسے بیٹا باپ سے جاکر کہتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ بے تکلفی سے عرض کر دیتے۔ کہ اس قدر خرچ ہو گیا ہے۔ اور حضرت فوراً ادا فرما دیتے۔ اس قسم کی شاہانہ اور مربیانہ فیاضیاں آپ کی ہوتی تھیں۔ ختم کرتے ہوئے میں ایک اور واقعہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک قیمتی کوٹ کیونکر لے لیا

خواجہ کمال الدین صاحب (جو آج سلسلہ سے منقطع ہو چکے ہیں) اور محسن باپ کی اولاد سے بیر اور دشمنی رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نوازشوں اور کرمفرمائیوں اور جود و عطاء کے بہت بڑے تجربہ کار ہیں۔ بیش قرار رقوم انہوں نے لیں۔ اور باوجود لینے کے کبھی اقرار نہیں کیا۔ اور اپنی خدمات کی ڈینگ مارتے رہے۔ میں اسے محسن کشی اور احسان فراموشی سمجھتا ہوں۔ جن ایام میں گورداسپور میں مولوی کرم الدین کے مقدمات ہو رہے تھے۔ ایک دفعہ دوران مقدمہ میں انہوں نے حضرت کو خط دکھایا۔ جو انہیں اپنے گھر پشاور سے آیا تھا۔ (خط کیوں لکھا گیا یہ ایک راز ہے۔ عرفانی) اور اس میں خرچ کی تنگی کا ذکر تھا۔ حضرت نے فوراً پانچ سو روپیہ نقد ان کو دے دیا۔ اور پھر ماہانہ ایک سو روپیہ ماہوار دیتے رہے۔ اور خاص طور پر احباب نے حضرت کی تحریک پر بہت بڑی رقم اخراجات مقدمہ کے لئے بھیجی جو خواجہ صاحب کے پاس رہتی تھی۔ حضرت نے کبھی حساب نہ مانگا۔ اس قسم کے مالی سلوک اور عطاء کے علاوہ حضرت صاجزادہ عبداللطیف صاحب شہید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے ایک قیمتی کوٹ جو افغانی طرز کا تھا لائے۔ خواجہ صاحب نے یہ کہہ کر مانگ لیا۔ کہ حضور یہ کوٹ مجھے عنایت کر دیں۔ کہ میں پہن کر

عدالت میں داخل ہوا کروں۔ اور اس کی برکت سے فریق مخالف کے وکیل اور عدالت پر میرا رعب ہو۔ حضور نے ہنس کر یہ کامدار قیمتی چغہ خواجہ صاحب کو دے دیا۔

غرض آپ کی عطا ایک دریائے بیکراں تھی اور آپ کا ہاتھ ابر گوہربار تھا۔ برستا تھا اور سیراب کر جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ رمضان کے مہینے میں بہت بڑھ جاتا تھا۔ اور مخفی در مخفی طریقوں سے حضور حاجت مندوں کو دیتے رہتے تھے۔ اور قیمتی سے قیمتی چیز دوسروں کو دے دینے میں آپ کو کبھی تامل نہ ہوتا تھا۔ یہ حالت آپ کی زندگی کے تمام حصوں میں پائی جاتی ہے۔ بعثت اور ماموریت سے پہلے بھی یہ اپنی شان میں جلوہ گر ہے۔ چنانچہ میں نے سوانح حیات میں غفارہ یکہ والے کے متعلق لکھا ہے۔ کہ حضرت نے کس طرح پر اس کی شادی کی تقریب پر اس کی مدد بعض زیورات سے کی۔ یہ اکیلی مثال نہیں۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں۔ کوئی موقعہ ایسا آپ کو پیش نہیں آیا۔ کہ آپ سے کسی نے کچھ مانگا ہو۔ اور آپ نے نہ دیا ہو۔ یا آپ نے کسی کی حاجت اور ضرورت کو محسوس کر کے بغیر اس کے سوال یا درخواست کے اس کی مدد نہ کی ہو۔ آپ کریم ابن کریم ابن کریم تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى عَبْدِكَ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ

بے تکلفی اور سادہ زندگی

حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی۔ اور اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کو میں نے ہمیشہ نہایت غور سے مطالعہ کیا۔ اور اسے احمد مکی ﷺ کی زندگی کا مثنیٰ اور عکس پایا۔

خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور مرسلوں میں یہ ایک خوبی ہوتی ہے۔ کہ باوجودیکہ ان کا وجود ہیبت و رعب کا ایک مجسمہ ہوتا ہے۔ اور یہ رعب خداداد ہوتا

ہے۔ مگر بااین وہ کوئی ڈراؤنی ہستیاں نہیں ہوتے۔ اپنے خدام و احباب کے زمرہ میں وہ ایک شفقت آمیز بے تکلفی اور سادگی کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اپنی ذات کے لئے کوئی فوق اور امتیاز ان کی خواہش نہیں ہوتی۔ اور وہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ خدا کی وحی کے ماتحت کہتے ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس سادگی میں بھی ایک رعب اور امتیاز پایا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ فرمایا تھا۔

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ

لیکن آپ جب اپنے خدام و احباب میں تشریف فرما ہوتے۔ تو کوئی خاص مسند اور تکیہ آپ کے لئے مخصوص نہ ہوتا۔ جہاں اور جس طرح دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے۔ آپ ان میں ہی بیٹھ جاتے۔ بے تکلفی کا یہ عالم تھا۔ کہ اگر گرمی کا موسم ہوتا۔ اور شدت گرما کے باعث لوگ اپنی ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ لیتے۔ تو آپ کبھی اسے خلاف ادب نہ سمجھتے۔ اور آزادی کے ساتھ ہر شخص اپنے آرام کو مدنظر رکھ کر بیٹھ جاتا۔ کبھی یہ خیال بھی نہ ہوتا۔ کہ کوئی کس طرح پر بیٹھا ہے۔ میں نے اور ہزارہا لوگوں نے ان حالات اور واقعات کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ مگر میں اس کی تائید میں حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ جس کو انہوں نے اپنے ایک خط مندرجہ الحکم میں شائع فرمایا تھا۔ اور بعد میں وہی خط سیرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام سے میں نے شائع کیا۔ فرماتے ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس کا رنگ

"آپ کی مجلس کا رنگ ہو بہو نبوت کا (عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) کا رنگ ہے۔ (وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے مسئلہ پر آج کج بحثیاں کرتے ہیں۔ وہ غور فرمائیں۔ کہ ۱۹۰۰ء میں وہ شخص جو خدا کی وحی میں مسلمانوں کا لیڈر کہلایا۔ کیا عقیدہ رکھتا ہے۔ عرفانی) حضرت سرور عالم ﷺ کی

مسجد ہی آپ کی انجمن تھی۔ اور وہی ہر قسم کی ضرورتوں کے پورا کرنے کی جگہ تھی۔ ایک درویش دنیا سے قطع کر کے جنگل میں بیٹھا ہوا۔ اور اپنے تئیں اسی شغل بے شغلی میں پورا با خدا سمجھنے والا اگر ایسے وقت میں آپ کی مسجد میں آجائے۔ کہ جب آپ جہاد کی گفتگو کر رہے ہیں اور ہتھیاروں کو صاف کرنے اور تیز کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ تو وہ کیا خیال کر سکتا ہے۔ کہ آپ ایسے رحیم کریم ہیں۔ کہ رحمۃ للعالمین ہونے کا حق اور بجا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اور ساری دنیا سے زیادہ خدا اور اس کی مخلوق کے حقوق کی رعایت رکھنے والے ہیں۔

" اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص جو دنیا کے فقیروں اور سجادہ نشینوں کا شیفتہ اور خو کردہ تھا۔ ہماری مسجد میں آیا۔ لوگوں کو آزادی سے آپ سے گفتگو کرتے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ آپ سے کہا۔ کہ آپ کی مسجد میں ادب نہیں! لوگ بے محابا بات چیت آپ سے کرتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا۔

" میرا یہ مسلک نہیں۔ کہ میں ایسا تند خو اور بھیانک بن کر بیٹھوں۔ کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں۔ جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں۔ اور میں بت بننے سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ میں تو بت پرستی کے رد کرنے کو آیا ہوں۔ نہ یہ کہ میں خود بت بنوں۔ اور لوگ میری پوجا کریں۔

" اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کہ میں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرا بھی ترجیح نہیں دیتا۔ میرے نزدیک متکبر سے زیادہ کوئی بت پرست اور خبیث نہیں۔ متکبر کسی خدا کی پرستش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنی پرستش کرتا ہے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ سیالکوٹی صفحہ ۴۱-۴۲)

"مسجد مبارک میں آپ کی نشست کی کوئی خاص وضع نہیں ہوتی۔ ایک اجنبی آدمی آپ کو کسی خاص امتیاز کی معرفت پہچان نہیں سکتا۔ آپ ہمیشہ دائیں صف میں ایک کونے میں مسجد کے اس طرح مجتمع ہو کر بیٹھتے

ہیں۔ جیسے کوئی فکر کے دریا میں خوب سمٹ کر تیرتا ہے۔ میں جو اکثر محراب میں بیٹھتا ہوں۔ اور اس لئے داخلی دروازہ کے عین محاذ میں ہوتا ہوں۔ بسا اوقات ایک اجنبی جو مارے شوق کے سرزدہ اندر داخل ہوا ہے۔ تو سیدھا میری طرف ہی آیا ہے۔ اور پھر خود ہی اپنی غلطی پر متنبہ ہوا ہے۔ یا حاضرین میں سے کسی نے اسے حقدار کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

"آپ کی مجلس میں احتشام اور وقار اور آزادی اور بے تکلفی دونوں ایک ہی وقت میں جمع رہتے ہیں۔ ہر ایک خادم ایسا یقین کرتا ہے۔ کہ آپ کو مخصوصاً مجھ سے ہی پیار ہے۔ جو جو کچھ چاہتا ہے۔ بے تکلفی سے عرض کر لیتا ہے۔ گھنٹوں کوئی اپنی داستان شروع رکھے۔ اور وہ کیسی ہی بے سروپا کیوں نہ ہو۔ آپ پوری توجہ سے سنے جاتے ہیں۔ بسا اوقات حاضرین اپنی بساط قلب اور وسعت حوصلہ کے موافق سنتے سنتے اکتا گئے ہیں۔ انگڑائیاں اور جمائیاں لینے لگ گئے ہیں۔ مگر حضرت کی کسی حرکت نے ایک لحظہ کے لئے بھی کوئی ملال کا نشان ظاہر نہیں کیا۔

"آپ کی مجلس کا یہ رنگ نہیں کہ آپ سرنگوں اور متفکر بیٹھے ہوں۔ اور حاضرین سامنے حلقہ کئے یوں بیٹھے ہوں۔ جیسے دیواروں کی تصویریں ہیں۔ بلکہ وقت کے مناسب آپ تقریر کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی مذاہب باطلہ کی تردید میں بڑے زور شور سے تقریر فرماتے ہیں۔ گویا اس وقت آپ ایک عظیم الشان لشکر پر حملہ کر رہے ہیں۔ اور ایک اجنبی ایسا خیال کرتا ہے۔ کہ ایک جنگ ہو رہی ہے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۴۰-۴۱)

یہ تو آپ کی مجلس کی ایک بے تکلفانہ شان کا نقشہ ہے۔ آپ کے تمام حالات اور معمولات میں سادگی اور بے تکلفی جلوہ گر تھی۔ دنیا کے تکلفات اور نمائش اور

تصنع آپ میں پایا نہ جاتا تھا۔

سادگی کی شان کا ایک جلوہ تصویر کے وقت

۱۸۹۹ء میں یورپ میں تبلیغ کے نکتہ خیال اور ضرورت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فوٹو لینے کی ضرورت پیش آئی۔ لاہور سے ایک مصوّر بلایا گیا۔ اور فوٹو کا انتظام کیا گیا۔ فوٹوگرافر اپنے علم کے لحاظ سے اور تصویر کی خوبی کے پہلو کو مدنظر رکھ کر حضرت مسیح موعود کو اپنی نشست اور سامنے کی طرف دیکھنے کے متعلق کچھ ہدایات دینا چاہتا تھا۔ بلکہ اس نے نہایت ادب سے عرض بھی کر دیا۔ جو ہستی تکلفات اور تصنع کی خوگر نہ ہو اس سے یہ قطعی ناممکن تھا۔ کہ وہ ان ہدایتوں کی پابندیاں کر سکتی۔ ہرچند کوشش کی چند مرتبہ اس نے آپ کے لباس اور نشست وغیرہ کے متعلق عرض کیا۔ آخر وہ عاجز آگیا۔ اس لئے کہ وہ انتظام قائم نہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ فوٹو اس شان سادگی کی ایک نمایاں تصویر آج بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اور اپنی پوری سادگی کے ساتھ حقیقی جلال اور شان آپ کے چہرہ پر ہویدا ہے۔

مکان ولباس میں سادگی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ سادگی آپ کے رہنے کے مکان اور پہننے کے لباس میں صاف صاف نظر آتی تھی۔ جہاں تک طہارت، نظافت اور حفظ صحت کا تعلق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی بے حد رعایت کرتے تھے۔ اور ایسی رعایت کہ دوسرے کے لئے شاید تکلیف دہ ہو۔ مگر آپ کا یہ فعل رعایت اسباب اور طہارت و نظافت کے شرعی آداب اور احکام کی تعمیل میں ہوتا تھا۔ اس میں وہ تکلف جو بانکپن اور نری نمود کا رنگ رکھتا ہے قطعاً نہیں پایا جاتا تھا۔ لباس کے متعلق میں نے شمائل و عادات کے باب میں بحث کر دی ہے۔ اور لباس کے متعلق حالات دیتے ہوئے بتایا ہے کہ کس طرح پر آپ سادہ لباس پہنا کرتے تھے........ گھڑی کا استعمال کس رنگ میں کرتے۔ پلنگ سے کس طرح پر میز وغیرہ کا کام ایک ہی وقت لیتے تھے۔ غرض

تکلفات اور نمائش کا غلام تو اس قسم کی باتوں کو دیکھ کر شاید گھبرا جاتا۔ مگر آپ کبھی اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ حضرت مخدوم الملت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"حضرت مکان اور لباس کی آرائش اور زینت سے بالکل غافل اور بے پرواہ ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے حضور کا یہ پایہ اور منزلت ہے۔ کہ اگر چاہیں۔ تو آپ کے مکان کی اینٹیں سنگ مرمر کی ہو سکتی ہیں۔ اور آپ کے پا انداز سندس و اطلس کے بن سکتے ہیں۔ مگر بیٹھنے کا مکان ایسا معمولی ہے...غرض اپنے کام میں اس قدر استغراق ہے۔ کہ ان مادی باتوں کی مطلق پرواہ نہیں۔ جب مہمانوں کی ضرورت کے لئے مکان بنوانے کی ضرورت پیش آئی ہے۔ بار بار یہی تاکید فرمائی ہے۔ کہ اینٹوں اور پتھروں پر پیسہ خرچ کرنا عبث ہے۔ اتنا ہی کام کرو جو چند روز بسر کرنے کی گنجائش ہو جائے۔ نجّار تیر بندیاں اور تختے رندہ سے صاف کر رہا تھا روک دیا اور فرمایا۔ یہ محض تکلف ہے۔ اور ناحق کی دیر لگانا ہے مختصر کام کرو۔"

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی صفحہ ۳۷، ۳۸)

کھانے کی سادگی

میں اس پر پہلے لکھ آیا ہوں۔ یہاں زیادہ صراحت کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک امر کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ عام طور پر سیب کا رس نکال کر پیا کرتے تھے۔ بہت کم آپ اسے عام پھلوں کی طرح تراش خراش کر کے کھاتے۔ اگر محض ذائقہ مقصود ہوتا۔ تو اسے خوب طرح پر کاٹ کر اور قاش بنا کر کھاتے۔ مگر آپ کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا۔ کہ یہ بحالی قوت کے لئے اور قلب کے لئے مفید ہے۔ گویا بطور دوا کے استعمال کر رہے ہوتے تھے۔ کوئی شخص یہ غلطی نہ کھائے۔ کہ آپ نعوذ باللہ کسی قسم کی زینت لباس کھانے کے مرغن و لذیذ ہونے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ یہ سب بے ہودگی ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو حرام نہیں کرتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ نے جو حلال کیا اسے حلال سمجھتے ہی نہیں اپنے عمل سے دکھاتے تھے۔ آپ کے لباس میں زینت کا جو درجہ ہوتا تھا۔ وہ

اپنی جگہ ہوتا تھا۔ مگر جب میں کہتا ہوں۔ کہ وہ تکلفات سے بری ہوتا تھا۔ تو اس سے یہ مطلب ہے۔ کہ فیشن کے غلاموں اور پرستاروں کی طرح وہ اس میں اپنے وقت کو ضائع نہ کرتے تھے۔ اور خداتعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا جائز شکریہ ادا کرتے تھے۔ ہاں ان تمام اشیاء سے صرف ضرورت کی حد تک فائدہ اٹھاتے تھے۔ وہ چیزیں کبھی آپ کی زندگی کا مقصود اور مطلوب نہ ہوتی تھیں۔

غرض آپ کے لباس۔ آپ کے مکان آپ کی خوراک ہر چیز میں سادگی تھی۔ اور تکلف نہیں پایا جاتا تھا۔ اور یہ نہیں کہ جب آپ قادیان میں ہوں۔ تو ایسی حالت پائی جاتی ہو۔ بلکہ کبھی اور کسی حال میں بھی بے جا نمود اور تکلف کے آپ عادی نہ تھے۔

مباحثہ آتھم کا ایک واقعہ

مئی ۱۸۹۳ء کے اواخر میں عبداللہ آتھم مسیحی سے امرتسر میں آپ کا تاریخی مباحثہ ہوا۔ جو امرتسر کے عیسائی مشن اور سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں جنگ مقدس کے نام سے موسوم ہے۔ مجھے اس جگہ اس مباحثہ کے حالات اور واقعات کو بیان نہیں کرنا ہے۔ بلکہ صرف ایک واقعہ کا ذکر آپ کی سادگی اور بے تکلفی کے متعلق کرنا ہے۔ مباحثہ کے شروع میں آپ ہال بازار میں مطبع ریاض ہند کے متصل ایک مکان میں قیام فرما تھے۔ ایک حصے میں حضور خود رہتے تھے۔ اور دوسرے حصہ میں مہمانوں کا قیام تھا۔ خاکسار عرفانی جب تک امرتسر میں رہا۔ اسی مکان میں رہا۔ اور وہیں سے الحکم کا اجراء ہوا۔ ایک روز جب آپ مباحثہ کرکے واپس آئے۔ تو دوسرے دن کا پرچہ لکھوانے کے لئے آپ کو کاغذات مباحثہ کو پڑھنا اور جواب کے لئے کچھ یادداشتیں لکھنا تھا۔ مولوی اللہ دین صاحب امرتسری بائبل سے بعض حوالہ جات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مضمون کے لحاظ سے ضروری تھے۔ نشان لگانے پر مامور تھے۔ اور خاکسار عرفانی بھی اس کام میں ان کو مدد دیتا تھا۔ ہم دونوں ان حوالجات کی فہرست تیار کرکے حضرت کے پاس لے کر گئے۔ گھر میں کوئی ایسی جگہ نہ

تھی۔ جہاں حضرت اقدس علیحدہ بیٹھ سکتے۔ مردانہ مکان مہمانوں سے ایسا بھرا ہوا تھا۔ کہ بہت تکلیف تھی۔ چنانچہ بہت جلد اس مکان کو چھوڑ کر میر محمود صاحب رئیس امرتسر کی تحریک پر ان کے ایک بہت بڑے مکان میں جو کٹڑہ اہلووالیاں میں واقع ہے۔ چلے گئے تھے۔ غرض اس مکان میں جگہ نہ تھی۔ موسم خطرناک گرم تھا۔ حضرت اقدس اس موقعہ پر کوٹھے پر دیوار کے سایہ میں ایک معمولی چٹائی بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کاغذات کو پڑھ رہے تھے۔ اس چٹائی پر کوئی دری کوئی تکیہ کچھ بھی نہ تھا۔ اور وہ اتنی بڑی بھی نہ تھی۔ کہ اس پر اگر آپ لیٹنا چاہتے تو لیٹ سکتے۔ اسی طرح جب اس مکان سے اٹھ کر خان محمد شاہ والے مکان میں چلے گئے۔ تو آپ کو اسہال کی شکایت تھی۔ آخری دن تو بہت ہی زیادہ اسہال آئے تھے۔ اسی مقصد کے لئے مجھے اور میاں الہ دین صاحب کو اسی مکان میں اندر جانا پڑا تو آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اور وہ اتنی چوڑی تھی۔ کہ آپ کا نیچے کا جسم گھٹنوں تک زمین پر تھا۔ مگر آپ نہایت بے تکلفی اور سادگی سے اس پر لیٹے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کہ ان واقعات کو دیکھ کر میرے اور میاں الہ دین صاحب کے دل پر کیا گزرا۔ آنکھوں کے سامنے حضرت نبی کریم ﷺ کا وہ واقعہ گزر گیا کہ

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ایک بوریئے پر آرام فرما رہے تھے۔ اٹھے تو لوگوں نے دیکھا۔ کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا ہم لوگ کوئی گدّا بنوا کر حاضر کریں۔ ارشاد ہوا۔ کہ "مجھ کو دنیا سے کیا غرض۔ مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے۔ جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لئے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے"۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ میاں الہ دین صاحب نے کہا تھا۔ کہ یہاں کوئی دری بچھا دی جاوے۔ تو فرمایا۔ "نہیں میں سونے کی غرض سے تو نہیں لیٹا تھا۔ کام میں آرام سے حرج ہوتا ہے۔ اور یہ آرام کے دن نہیں ہیں"۔

یہ سادگی اور دنیا کے متاع سے بے نیازی اور عادات کی بے تکلفی نہ تو اس وجہ

سے تھی۔ کہ دنیا کے عیش و آرام کی چیزیں یا اسباب میسر نہ تھے۔ اور نہ اس لحاظ سے تھی۔ کہ آپ جوگیانہ اور رہبانیت کے رنگ کو پسند کرتے تھے۔ اسلام رہبانیت اور اس قسم کی زندگی کا سخت دشمن ہے اور لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ کہہ کر اس نے جوگیانہ زندگی کی تمام برائیوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔ اور خدا کے فضل سے ہر ایک نعمت آپ کو میسر تھی۔ اور آپ ان سے تمتع فرماتے تھے۔ مگر کبھی ناز و نعمت۔ تکلف و عیش پرستی آپ کا شعار و شیوہ نہ تھا۔ ان انعام سے تمتع محض اس اکیلے مقصد کے لئے ہوتا تھا۔ کہ

خدمت دین کے لئے طاقت اور قوت میسر ہو

چولا صاحب کے معائنہ کے سفر کا ایک واقعہ

ڈیرہ بابا نانک میں ایک چولا صاحب رکھا ہوا ہے۔ جس پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء کو خود اس چولے کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ اگرچہ آپ نے اس سے پیشتر اپنے بعض خدام کو بھی بھیجا تھا۔ کہ وہ دیکھ کر اور تحقیقات کر کے آئیں۔ جب وہ واپس آئے اور حالات بیان کئے۔ تو پھر خود حضرت نے بہ نفس نفیس تشریف لے جانا اور معائنہ کرنا بغرض تحقیق ضروری سمجھا۔ اس سفر میں چند احباب حضور کے ہمرکاب تھے۔ راستے میں ایک جگہ آپ تشریف فرما تھے۔ کہ بعض لوگ سن کر ملاقات کو آئے۔ مگر آپ کی سادگی اور بے تکلفی نے ان میں سے بعض کو فوراً شناخت کر لینے کا موقعہ نہ دیا۔ اور انہوں نے جناب مولوی محمد احسن صاحب امروہوی کو جو اس سفر میں ہم سفر تھے۔ حضرت مسیح موعود سمجھ کر ہاتھ بڑھایا تاکہ مصافحہ کریں۔ جناب مولوی صاحب نے ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے

اپنے آقا و مولیٰ کا پتہ دیا

یہ محض آپ کی بے تکلفانہ زندگی کا ایک کرشمہ تھا۔ جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ آپ

کی مجلس میں آپ کے لئے کوئی خاص مسند اور امتیازی جگہ نہ ہوتی تھی۔ اپنے خدام میں رل مل کر بیٹھا کرتے تھے۔

گورداسپور میں کرم دین والے مقدمات کے ایام میں جب آپ جامن کے درختوں کے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ تو ہزاروں آدمیوں نے دیکھا۔ کہ

آپ کس سادگی اور بے تکلفی سے زمرہ خدام میں تشریف فرما ہیں

اکثر اوقات کیا روزانہ بڑے بڑے آدمی جو اپنی سوسائٹی میں معزز و محترم ہوتے آتے۔ اور آپ ان سے اسی طرح ملاقات فرماتے۔ جس طرح پر ایک پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے خادم سے۔ وہ بھی اسی آزادی سے عرض حال کرتا اور آپ سنتے۔ اور ایک رئیس اور متمول اپنے رنگ میں گفتگو کرتا۔ مگر آپ کے طرز عمل میں دونوں کے لئے جذبات ہمدردی اور محبت کا ایک ہی رنگ ہوتا۔

غرض آپ کی ہر ادا اور ہر فعل سادگی اور بے تکلفی کا صحیح اور حقیقی مظہر ہوتا تھا۔ بات بنا کر کرنی جانتے ہی نہیں تھے۔ صفائی سے جو کچھ کہنا ہوتا فرما دیتے۔ ذو معنی الفاظ اور فقرے آپ کے قلم اور زبان سے کبھی نہیں نکلتے تھے۔ اور کلام اور تحریر میں ملائمت ہوتی تھی۔ بڑے بڑے دقیق اور عمیق مضامین اور مسائل جو فلاسفروں کی سمجھ میں بھی بمشکل آئیں۔ ان کو ایسی آسانی سے آپ نے اپنی تحریروں میں حل فرمایا ہے۔ کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور ایک ایسے عام فہم طریق سے اسے مدلل کر دیا ہے۔ کہ ایک زمین دار اور دیہاتی جو کسی قسم کے علوم سے واقف نہیں ہے۔ انہیں سمجھتا ہے۔ اور نہ صرف سمجھتا ہے۔ بلکہ دوسروں کو سمجھا سکتا ہے۔

جنگ مقدس کے ایام کا ایک اور واقعہ سادگی

آپ کی سادگی اور بے تکلفی کے متعلق

میرے ایک مکرم بھائی شیخ نور احمد صاحب مالک ریاض ہند پریس نے ایام جنگ مقدس کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے بھی یہاں دے دوں۔ شیخ نور احمد صاحب کو براہین احمدیہ کے تمام و کمال چھاپنے کا موقعہ ملا ہے۔ کچھ انہوں نے اپنے

ہاتھ سے چھاپی ہے۔ اور کچھ ان کے اپنے مطبع میں طبع ہوئی۔ اس کے علاوہ عرصہ دراز تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب وہی چھاپتے رہے ہیں۔ اور بعض اوقات وہ مہینوں اپنے پریس کو قادیان لیکر آجاتے تھے۔ اسی طرح آنے اور جانے میں انہیں نقصان بھی ہوا۔ مگر جب حضرت اقدس انہیں بلاتے۔ وہ فوراً حاضر ہو جاتے تھے۔ اس وقت تک جبکہ میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ وہ ۸۸ سال کے ہیں۔ اور زندہ ہیں۔

شیخ صاحب کہتے ہیں۔ کہ جنگ مقدس کی تقریب پر بہت سے مہمان جمع ہو گئے تھے۔ ایک روز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے کھانا رکھنا یا پیش کرنا گھر میں بھول گیا۔ میں نے اپنی اہلیہ کو تاکید کی ہوئی تھی۔ مگر وہ کثرت کاروبار اور مشغولیت کی وجہ سے بھول گئی۔ یہاں تک کہ رات کا بہت بڑا حصہ گزر گیا۔ اور حضرت نے بڑے انتظار کے بعد استفسار فرمایا۔ تو سب کو فکر ہوئی۔ بازار بھی بند ہو چکا تھا۔ اور کھانا نہ مل سکا۔ حضرت کے حضور صورت حال کا اظہار کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اس قدر گھبراہٹ اور تکلف کی کیا ضرورت ہے دستر خوان میں دیکھ لو کچھ بچا ہوا ہوگا۔ وہی کافی ہے۔ دستر خوان کو دیکھا۔ تو اس میں روٹیوں کے چند ٹکڑے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

یہی کافی ہیں۔ اور ان میں سے ایک دو ٹکڑے لیکر کھالئے اور بس۔

بظاہر یہ واقعہ نہایت معمولی معلوم ہوگا۔ مگر اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سادگی اور بے تکلفی کا ایک حیرت انگیز اخلاقی معجزہ نمایاں ہے۔ کھانے کے لئے اس وقت نئے سرے سے انتظام ہو سکتا تھا۔ اور اس میں سب کو خوشی ہوتی۔ مگر آپ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ بے وقت تکلیف دی جاوے اور نہ اس بات کی پرواہ کی۔ کہ پرتکلف کھانا آپ کے لئے نہیں آیا۔ اور نہ اس غفلت اور بے پروائی پر کسی سے جواب طلب کیا۔ اور نہ خفگی کا اظہار۔ بلکہ نہایت خوشی اور کشادہ پیشانی سے دوسروں کی گھبراہٹ کو دور کر دیا۔ آپ جانتے تھے۔ کہ مہمانوں کی کثرت میں ایسی

باتیں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔

صاحبزادہ سراج الحق صاحب کا ایک واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے احباب و خدام میں بھی بے تکلفی کی روح پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس سے کبھی وہ بے تکلفی مراد نہیں جو اخلاق فاضلہ کے خلاف اور رندّیت کے رنگ کی ہو۔ بے تکلفی سے انسان میں جراُت پیدا ہوتی ہے۔ بناوٹ اور نمائش سے پرہیز کی قوت نمودار ہو جاتی ہے۔ صاحبزادہ سراج الحق صاحب نے خود اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ

"ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ صبح چار بجے تھے۔ گلابی موسم تھا۔ خاکسار اور منشی محمد خان مرحوم عاشق مسیح موعود علیہ السلام اور منشی ظفر احمد صاحب ساکنان کپور تھلہ اور حافظ احمد اللہ خان صاحب مرحوم اور دیگر دو تین احباب مسجد مبارک میں بیٹھے تسبیح و تہلیل اور درود و استغفار میں مصروف تھے۔ کسی نے اذان خوش الحانی سے دی۔ جب وہ اذان دے چکا تو میرے دل میں ایک جوش پیدا ہوا۔ اور میں نے آہستہ آہستہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشعار خوش الحانی سے پڑھنے شروع کئے۔ تو منشی محمد خان صاحب نے زور سے پڑھنے کے لئے فرمایا۔ چونکہ مرحوم کا اور میرا گہرا تعلق تھا۔ اور ساتھ ہی بے تکلفی تھی۔ ان کے ذوق قلبی اور ارشاد پر میں نے وہی اشعار زور سے پڑھے۔ اور وہ اشعار یہ تھے۔

چوں مرا نورے پئے قومے مسیحی دادہ اند	مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند
مے درخشم چوں قمر تابم چو قرص آفتاب	کور چشم آنا نکہ در انکار ہا افتادہ اند
بشنوید اے طالباں کزغیب بکنداایں ندا	مصلح باید کہ در ہر جا مفاسد زادہ اند

"جب دوسرا شعر پڑھا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیت الفکر کی دریچی یعنی کھڑکی سے چہرہ منور چمکتا ہوا نکالا۔ اور دست مبارک میں لالٹین روشن شدہ تھی۔ اور ایک لیمپ مسجد میں روشن تھا۔ اللہ اکبر اس

وقت کا منظر کیسا ہی مبارک اور دلکش تھا۔ عین دوسرے شعر کے مصرعہ اول کے مطابق تھا۔

ے در حشم چوں قمر تابم چو قرص آفتاب

آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ محمد خان صاحب مرحوم پر تو وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ ایک طرف استیلائے محبت اور ایک طرف استغراق محو نظارہ۔ میں خاموش ہو رہا۔ آپ بیٹھ گئے۔ اور فرمایا۔

صاجزادہ صاحب! چپ کیوں ہو گئے پڑھو"

اس پر صاجزادہ صاحب نے مکرر سہ کرر ان اشعار کو پڑھا۔ اور آپ سنکر محظوظ ہوئے۔ اور فرمایا۔ جزاک اللہ احسن الجزاء۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں بعض اوقات کوئی نہ کوئی نظم پڑھی جاتی تھی۔ خود حضرت نے بہت ہی کم کسی کو کہا ہے۔ کہ نظم سناؤ۔ البتہ جب کوئی عرض کرتا۔ تو آپ اجازت دیتے۔ صاجزادہ صاحب کو جو آپ نے فرمایا۔ یہ اس حجاب اور تکلف کو رفع کرنا تھا۔ جو یکایک حضرت کے تشریف لانے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ آپ چونکہ جماعت کی تربیت فرما رہے تھے۔ اور ان میں اخلاق فاضلہ اپنے عمل سے پیدا کر رہے تھے۔ اس لئے ہرگز پسند نہ فرمایا۔ کہ مجمع احباب میں جبکہ وہ ایک روحانی ذوق اٹھا رہے تھے۔ آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے کوئی روک پیدا ہو۔ اس لئے آپ نے ان اشعار کو سننے کا ارشاد فرمادیا۔ تاکہ وہی رو بے تکلفی کی قائم رہے۔

مقدمہ جہلم کا ایک واقعہ

جہلم میں کرم دین ساکن بھین نے حضرت مسیح موعود حکیم فضل دین مرحوم اور خاکسار عرفانی پر ایک مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی کا دائر کر رکھا تھا۔ جو پہلی ہی پیشی پر خارج ہو گیا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام جہلم اس مقدمہ کی جواب دہی کے لئے تشریف لے گئے۔ تو راستہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق عجیب و غریب نشانات ظاہر فرمائے۔ گجرات کے سٹیشن پر چوہدری نواب خان صاحب تحصیل دار

نے کھانا پیش کیا۔ چونکہ اس قدر وقت نہ تھا۔ کہ حضرت اقدس اور آپ کے خدام وہاں ٹھہر کر کھانا کھا سکتے۔ اس لئے چوہدری صاحب نے کھانا اور برتن ساتھ ہی دے دیا۔ احباب نے ریل میں کھالیا۔ چوہدری صاحب ایک خاص قسم کی فرنی حضرت اقدس کے لئے تیار کر کے لائے تھے۔ اور وہ پیالہ بھی الگ رکھا ہوا تھا۔ جب سب کھا چکے تو حضرت نے مفتی فضل الرحمان صاحب سے دریافت کیا۔ کہ میاں کھانا تقسیم ہو گیا۔ اور سب نے کھالیا۔ انہوں نے عرض کیا ہاں حضور تقسیم ہو گیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا

کیا تم نے بھی کھالیا

مفتی صاحب نے جواب دیا۔ کہ حضور اب کھاؤں گا۔ آپ نے وہ فیرنی کا پیالہ انکے حوالہ کیا۔ اور کہا کہ آپ یہ کھائیں۔ یہ واقعہ حضرت کے ایثار اور احسانات کے ذیل میں بھی آسکتا ہے۔ مگر میں نے اسے بے تکلفی اور سادگی کے ضمن میں دکھایا ہے۔ کہ کس طرح پر حضور اپنے خدام کے ساتھ بے تکلفی کا برتاؤ کرتے تھے۔

مفتی صاحب کا ایک اور واقعہ جو حضرت مسیح موعود کا معجزہ ہے

جن ایام میں حضور گورداسپور مقدمات کی پیروی کے لئے قیام پذیر تھے۔ ایک روز مولوی یار محمد صاحب قادیان سے گورداسپور پہنچے۔ اور انہوں نے حضرت ام المومنین کی علالت کی خبر دی۔ مفتی فضل الرحمان صاحب کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ اور وہ اپنا گھوڑا لے کر گورداسپور رہا کرتے تھے۔ تاکہ اگر ضروری کام پیش آجائے۔ تو فوراً سوار ہو کر روانہ ہوں۔ وہاں کے قیام میں دودھ اور برف کا انتظام بھی انکے سپرد تھا۔ غرض مولوی یار محمد صاحب یہ خبر لیکر پہنچے۔ مفتی فضل الرحمان صاحب کہتے ہیں۔ کہ میں سویا ہوا تھا۔ اور خواب میں دیکھتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح

موعود میرے پاؤں دبا رہے ہیں۔ اور میں جلدی میں اٹھا ہوں۔ اور اپنی پگڑی تلاش کرتا ہوں۔ ادھر یہ خواب دیکھ رہے تھے۔ کہ یکایک انہوں نے محسوس کیا۔ کہ کوئی شخص پاؤں دبا رہا ہے۔ انہوں نے زور سے آواز دی۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا۔

میاں فضل الرحمان اٹھو جلدی کام ہے

یہ گھبرا کر اٹھے اور انگیٹھی پر اپنی پگڑی تلاش کرنے لگے۔ اندھیرا تھا۔ حضرت نے پوچھا۔ کیا کر رہے ہو۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ پگڑی تلاش کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ میری پگڑی باندھ لو۔ مولوی یار محمد صاحب آئے ہیں۔ والدہ محمود بیمار ہیں۔ تم فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر جاؤ۔ میں خط لکھتا ہوں۔ اور ان کے قلم سے جواب لکھوا کر لاؤ۔ مفتی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اٹھ کر گھوڑے کے آگے دانہ رکھ دیا۔ اور تیار ہو گیا۔ حضرت نے خط ختم کیا۔ تو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے فجر کی اذان دی۔ میں سوار ہو کر چلا آیا۔ اور یہ حیرت انگیز امر ہے۔ میں نہیں جانتا۔ میرے لئے زمین کس طرح سمٹ گئی۔ میں قادیان پہنچا۔ تو نماز ہو رہی تھی۔ میں نے گھوڑے کو دروازے کے ساتھ کھڑا کیا۔ اور اوپر جاکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت ام المومنین خود ہی تشریف لائیں۔ اور میں نے واقعہ عرض کیا۔ اور خط دیکر کہا۔ کہ اس کے لفافہ پر ہی جلد حضور اپنی خیریت کی خبر لکھ دیں۔ چنانچہ حضرت ام المومنین نے ایسا ہی کیا اور میں فوراً روانہ ہو گیا۔ اور میں نہیں جانتا۔ کیا ہوا۔ کہ میرا گھوڑا گویا پرواز کرتا ہوا جا رہا تھا۔ جب گورداسپور پہنچا ہوں۔ تو نماز ختم ہوئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دریافت فرمایا۔ کہ تم ابھی گئے نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ جواب لے آیا ہوں۔ اور یہ کہہ کر وہ لفافہ پیش کر دیا۔

آپ ہنستے رہے اور فرمایا کوئی اس کو کیا سمجھے گا مگر یہ معجزہ ہے

یہ واقعہ اپنی اعجازی کیفیت کے ساتھ حضرت کی سادگی کی ایک بے نظیر مثال

ہے۔ ایک خادم کو جگانے کے لئے آپ نے اسے کس شفقت سے اٹھانا چاہا۔ اور اپنی دستار بارک ہی جھٹ دے دی۔ کہ یہی باندھ لو۔ اس واقعہ سے حضور کی حسن معاشرت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

اس مقدمہ کا ایک اور واقعہ

مفتی صاحب ہی کہتے ہیں۔ کہ میں گورداسپور سے ایک خط لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گرمی کا موسم تھا۔ اور میں سخت دھوپ میں آیا۔ رات کو بھی میں سو نہ سکا تھا۔ حضرت مسیح موعود نیچے کے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ میں جب پہونچا تو آپ خط لے کر میرے۔ لئے شربت لینے تشریف لے گئے۔ گرمی اور کوفت کی وجہ سے میں اونگھ گیا۔ اور وہیں لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔ حضرت کے ہاتھ میں پنکھا ہے۔ میں اٹھ بیٹھا اور بہت ہی شرمندہ ہوا۔ فرمایا تھکے ہوئے تھے سو جاؤ اچھا ہے میں نے عذر کیا۔ پھر آپ نے وہ شربت دیا۔ اور میں پی کر گھر چلا آیا۔

عرض حضور کی زندگی میں اس سادگی اور بے تکلفی کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں اور واقعات ملیں گے۔ کبھی اور کسی حال میں آپ نے تفوّق کی خواہش نہیں کی۔ اور اپنے تمام خدام سے ایسا محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ کہ وہ شرمندہ ہوتے۔ مگر وہ سلوک ان کے قلوب میں ایک ایسی برقی رو پیدا کر دیتا تھا۔ کہ

کوئی چیز حضور سے انکو جدا نہ کر سکتی

سادگی اور بے تکلفی کے چند اور واقعات

مکرمی قاضی اکمل صاحب نے الحکم کے ایک خاص نمبر کے لئے داستان شوق لکھی تھی۔ اس میں چند ایسے واقعات بھی قلمبند فرمائے تھے۔ جو حضور کی بے تکلفی اور سادہ زندگی کی حقیقت کو آشکارا کرتے ہیں۔ میں ایک سے زیادہ مرتبہ لکھ چکا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ کے انبیاء بناوٹ' تکلف اور نمائش سے بالکل بری ہوتے ہیں۔ ذیل کے واقعات کی روشنی میں حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کی زندگی کے چند نظارے ملاحظہ کرو۔

(۱) "قادیان کے آریہ اور ہم" کا شائع ہونا تھا جو نہ شبہ چنتک رہا نہ اس کا ایڈیٹر نہ اس کا مربی نہ مدرسہ۔ یہ معجزہ میری آنکھوں نے دیکھا۔ مگر افسوس کہ اکثر لوگ بے ایمان کے بے ایمان ہی رہے۔ اس رسالہ کی نظم کا ایک شعر تھا

جس کی دعاء سے آخر لیکھو مرا تھا کٹ کر ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ میرزا یہی ہے

منشی کرم علی صاحب کاتب کے چھوٹے سے بچے رحمت اللہ (جواب بفضلہ جوان جی۔ اے۔ وی اور قادیان ہی میں مدرس ہیں) نے اپنی سریلی آواز میں پڑھا اور جب وہ اس شعر پر پہنچا۔ تو بے اختیار دوڑ کر ساتھ چمٹ گیا۔ اس کی یہ بات ابتک مجھے یاد ہے۔

(۲) حافظ ابراہیم صاحب کھڑکی کے پاس بیٹھ رہتے۔ (یہ کھڑکی وہ ہے۔ جو بیت الفکر سے بیت الذکر میں آنے کے لئے ہے۔ عرفانی) حضور جب تشریف لاتے تو سب سے پہلے یہ ضرور لباس مبارک پر ہاتھ پھیر کر برکات لوٹ لیتے۔ حضور کبھی منع نہ فرماتے۔

(۳) ایک روز شیخ رحمت اللہ صاحب و دیگر احباب لاہور تشریف لائے۔ تو طبیعت ناساز تھی۔ فرمایا اندر ہی آجاؤ۔ (حضور اس وقت اس کمرے میں تھے جس کا دروازہ بیت الفکر میں کھلتا ہے۔ عرفانی) میں بھی ساتھ ہی چلا گیا۔ حضور ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ جو اتنا چوڑا تھا۔ جتنی بالعموم چارپائیاں ہوتی ہیں۔ (یہ پلنگ حضور کی تمام ضروریات تصنیف و تالیف کا کام دیتا تھا۔ اس لئے وہ لمبا چوڑا بنوایا تھا۔ عرفانی) اس کے سرہانے ایک چھوٹا سا میز تھا۔ اس پر بتیاں بہت سی پڑی تھیں۔ (حضور موم بتی کی روشنی کرتے۔ اور ایک ہی وقت کئی بتیاں روشن کر لیا کرتے تھے۔ تاکہ کافی روشنی ہو۔ عرفانی) ایک دوات تھی۔ جس کے گرد غالباً مٹی تھپی ہوئی تھی۔ (یہ ایک رکابی میں رکھ کر اس کے اردگرد مٹی لگا دی گئی تھی۔ تاکہ گر نہ پڑے۔ عرفانی) لوگ بے تکلفی سے جہاں کسی کو جگہ ملی بیٹھ گئے۔ کوئی چارپائی پر کوئی صندوق پر کوئی

ٹرنک پر کوئی دہلیز پر کوئی فرش پر دیر تک ہم بیٹھے رہے۔ اور حضور کے کلمات طیبات سے شاد کام ہوتے رہے۔ کمرہ میں بالکل سادگی تھی۔ کوئی فرش نہ تھا۔ نہ مکلف سامان

بلکہ میں نے دیکھا۔ کہ رضائی بھی پھٹی ہوئی تھی۔ اس کی روئی مجھے نظر آرہی تھی۔

(۴) ایک دفعہ جب حضور کو معلوم ہوا۔ کہ دوست آئے ہیں۔ تو اس وقت مہندی لگوائی ہوئی تھی۔ اسی طرح ریش مبارک پر رومال باندھے صرف کرتہ پہنے اغلباً سر پر صرف ٹوپی ہی تھی۔ (یہ بہت پرانی رومی ٹوپی تھی۔ جو اکثر پگڑی کے نیچے رہتی) مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔ اس سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ میں نے حضور کو صرف ایک ہی دفعہ باہر آتے دیکھا۔ ورنہ آپ نماز و سیر کے لئے جب بھی تشریف لاتے۔ تو کوٹ پہنے پگڑی سر پر رکھے عصا ہاتھ میں لئے (نماز کے سوا۔ عرفانی) تشریف لاتے۔ اس وقت نو بجے کا وقت تھا۔ آپ نے اپنی جیب سے ایک گھڑی نکالی۔ جو رومال میں بندھی ہوئی تھی۔ اور فرمایا۔ اس میں تو تین بجے ہیں۔ پھر کسی نے چابی لگائی۔ وقت صحیح کر دیا۔ تو آپ نے اسے اسی طرح باندھ کر جیب میں ڈال لیا۔ جب حضور کے سامنے ذکر آیا۔ کہ ایک گھڑی آٹھ روزہ چابی لیتی ہے۔ تو بہت خوشی ظاہر فرمائی۔

صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب کا واقعہ

حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق جمالی نعمانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت پرانے مخلص خدام میں سے ہیں۔ سرساوہ ضلع سہارنپور آپ کا وطن ہے۔ اور آپ کے والد صاحب کا سلسلہ پیری مریدی بہت مشہور ہے۔ اور اب اس گدّی پر آپ کے بھتیجے گدّی نشین ہیں۔ صاحبزادہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے بہت سے واقعات مختلف اوقات میں بیان کئے۔ اور شائع بھی فرمائے ہیں ۱۹۲۴ء میں الحکم کے خاص نمبر کے لئے انہوں نے چند

واقعات تحریر فرمائے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں ان سے حضور کی بے تکلفی اور سادگی اور حضور کی شفقت و رحمت اپنے خدام پر۔ شب بیداری اور توجہ الی اللہ ثابت ہوتی ہے۔ یہاں میں اسے صرف حضور کی سادگی اور بے تکلفی کے سلسلہ میں درج کرتا ہوں۔

ذکرالحبیب حبیب

"ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شیخ حامد علی مرحوم کو جو دن رات آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔ اور جن کی نسبت آپ نے فرمایا تھا۔ کہ حامد علی جیسا کہ اب دنیا میں میرے ساتھ ہے۔ اسی طرح بہشت میں میرے ساتھ ہوگا۔ امرتسر کسی کام کے لئے روانہ فرمایا۔ چونکہ میں یوں تو ہمیشہ خدمت میں رہتا تھا۔ مگر خدمت کے طور سے مجھ سے کام نہیں لیتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور شیخ حامد علی تو امرتسر چلے گئے۔ رات کو آپ کو تکلیف ہوگی۔ میرا جی چاہتا ہے۔ کہ رات کو بھی آپ کی خدمت مبارک میں رہوں۔ اور جو کام آپ کے ہوں۔ وہ بخوشی دل سے کروں۔ مدتوں میں آج تمنا پوری ہوئی۔ فرمایا بہت اچھا۔ پھر میں بعد نماز عشاء اس کا تہیہ کرکے مسجد مبارک کی چھت پر پہنچا۔ اس زمانہ میں ایک عشرہ کے لئے ایک چلہ کیا تھا۔ اور وہ چلہ ایک خاص کام کے لئے دعا کا تھا۔ جب میں پہنچا۔ تو فرمایا صاحبزادہ صاحب آگئے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت صلے اللہ علیک وعلے محمد آگیا۔ آپ ٹہلتے رہے۔ اور کچھ دعائیں وغیرہ پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے کلام مجید یعنی حمائل ہاتھ میں لی۔ اور مغربی منارہ پر لالٹین رکھ کر پڑھتے رہے۔ درمیانی اور باریک آواز سے۔ میں بیٹھا رہا کہ جب کوئی کام

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے میں کروں گا۔ خواہ تمام رات جاگنا پڑے۔ لیکن آپ نے مجھے کوئی کام نہ فرمایا۔ آپ نے اپنا کرتہ اتارا اور تہ بند باندھا۔ گرمیوں کے دن تھے۔ فرش مسجد پر لیٹ گئے۔ اس پر بوریا چٹائی یا جانماز کچھ نہیں تھی۔ اور سیدھے لیٹ گئے۔ ہاتھ پیر پھیلا دیئے۔ اور فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہمیں بغیر چارپائی کے نیند نہیں آتی۔ اور کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ ہمیں تو خوب خدا کے فضل سے زمین پر نیند آتی ہے۔ اور ہاضمہ میں بھی کوئی فتور نہیں ہوتا۔ میں آپ کے پیر دبانے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ صاحبزادہ صاحب رات بہت چلی گئی۔ سو جاؤ تمہیں بہت تکلیف ہوئی۔ ہمارے کام تو چلے ہی جاتے ہیں۔ اور ہمیں کام ہی کیا ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت صلی اللہ علیک وعلی محمدؐ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ بہت بہت سفر کئے۔ پہاڑی ملک میں جانا پڑا۔ بدن سدھا ہوا ہے۔ پھر فرمایا۔ تم تو پیر ہو۔ پیروں کو تو عادت ہوتی ہے کہ بغیر چارپائی اور عمدہ بستر کے نیند نہیں آتی۔ میں نیچے سے تمہارے واسطے چارپائی اور بستر گدگدا اچھا سالا تا ہوں۔ میں یہ سن کر خوف زدہ ہو گیا۔ اور کانپنے لگا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ آپ یہ تکلیف گوارا کریں۔ میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے زمین پر سونے کی واقعی عادت ہے۔ کیونکہ چھ چھ ماہ اور سال سال بھر کی چلہ کشیاں کی ہیں۔ چارپائی کا نشان بھی نہیں ہوتا تھا۔ اور قادیان میں تو عموماً چارپائی پر کم لیٹنا پڑتا ہے۔ (یہ واقعہ میں بعد میں لکھوں گا) اور حضور ایک تھوڑی سی بات کے واسطے تین منزلہ سے نیچے جائیں اور بوجھ لادیں۔ مجھے یہ منظور نہیں۔ اور نیز میرے والد صاحب شاہ حبیب الرحمان صاحب مرحوم جو حضور کے دعوے سے پہلے گزر گئے۔ انہوں نے بھی یہ عادت ڈال دی ہے۔ اکثر زمین پر سلاتے اور سردیوں میں حالانکہ سب کچھ تھا۔ گرم کپڑے نہ بنا کر دیتے۔ اگر کوئی کہتا

تو فرماتے کہ فقیری اور آرام طلبی جمع نہیں ہو سکتیں۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بات کو سن کر خوش ہو گئے۔ فرمایا یہ تمہارے والد صاحب کا ایسا کرنا اب کام آگیا۔ اور ایسا ہی چاہئے۔ اور احباب کو یہی کرنا چاہئے۔ کہ آرام طلبی نہ ہو۔ فرمایا۔ ہمارا جی چاہتا ہے۔ کہ ہمارے دوست و احباب ایسے بن جاویں۔ کہ گویا فرشتے ہیں۔ اور ابھی آسمان سے اترے ہیں۔ یہ دنیا میں ہوں۔ مگر نہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ میں بایاں پاسا بدل لوں یعنی بائیں کروٹ لے لوں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت صلی اللہ علیک وعلیٰ محمد بہت اچھا۔ آپ سو گئے۔ اور میں سر سے لیکر پیروں تک دباتا ہوا آیا۔ آپ کی آنکھ کھل گئی۔ فرمایا ابھی سوئے نہیں۔ دبا رہے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ کہ میں اسی غرض سے آیا تھا۔ پھر فرمایا۔ کہ میں دایاں پاسا بدل لوں۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا آپ نے پھر کروٹ بدل لی۔ اور میں دباتا رہا۔ پھر آپ سو گئے۔ آپ کا سونا اس طریق سے تھا۔ کہ دو تین منٹ کبھی چار پانچ منٹ آپ سوتے تھے۔ اور سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ کر پھر سو جاتے تھے۔ اور آپ کے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت ہلتی رہتی تھی۔ جیسے بچے انگلیوں کو حرکت دیا کرتے ہیں۔ پھر آپ جاگ گئے۔ اور فرمایا سو جاؤ۔ پھر میں بحکم الامر فوق الادب آپ کے پیروں کی طرف لیٹ گیا۔ اور مصلیٰ جو میں ساتھ لے گیا تھا۔ وہ سرہانے سر کے نیچے رکھ لیا۔ پچھلی رات کو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام جاگے۔ اور مجھے خبر نہیں تھی۔ آپ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ باریک آواز سے کہ یہ (یعنی عاجز راقم الحروف) جاگ نہ اٹھے۔ آخر حسب معمول میری آنکھ کھل گئی۔ اور آپ کا قرآن شریف پڑھنا اور آہستہ آہستہ پڑھنا اور ٹہلنا دیکھا۔ فرمایا صاحبزادہ صاحب جاگ اٹھے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت صلی اللہ علیک وعلیٰ محمد جاگ اٹھا۔ فرمایا۔

صاحبزادہ صاحب وضو کے واسطے پانی لاؤں۔ میں نے عرض کیا حضرت صلی اللہ علیک وعلیٰ محمد میں تو اس لئے حاضر خدمت ہوا تھا۔ کہ میں خدمت کروں۔ آپ میری خدمت کے لئے تیار ہو گئے۔ فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ پس میں جلدی سے مسجد کے نیچے اتر گیا۔ اور ڈھاب میں وضو کیا اور جلد آگیا۔ اور آپ بھی نوافل پڑھتے رہے۔ اور میں بھی نوافل میں مصروف ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر میں اذان کا وقت آگیا۔ فرمایا اذان کہو۔ میں نے اذان کہی۔ اور لوگ آنے شروع ہو گئے۔

"اب میں وہ واقعہ لکھتا ہوں۔ جس کا وعدہ اوپر کر آیا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ میرے لئے جو ایک چارپائی حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دے رکھی تھی۔ جب مہمان آتے تو میری چارپائی پر بعض صاحب لیٹ جاتے۔ اور میں مصلیٰ زمین پر بچھا کر لیٹ جاتا۔ اور جو میں بستر چارپائی پر بچھا لیتا۔ تو بعض مہمان اسی چارپائی بستر شدہ پر لیٹ جاتے میرے دل میں ذرہ بھر بھی رنج یا ملال نہ ہوتا۔ اور میں سمجھتا کہ یہ مہمان ہیں۔ اور ہم یہاں کے رہنے والے ہیں۔ اور بعض صاحب میرا بستر چارپائی کے نیچے زمین پر پھینک دیتے۔ اور آپ اپنا بستر بچھا کر لیٹ جاتے۔ ایک دفعہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت اقدس علیہ السلام کو ایک عورت نے خبر دے دی کہ حضرت پیر صاحب زمین پر لیٹے پڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ چارپائی کہاں گئی اس نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپ فوراً باہر تشریف لائے اور گول کمرہ کے سامنے مجھے بلایا۔ کہ زمین میں کیوں لیٹ رہے ہو۔ برسات کا موسم ہے۔ اور سانپ بچھو کا خطرہ ہے۔ میں نے سب حال عرض کیا۔ کہ ایسا ہوتا ہے۔ اور میں کسی کو کچھ نہیں کہتا۔ آخر ان لوگوں کی تواضع اور خاطر و مدارت ہمارے ذمہ ہے۔ یہ سنکر آپ اندر گئے۔ اور ایک چارپائی میرے لئے بھجوادی۔ ایک دو روز تو وہ چارپائی میرے پاس رہی۔ آخر پھر

ایسا ہی معاملہ ہونے لگا۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا۔ پھر کسی نے آپ سے کہہ دیا۔ پھر آپ نے اور چارپائی بھجوادی۔ پھر ایک روز کے بعد وہی معاملہ پیش آیا۔ پھر آپ کو کسی نے اطلاع دی۔ اور صبح کی نماز کے بعد مجھ سے فرمایا۔ کہ صاجزادہ صاحب بات تو یہی ہے۔ جو تم کرتے ہو اور ہمارے احباب کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔ لیکن تم ایک کام کرو ہم ایک زنجیر لگا دیتے ہیں۔ چارپائی میں زنجیر باندھ کر چھت میں لٹکا دیا کرو۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم یہ سنکر ہنس پڑے اور کہنے لگے۔ کہ ایسے بھی استاد آتے ہیں جو اس کو بھی اتار لیں گے پھر آپ بھی ہنسنے لگے۔

" ایک روز مغرب کی نماز پڑھی گئی۔ اور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کھڑا تھا۔ جب نماز کا سلام پھیرا گیا۔ تو آپ نے بایاں ہاتھ میری دائیں ران پر رکھ کر فرمایا۔ کہ صاجزادہ صاحب اس وقت میں التحیات پڑھتا تھا۔ الہاماً میری زبان پر جاری ہوا۔ کہ صلی اللہ علیک وعلیٰ محمد۔ مولانا نورالدین صاحب مرحوم امام تھے۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تب سے میں جو بات حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے کہتا تھا۔ تو یہ کبھی زور سے کبھی آہستہ ضرور پڑھ لیا کرتا تھا۔ اور یہی عادت میری اکثر تحریر میں بھی ہے۔"

(اخبار الحکم خاص نمبر بابت ۲۱ تا ۲۴ مئی ۱۹۲۴ء صفحہ ۵)

غاسق اللہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سادگی اور بے تکلفی کا ایک عجیب و غریب واقعہ درج کئے بغیر میں آگے نہیں جا سکتا۔ ۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء کی صبح کو ساڑھے چار بجے کے قریب آپ کے مشکوئے معلّٰی میں ایک صاجزادی امتہ النصیر نام پیدا ہوئی تھی۔ جو ۳ دسمبر ۱۹۰۳ء کو فوت ہو گئی۔ صاجزادی مرحومہ کی پیدائش سے پہلے اسی شب کو ۱۲ بجے کے قریب حضور کو غاسق اللہ الہام ہوا تھا۔ حضور اسی وقت مولوی محمد احسن صاحب مرحوم کے دروازے پر تشریف

لائے۔ مولوی صاحب موصوف اس وقت اس حجرہ میں رہا کرتے تھے۔ جو مسجد مبارک کی سیڑھیوں پر جاکر صحن میں کھلنے والے دروازے کے دائیں ہاتھ کو تھا۔ اس وقت وہ حصہ محض ایک صحن کا رنگ رکھتا تھا۔ اور احباب تنگی جگہ کی وجہ سے وہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ رات کے بارہ بجے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی صاحب کے دروازہ پر دستک دی۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ کون ہے تو حضور نے جواباً فرمایا۔

غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

مولوی صاحب کی آواز میں خشونت تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھے اور دروازہ کھولا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس وقت آنے کا عذر کیا۔ اور یہ الہام مولوی صاحب کو سنایا۔ اور ایک رویا بھی سنائی۔ جو اس وقت دیکھی تھی کہ حضرت حجتہ اللہ کو حضرت ام المومنین کہتی ہیں "کہ اگر میرا انتقال ہو جاوے۔ تو آپ اپنے ہاتھ سے میری تجہیز و تکفین کریں"۔

یہ رویا اور الہام صاجزادی امتہ النصیر صاحبہ کی وفات پر پورا ہوگیا۔ اس وقت الحکم میں یہ واقعہ شائع کر دیا گیا تھا۔ جو امر اس واقعہ میں قابل توجہ ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ حضرت اقدس نے جب دروازہ پر دستک دی۔ اور مولوی صاحب نے کون ہے؟ کہہ کر استفسار کیا۔ تو آپ نے کسی تکلف سے کام نہیں لیا۔ اور نہ خشونت آمیز آواز سنکر اظہار ملال فرمایا۔ بلکہ بے وقت آکر دستک دینے پر عذر فرمایا۔ میں نے ۱۴ فروری ۱۹۰۳ء کے الحکم میں جب اسی واقعہ کو شائع کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق کی طرف یہ لکھ کر اشارہ کیا ہے کہ

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی سادگی اور بے تکلفی کا ایک پر شوکت نمونہ تھی۔ جو لوگ جھوٹے تکلفات اور نمائشوں سے اپنا رعب۔ وقار اور

درجہ قائم کرنا چاہتے ہیں اس میں ان کے لئے ایک بیش قیمت سبق ہے۔ کہ حقیقی عزت و اکرام صرف متقی اور حقیقی مومن کا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل دنیا کے تکلفات سے بالکل جدا ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی چونکہ دوسروں کے لئے نمونہ ہوتی ہے اور وہ عمل کے لئے اسوہ حسنہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کبھی کوئی فعل ان سے اس قسم کا سرزد نہیں ہوتا۔ جو انسانی نفوس کی تکمیل اور تہذیب میں روک ہو۔ یا کبھی کسی قسم کی ٹھوکر کا موجب ہو۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم نے خدا کے مرسل میں اس نمونہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وللہ الحمد۔

خدام سے حسن سلوک

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل و اخلاق کی پہلی جلد میں خدام سے عفو و درگزر کے عنوان کے تحت میں بعض واقعات لکھ چکا ہوں۔ لیکن یہ ایک مستقل عنوان بجائے خود ہے۔ جس کے تحت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدام کے ساتھ عام سلوک کا ذکر کروں گا۔ اس میں خدام سے مراد وہ لوگ بھی ہیں جو خصوصیّت سے آپ کے تنخواہ دار خادم تھے۔ اور وہ لوگ بھی جو حضور کے ساتھ تعلّقات ارادت رکھتے ہوئے آپ کے خادم کہلانے پر فخر کرتے ہیں۔

آقا اور نوکر کے تعلقات

آقا اور نوکر کے تعلقات اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ اس میں بڑے بڑے آدمیوں کو دیکھا ہے۔ کہ اخلاقی ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ آقا یہی سمجھتا ہے۔ کہ جو شخص ہماری خدمت اور ملازمت میں ہے۔ قدرت نے نعوذ باللہ اس کو انسان نہیں بلکہ جانور بنا دیا ہے۔ اور جو خدمت اس سے جس وقت چاہیں لیں۔ وہ تکلیف اور تکان کے اثروں سے محفوظ ہے۔ اور اسکے جذبات اور حسیّات کا تو قطعاً خیال نہیں کرتے احترام کرنا تو درکنار۔ جن الفاظ میں چاہیں اس کو خطاب کریں۔ غرض یہ ایسا کھلا ہوا معاملہ ہے۔ کہ اس پر زیادہ بحث کرنے کی مجھے حاجت نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے

ماموروں اور مرسلوں کی زندگی ایک اعجازی زندگی ہوتی ہے۔ وہ

چھوٹوں کو بڑے بنانے کے لئے آتے ہیں

مامور من اللہ کی زندگی

اور وہ اپنے عمل سے بتاتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کی مشیت نے اگر کسی کو کسی دوسرے کے ماتحت اور دست نگر بنا دیا ہے۔ تو یہ ایک انتظامی امر ہے۔ جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن اس سے نفس انسانیت کے شرف کو کچل دینا مقصود نہیں ہوتا۔ آج دنیا میں ملازموں اور آقاؤں کے سیاسی جھگڑوں نے دنیا میں ایک طوفان بے تمیزی پیدا کر دیا ہوا ہے۔ اور دنیا کے آئندہ خرمن امن پر

مزدوری اور سرمایہ داری

کی جنگ کی چنگاری خطرناک دھمکی دے رہی ہے۔ اس عقدہ کا حل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں نظر آئے گا۔ اور میں واقعات کی روشنی میں دکھاؤں گا۔ کہ آپ اپنے ملازموں اور خادموں سے کیا سلوک کیا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود کو ہمیشہ خادم میسر تھے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خاندانی وجاہت اور حالت خدا کے فضل سے ایسی تھی۔ کہ ہمیشہ آپ کے گھر میں ایک سے زیادہ خادم رہا کرتے تھے۔ اور خود آپ کی ذات کے لئے بھی ایک دو خدمت گار رہتے تھے۔

خادم سے سلوک

مگر کبھی آپ نے ان خادموں کے ساتھ کسی قسم کا بھی برا سلوک نہیں کیا۔ ہر چند وہ آپ کے خادم اور ملازم ہوتے تھے۔ مگر آپ ان کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ برتاؤ کرنے کے عادی تھے۔ آپ کی زندگی میں کوئی ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملتا۔ جس سے یہ پایا جاتا ہو۔ کہ آپ نے اپنے ملازموں سے

بدسلوکی تو در کنار سختی سے بھی برتاؤ کیا ہو

بلکہ آپ کی زندگی کا پر غور مطالعہ یہ بتاتا ہے۔ کہ آپ ملازموں کو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل اور رحم سمجھا کرتے تھے۔ اور اس فضل کے شکریہ کے لئے ان سے ہمیشہ اخلاق اور محبت سے پیش آتے تھے۔

حافظ حامد علی صاحب مرحوم کا ذکر خیر

حضرت مسیح موعود کے پرانے خادموں میں سے ایک حافظ حامد علی صاحب مرحوم تھے۔ وہ حضرت اقدس کی خدمت میں عرصہ دراز تک رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد صدر انجمن احمدیہ نے آخر عمر میں انہیں پنشن دے دی تھی۔ اور وہ قادیان میں رہنے کے لئے ایک مختصر سی دوکان کرتے تھے۔ اب مقبرہ بہشتی میں آرام فرماتے ہیں۔ ان کے حالات زندگی توفیق ربی اور فرصت ہوئی۔ تو انشاء اللہ علیحدہ لکھوں گا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اخلاق اور برتاؤ کا جو حضور حافظ صاحب سے کرتے تھے۔ ان پر ایسا اثر تھا۔ کہ وہ بارہا ذکر کرتے ہوئے کہا کرتے

میں نے تو ایسا انسان کبھی دیکھا ہی نہیں

بلکہ زندگی بھر حضرت کے بعد کوئی انسان اخلاق کی اس شان کا نظر نہیں آتا تھا۔ حافظ صاحب کہتے تھے۔ کہ

> مجھے ساری عمر میں کبھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ جھڑکا اور نہ سختی سے خطاب کیا۔ بلکہ میں بڑا ہی ست تھا۔ اور اکثر آپ کے ارشادات کی تعمیل میں دیر بھی کر دیا کرتا تھا۔ بایں سفر میں مجھے ہمیشہ ساتھ رکھتے۔

اور میں نے خود دیکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حافظ حامد علی صاحب کو حاضر غائب اسی پورے نام سے پکارتے یا میاں حامد علی کہتے۔

ایک شخص بہ حیثیت خادم آپؑ کی خدمت میں عمر کا بہت بڑا حصہ گذارتا ہے۔

وہ خود اعتراف کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے کاموں میں ست تھا۔ مگر یہ خدا کا برگزیدہ کبھی اسے جھڑکتا نہیں بلکہ ہمیشہ اس کے ساتھ محبت اور ہمدردی کا برتاؤ کرتا ہے۔

پیرا کا واقعہ

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں میں ایک پیرا پہاڑیا تھا۔ جو بالکل جاہل اور اجڈ آدمی تھا۔ اس کے دیکھنے والے بہت موجود ہیں۔ اس سے بے وقوفی کے افعال کا سرزد ہونا ایک معمولی بات ہوتی تھی۔ مگر حضرت نے اسے کبھی جھڑکا تک نہیں بلکہ اس کے متعلق فرمایا کرتے کہ اہل الجنتہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بیماری کا دورہ ہوا۔ باوجودیکہ گرمی کا موسم تھا۔ ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ اوپر مسجد کی چھت پر بعد نماز مغرب تشریف فرما تھے۔ احباب فوری تدابیر میں مصروف ہو گئے۔ پیرا کو بھی خبر ہوئی وہ اس وقت مٹی گارے کا کوئی کام کر رہا تھا۔ پاؤں کیچڑ میں لت پت تھے۔ اسی حالت میں مسجد میں چلا آیا۔ آگے دری تھی۔ اور یہ قدرتی امر تھا۔ کہ اس کی اس حالت سے پاس والوں کے کپڑے اور دری کا فرش خراب ہوتا۔ اس ہیئت کذائی سے وہ آگے بڑھا۔ اور حضرت کو دبانے لگا۔ بعض نے اس کو کہا کہ تو کس طرح آ گیا۔ تیرے پاؤں خراب ہیں۔ مگر اس نے کچھ بھی نہیں سنا اور حضرت کو دبانے لگا۔ حضرت نے فرمایا۔

اس کو کیا خبر ہے۔ جو کرتا ہے کرنے دو کچھ حرج نہیں

اس کی یہ پہلی حرکت نہ تھی۔ وہ ہمیشہ اپنی بے وقوفی یا سادگی سے دوسروں کا معتوب ہو سکتا تھا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے کبھی نہ ڈانٹا۔ اور نہ دھمکایا۔

بعض خادموں پر خفا ہونے کی نظیر بھی حضور کی زندگی میں ملتی ہے۔ مگر وہ ایسی نظیر ہے۔ کہ اس کی مثال بھی تلاش سے نہ ملے گی۔ اسی پیرا کی بیماری کے علاج کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مخدومی اکبر خان صاحب سنوری کو مقرر کیا تھا۔ اور اس کو جونکیں لگوانے کا حکم دیا۔ انہوں نے بہت تلاش کیا۔ کوئی جونکیں لگانے والا نہ مل سکا۔ حضرت اس پر ناراض ہوئے۔ کہ کیوں بٹالہ وغیرہ سے جا کر کسی

کو نہ لائے۔ یہ پیرے کے علاج میں ایک قسم کی غفلت کے نتیجہ میں حضور کی ناراضی تھی۔ یوں اگر کوئی کام کسی سے خراب ہو جاتا۔ اور جس کا اثر براہ راست حضرت کی ذات پر پڑتا تھا۔ تو اس کے لئے آپ اپنے خادموں پر ناراض نہ ہوتے۔ بلکہ ان کی دلداری کرتے۔

ایک نادان تعزیرات پر زور دینے والا شاید انتظامی پہلو سے اسے پسند نہ کرے۔ مگر وہ نہیں جانتا۔ کہ عفو اور چشم پوشی بعض اوقات اتنا زبردست علاج کمزوریوں کا ہے۔ جو تعزیرات سے وہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت میں آتا ہے

يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ

تو تخلقوا باخلاق اللہ کی تعلیم دینے والے معلم کی عملی زندگی میں اس کا نمونہ لازمی ہے۔ آپ اپنے خدام کی کمزوریوں سے بشرطیکہ وہ دین اور مذہب کے عملی حصہ پر مؤثر نہ ہوں۔ یا ان سے استخفاف شریعت نہ ہوتا ہو۔ خوردہ گیری کرنے کے عادی نہ تھے۔ اور وقتاً فوقتاً ان سے ذرا بھی زائد کام لینے پر داد و دہش فرماتے۔ اور ان کو خوش رکھنے کے لئے ہر طرح کوشش فرماتے تھے۔ اور نہ صرف اپنے ذاتی ملازموں اور خادموں کے متعلق یہ مدنظر رکھتے۔ بلکہ ان لوگوں کے متعلق بھی یہی امر ملحوظ خاطر رہتا۔ جو دوسروں کے ماتحت کر دیئے گئے تھے۔

حضرت حکیم فضل دین صاحب مرحوم اور ملازمین پریس کا سوال

ابتداء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام براہ راست خود پریس کی نگرانی اور انتظام فرماتے تھے۔ لیکن جوں جوں آپؑ کی مصروفیت بہت بڑھتی گئی۔ اور حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی ہجرت کر کے قادیان تشریف لے آئے۔ تو آپ نے پریس کا انتظام حکیم صاحب کے سپرد کر دیا۔ پریس کا کام مرزا اسماعیل بیگ صاحب

اور ان کے بھائی بند کرتے تھے۔ مرزا اسماعیل بیگ حضرت صاحب کی خدمت میں ایک عرصہ دراز سے بطور خادم کام کرتا تھا۔ پہلے وہ ایک عام خادم کی طرح کام کرتے تھے۔ زمینوں کا انتظام اور دوسرے کاروبار۔ بعض کتابیں اور اشتہار وغیرہ چھپوانے کے لئے بھی انکو ہی حضور بھیج دیا کرتے تھے اور پھر یہ انتظام ہوا کہ قادیان میں ضیاء الاسلام پریس قائم کرکے اس میں چھاپنے کا کام مرزا اسماعیل بیگ صاحب کو دے دیا۔ جب تک یہ کام براہ راست حضرت اقدس کی نگرانی اور انتظام میں رہا۔ حالت بالکل اور تھی۔ گویا ایک چھوٹی سی مملکت تھی جس کے مطلق العنان بادشاہ مرزا اسماعیل بیگ تھے۔ لیکن جب یہ کاروبار انتظامی حیثیت سے حکیم صاحب کے سپرد ہوا۔ تو حالات میں یکدفعہ پلٹا ہوا۔ حکیم صاحب کے لئے کام نیا تھا۔ مگر ان کی تاجرانہ فراست اور تجربہ کاری نے جلد اس کام کے مالی پہلوؤں کو سمجھ لیا۔ انہوں نے اپنی انتہائی اقتصادی اور انتظامی تجربہ کاری سے کام لینا چاہا۔ ادھر مرزا اسماعیل بیگ صاحب کی آزادی اور مطلق العنانی میں فرق آیا۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق اور آپ کے فیاضانہ اور محسنانہ طریق عمل کا لطف اٹھایا ہوا تھا۔ کوئی شخص خواہ کتنا بھی کمال لطف و کرم میں کرتا وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عمل کے ادنیٰ ترین شعبہ تک بھی نہ پہنچ سکتا۔

گو حکیم صاحب قبلہ بہت ہی متحمل مزاج اور سیر چشم واقعہ ہوئے تھے۔ اور ہر طرح نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے۔ مگر آزادی اور پابندی بھی آخر کچھ فرق رکھتی ہے۔ رواداری اور چشم پوشی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اور حکیم صاحب کے تحمل و بردباری کی حد سے بات باہر ہو گئی۔ وہ نہایت افسوس کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور شکایت کی۔ کہ مرزا اسماعیل بیگ صاحب تنگ کرتے ہیں۔ یہ غلطی کرتے ہیں۔ وہ تکلیف دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہایت توجہ سے ان شکایات کو سنا۔ اور حضرت حکیم صاحب غالباً سمجھتے تھے۔ کہ کوئی سخت سزا کا حکم فرمایا جائے گا۔ لیکن آپؑ نے ساری روداد سنکر فرمایا

حکیم صاحب! باہمیں مردمان بباید ساخت

دوسرے بھی تو آدمی ہی ہونگے۔ اگر یہ کسی اعلیٰ درجہ کے کام کے اہل ہوتے تو یہ کام ہی کیوں کرتے۔ یہ کئی برسوں سے میرے پاس کام کرتے آئے ہیں۔ آخر کام ہوتا ہی آیا ہے۔ یہ پرانے لوگ ہیں۔ آپ چشم پوشی سے کام لے لیا کریں۔ حکیم صاحب اور دوسرے لوگوں کے ایمان میں جو ترقی ہو سکتی تھی وہ ظاہر ہے۔ اور حکیم صاحب کو جو سبق اس شکایت سے حاصل ہوا۔ اس نے مدۃ العمر انہیں شکایت کرنے سے باز رکھا۔ اور باوجودیکہ انہیں بعض اوقات سخت تکلیف ہوتی تھی۔ مگر وہ نہایت عالی حوصلگی اور صبر سے کام لیتے تھے۔ خادموں سے حسن سلوک کے متعلق یہ شکایت انہیں اکسیر بنا گئی۔

میں نے اوپر کہا ہے کہ یہی نہیں۔ کہ آپ اپنے خدام کی خطاؤں سے درگذر فرماتے۔ بلکہ ان کے تھوڑے سے عمدہ کام پر ہر قسم کی خاطرداری فرماتے۔

منشی غلام محمد کاتب کے ساتھ سلوک

منشی غلام محمد امرتسری ایک اچھے کاتب تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ابتداء میں منشی امام الدین صاحب امرتسری سے کام لیا کرتے تھے۔ چنانچہ براہین احمدیہ کی پہلی تین جلدیں شحنہ حق، سرمہ چشم آریہ وغیرہ اسی کی لکھی ہوئی ہیں۔ آئینہ کمالات اسلام کا ایک بڑا حصہ بھی اسی نے لکھا تھا۔ مگر پھر آپ منشی غلام محمد صاحب سے کام لینے لگے۔ منشی غلام محمد صاحب عجیب قسم کے نخرے کیا کرتے تھے۔ اور مختلف طریقوں سے اپنی مقررہ تنخواہ سے زیادہ وصول کیا کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان باتوں کو سمجھتے تھے۔ مگر ہنس کر خاموش ہو رہتے۔ ایک روز آپ مسجد میں ظہر کی نماز کے لئے تشریف لائے۔ اور نماز کے بعد بیٹھ گئے۔ آپ کا معمول عام طور پر یہی تھا۔ کہ فرض پڑھ کر تشریف لے جاتے تھے۔ مگر کبھی کبھی بیٹھ بھی جاتے۔ آپ نے ہنس کر اور خوب ہنس کر فرمایا۔ کہ آج عجیب

واقعہ ہوا۔ میں اندر لکھ رہا تھا۔ کہ منشی غلام محمد صاحب کا بیٹا روتا اور چلاتا ہوا بھاگتا آیا۔ اور اس کے پیچھے منشی غلام محمد صاحب جوتا ہاتھ میں لئے ہوئے شور مچاتے آئے کہ باہر نکل میں تم کو مار ہی ڈالوں گا۔ حضرت اقدس یہ شور سنکر باہر نکلے اور منشی صاحب سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ وہ یہی کہتے جاتے تھے۔ کہ میں نے اس کو مار ہی دینا ہے۔ آخر حضرت کے اصرار پر بتایا۔ کہ حضور میں نے اسکو نیا جوتا لے کر دیا تھا۔ اس نے گم کر دیا ہے۔ اب میں اس کو مار ہی دوں گا حضرت اس کو سن کر ہنس پڑے۔ اور منشی صاحب کو کہا۔ کہ اس پر اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ اور مارتے کیوں ہو۔ بات تو صرف جوتے کی ہے۔ میں ہی نیا جوتا خرید کر دوں گا۔ اس پر منشی غلام محمد صاحب خوش ہو کر چلے گئے۔ اور بیٹے کو کہا۔ اچھا اب آجا حضرت صاحب جوتا خرید کر دیں گے۔ حضرت صاحب اس واقعہ کو بیان کرتے تھے اور ہنستے تھے۔ کہ دیکھو یہ اس نے کیا کیا۔ تنخواہ کے علاوہ اس کی خوراک وغیرہ کا خرچ بھی آپ دیتے۔ اور اس پر کھانا بھی وہ حضرت ہی کے ہاں سے لے لیتا۔ اور بعض ضروری پارچات بستر وغیرہ یا سردی کا موسم ہو تو رضائی اور گرم کوٹ بھی لے لیتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی ان تمام باتوں کو سمجھتے۔ مگر کبھی نہ تو ناراض ہوتے۔ اور نہ اس کو الگ کرتے۔ اس کی ناز برداریاں کرتے ہوئے اسے کام دیتے رہتے۔ اس کی یہ وجہ نہ تھی۔ کہ اور کاتب نہ ملتے تھے۔ مگر آپ عہد وفا کو قائم رکھتے۔ اور خادموں سے حسن سلوک کے عملی نمونہ سے جماعت کی تربیت فرما رہے تھے۔ یہ حسن سلوک کسی ایک خادم کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ سب کے ساتھ آپ کے برتاؤ یکساں تھے۔

لنگر خانہ کے ایک ملازم کا واقعہ

ملک غلام حسین صاحب جو رہتاس ضلع جہلم سے اب ہجرت کر کے قادیان آگئے ہیں۔ ابتداء میں لنگر خانہ میں روٹی پکانے کے کام پر ملازم تھے۔ اور اس وقت قریباً بازار میں خرید و فروخت کا کام بھی وہی کرتے تھے۔ ایک شخص جو اس قدر سخت کام کرتا ہو۔ اور مختلف آدمیوں سے اسے واسطہ پڑتا ہو۔ اس میں اگر غصہ

اور جوش پیدا ہو جاوے۔ یا بعض اوقات کسی ایک یا دوسری وجہ سے وہ کسی کو خوش نہ رکھ سکے۔ تو یہ کوئی غیر معمولی اور انوکھی بات نہ ہوگی۔ ملک غلام حسین صاحب بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ ان سے بعض غلطیوں کا صدور بھی آسان تھا۔ کئی مرتبہ ان کی شکایت حضرت کے حضور ہوئی۔ یہاں تک کہ بعض بڑے بڑے آدمیوں نے بھی کی جن کی نسبت یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ ان کی شکایت بے اثر رہے گی۔ اور یہ بچ جائیں گے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان شکایتوں کی کبھی پرواہ نہ کی۔ اور درگذر فرمایا۔ لنگر خانہ کے متعلق ان کی کمزوری یا شکایت کو وقعت نہ دی اور معاف ہی فرماتے رہے۔ اور اپنے لطف و کرم کا مورد رکھا۔ لیکن جیسا کہ آپ کی عادت تھی۔ کہ کاروبار کے سلسلے میں کبھی آپ ملازموں پر خفا نہ ہوتے۔ لیکن جہاں غیرت دینی کا سوال ہوتا وہاں آپ چشم پوشی نہ فرماتے۔ اور سزا دیتے۔ ان ہی ملک صاحب نے اپنے ایک واقعہ کو خود بیان کیا۔ اور شائع کیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان سے ایک موقعہ پر ناراض ہوئے۔ اور قادیان سے چلے جانے کا حکم دیا۔ اور جب وہ مقررہ وقت گزر گیا۔ تو معاف کر دیا۔ اور اب خدا تعالیٰ نے ان کو پھر قادیان میں مستقل سکونت کا باعزت موقع دے دیا۔ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت اور برکت سے انکی اولاد کے ذریعہ بڑے بڑے فضل کر دیئے۔ خدا تعالیٰ اور بھی فضل و کرم کرے۔ آمین۔

میاں نجم الدین صاحب داروغہ لنگر خانہ

ایک عرصہ دراز تک میاں نجم الدین صاحب مرحوم بھیروی داروغہ لنگر خانہ تھے۔ میاں نجم الدین صاحب بہت بڑے مخلص۔ جفاکش اور مجتہدانہ طبیعت کے آدمی تھے۔ بہت بڑے تعلیم یافتہ نہ تھے۔ مگر طبیعت رسا تھی۔ اور اپنی سمجھ کے موافق بعض اوقات قرآن کریم کے نکات بھی بیان کر دیا کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کے بے تکلف دوست ان کو مجتہد کہہ دیا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو مہمانوں کی خدمت اور لنگر خانہ

کے انتظام کے لئے مقرر کیا۔ ان کی طبیعت اجڈ واقع ہوئی تھی۔ ان کی زبان بھی آسانی سے ہر شخص کو سمجھ نہ آتی تھی۔ اور طریق کلام ایسا تھا۔ کہ خواہ نخواہ سننے والے کو لڑنے جھگڑنے کا خیال ہوتا اور وہ اسے خشونت طبع کا نتیجہ سمجھتا۔ مگر اصل یہ ہے۔ کہ وہ بہت نیک دل اور خیر سگال واقع ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت میں مگن اور سرشار تھے۔ اور اپنی بساط سے بڑھ کر اپنے مفوّضہ کام کو سرانجام دینے کی کوشش کرتے رہتے۔

لنگر خانہ کا کام۔ ان کی طبیعت کی تیزی اور ان کی زبان کی کرختگی اور پھر انتظام میں اپنی مجتہدانہ طبیعت سے کام لینے کی عادت۔ یہ سب باتیں مل ملا کر کئی دفعہ ایسی شکایات پیدا کر دیتی تھیں۔ کہ اگر وہ کسی دوسری جگہ ہوتے۔ تو خدا جانے کس تکلیف اور ذلت کے ساتھ الگ کر دیئے جاتے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کے اخلاص اور محبت کو جانتے تھے۔ اور اس کی قدر فرماتے تھے۔ اور ان غلطیوں کو اعتراض کا رنگ نہ دیتے تھے۔ بڑی سے بڑی بات جو آپ کبھی ان کو کہتے تو یہ ہوتی کہ

"میاں نجم الدین میں نے تم کو سمجھا دیا ہے۔ اور تم پر حجت پوری کر دی ہے اگر تم نے غفلت کی۔ تو اب خدا کے حضور جوابدہ ہو گے"۔

حضرت خود کوئی حساب نہ رکھتے۔ بلکہ لنگر خانہ کا تمام حساب کتاب ان کے ہی سپرد تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام باوجود ان کے اجڈ پن اور کرختگی مزاج کے کبھی ان سے کشیدہ خاطر نہ ہوئے۔ اور ہمیشہ ان کی محنت اور اخلاص سے کام کرنے کی قدر فرماتے رہے۔

کسی شخص کی زندگی میں خواہ وہ کیسا ہی ہو۔ یہ موقع کبھی نہیں آسکتا۔ کہ وہ اپنے آقا کو ناراض نہ کرلے۔ اور اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی اس سے نہ ہو جاوے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جیسا آقا نہیں ملے گا۔ جو اپنے خدام کے قصوروں اور فرد گذاشتوں کو دیکھتا۔ اور چشم کرم سے ان پر سے گزر جاتا اور ایک

مرتبہ نہیں بیسیوں مرتبہ۔ وہ اخلاق الٰہی میں ایسا رنگین تھا کہ عملاً یہی فرماتا تھا۔

صد بار اگر توبہ شکستی باز آء

جو چیز اسے ناراض کرتی۔ اور بے حد ناراض کرتی۔ وہ صرف غیرت دینی تھی۔ جہاں مذہب کا معاملہ ہوتا۔ یا آنحضرت ﷺ کی عزت کا سوال ہوتا۔ اس کے خلاف حضور کچھ نہیں سن سکتے تھے۔ اور نہ اسے برداشت کر سکتے تھے۔ آپ کے جس قدر بھی ملازم تھے۔ یا مختلف اوقات میں جس کو حضور کے ساتھ اس قسم کے تعلق کی عزت حاصل ہوئی۔ وہ اپنے ذاتی تجربہ سے اعتراف کرتا ہے۔ کہ

حضور سے بجز عفو و چشم پوشی اور لطف و کرم کے کچھ مشاہدہ نہیں کیا

اور یہ معمولی اور عام بات نہیں ہے۔ میں نے اس عنوان کے شروع میں لکھا ہے کہ آج دنیا کی بہت بڑی مصیبت سرمایہ داری اور مزدوری کا سوال ہے خادم اور ملازم اپنے آقاؤں سے خوش نہیں۔ اور ان کی سختیوں اور خوردہ گیریوں سے نالاں ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عملی زندگی میں اس مسئلہ کا آسان حل موجود ہے۔ آپ کے پاس ہمیشہ نوکر رہے۔ اور ہمیشہ ان سے غلطیوں کا صدور ہوا۔ مگر آپ نے بھی ہمیشہ ہی ان سے درگزر فرمایا۔ نہ صرف درگزر بلکہ انہیں اپنے لطف و کرم کا مورد رکھا۔ اور کسی ایک نے بھی کبھی آپ کی بدسلوکی یا سخت گیری کی شکایت نہ کی۔

میاں شمس الدین صاحب کا ایک واقعہ

میاں شمس الدین صاحب کے والد ماجد قاضی فضل الٰہی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصوۃ والسلام کے ابتدائی استاد تھے۔ اور یہ قادیان میں قاضی یا ملاں تھے۔ میاں شمس الدین صاحب خود بھی فارسی کے اچھے عالم تھے۔ اور خوشنویس بھی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی غربت اور عیالداری پر رحم فرما کر آخر عمر تک ان کا کھانا اپنے ہاں رکھا ہوا تھا۔ اور مختلف طریقوں سے ان کی مدد کرتے رہتے۔ براہین احمدیہ کے مسودات کو خوشخط

لکھنے کا کام بھی ان کو دے رکھا تھا۔ اور اس کی اجرت الگ ان کو دیا کرتے تھے۔
میاں شمس الدین صاحب ایک سادہ مزاج آدمی تھے۔ انہیں ایام میں جبکہ وہ اس خدمت کے لئے مقرر تھے۔ ایک مرتبہ لوہڑی کا تہوار آیا۔ یہ ہندوؤں کا ایک تہوار ہے۔ جس میں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گھروں میں جا کر لوہڑی مانگتی ہیں۔ مسلمانوں کو اس تہوار سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔

اس دن جبکہ لوہڑی کا تہوار تھا۔ کچھ ہندو لڑکیاں اچھے کپڑے پہن کر اپنی رسم کے موافق گول کمرے کے آگے سے نکلیں۔ اس وقت گول کمرے کے آگے احاطہ نہ تھا۔ اور نہ صحن تھا۔ گول کمرہ میں پریس لگوایا گیا تھا۔ میاں شمس الدین صاحب نے کسی سے دریافت کیا۔ کہ آج کیا ہے۔ جب ان کو بتایا گیا۔ کہ لوہڑی کا تہوار ہے۔ تو انہوں جھٹ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور ایک درخواست لکھ کر پیش کر دی۔ کہ آج مجوس کا تہوار ہے۔ اور انعام چاہا۔ حضرت مسیح موعود باہر آئے۔ اور ان کو سمجھایا۔ کہ یہ تم نے کیا حرکت کی۔ آپ نے ان کے اس فعل کو پسند نہ فرمایا۔ مگر از راہ کرم کچھ دے دیا

جہاں تک مذہبی غیرت کا سوال تھا۔ اس حد تک آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو مد نظر رکھ کر ان کو مناسب اور احسن طریق پر ایسے امور میں کسی قسم کی شرکت اور تعلق سے منع کیا۔ اور دوسری طرف جہاں تک سوال و عطا کا پہلو تھا۔ آپ نے پسند نہ فرمایا۔ کہ ان کے سوال کو رد کر دیں۔ میاں شمس الدین صاحب کے ساتھ حضور نے یہ سلوک کیا۔ کہ جب تک وہ زندہ رہے۔ انکو کھانا لنگر خانہ سے ملتا رہا۔ اور اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً نقدی سے بھی مدد فرماتے رہتے تھے۔ وہ آخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ انکے بچے کی تعلیم میں بھی مدرسہ تعلیم الاسلام میں سہولتیں مہیا کر دینے کا آپ نے ارشاد فرمایا ہوا تھا۔

خدام سے حسن سلوک پر جامع بیان

خدام سے حسن سلوک کے متعلق جس قدر

واقعات اور حالات میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ اگرچہ یہ شمۃ از شمائل اور قطرہ از دریا ہے۔ مگر ایک بصارت رکھنے والے عارف اور طالب کے لئے اس میں بہت بڑے سبق ہیں۔ اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی اور سیرت میں اپنے لئے ایک صراط مستقیم ہی نہیں۔ بلکہ ایک خدا نما طریق عمل پاتا ہے۔ میں اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس خُلق کے متعلق ایک جامع بیان کے طور پر تبصرہ کر دینا چاہتا ہوں۔ تا کہ محض واقعات تک ہی یہ امر محدود نہ رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی خدام کو خواہ وہ آپ کے تنخواہ دار ملازم تھے یا آپ کے ساتھ سلسلہ بیعت میں خادم تھے۔ حقیر اور کم پایہ نہیں سمجھا۔ بلکہ انہیں اپنے کنبہ کا ایک فرد اور اپنے اعضاء کا ایک جزو یقین کیا۔ اور اپنے عمل سے ہمیشہ دکھایا۔ کہ کسی معاملہ میں کبھی کسی قسم کی ہتک انکی پسند نہیں کی۔ انکو اپنے دوستوں اور خدام کا اس قدر پاس تھا۔ کہ وہ کسی دوسرے سے بھی ان کی ہتک سننا پسند نہ کرتے تھے۔ میرے لئے یہ ایک لذیذ داستاں نہیں نہیں ایمان و عرفان سے بھری ہوئی حقیقت ہے۔ کہ میں ہر چند چاہتا ہوں۔ کہ ہر باب کو ایک محدود حصہ میں ختم کر دوں۔ لیکن پھر کوئی نہ کوئی بات آکر واقعات کے اضافہ پر مجبور کر دیتی ہے۔ اس جگہ اپنے خدام کے متعلق غیرت کا ذکر کرتے ہوئے مجھے یاد آگیا۔ کہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان مرتد نے جماعت کے بعض بزرگوں پر اپنے خطوط میں حملہ کیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسے نہایت سختی سے جواب دیا۔ اور جماعت کے معزز افراد کی عزت کو بچانے کے لئے اسے جماعت سے خارج کر دینا آسان سمجھا۔ آپ اپنے احباب و خدام پر ہمیشہ اعتماد کرتے تھے۔ اور ان پر حسن ظن رکھتے۔ ان کی دیانت و امانت پر بھروسہ فرماتے۔ آپ کی عادت میں نہ تھا۔ کہ خدام سے حساب کرتے رہیں۔ یا ان پر احتساب قائم کریں۔

دوست اور احباب تو بہت بڑی بات ہے۔ آپ اپنے ادنیٰ درجہ کے خدام اور ملازمین سے بھی یہی سلوک روا رکھتے تھے۔ حضرت مخدوم الملت نے اس خصوص

میں لکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ

"گاؤں کے بہت ہی گمنام اور پست ہمت اور وضیع فطرت جولاہوں کے لڑکے اندر خدمت کرتے ہیں۔ اور بیسیوں روپوں کے سودے لاتے۔ اور بارہا لاہور جاتے۔ اور ضروری اشیاء خرید لاتے ہیں۔ کبھی گرفت نہیں سختی نہیں۔ باز پرس نہیں۔ خدا جانے کیا قلب ہے' اور درحقیقت خدا ہی ان قلوب مطہرہ کی حقیقت جانتا ہے۔ جس نے خاص حکمت اور ارادہ سے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور کیا ہی سچ فرمایا ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ میں نے خاص غور کی۔ اور ڈھونڈ کی ہے۔ آنکھ لگائی ہے۔ کان لگائے ہیں۔ اور ایسے اوقات میں ایک نکتہ چین ریویو نویس کا دل و دماغ لے کر اس نظارہ کا تماشائی بنا ہوں۔ مگر میں اعتراف کرتا ہوں۔ کہ میری آنکھ اور کان ہر دفعہ میرے ایمان اور عرفان کو بڑھانے والی بات ہی لائے۔ اتنے دراز عرصہ میں میں نے کبھی بھی نہیں سنا کہ اندر تکرار ہو رہی ہے۔ اور کسی شخص سے لین دین کے متعلق باز پرس ہو رہی ہے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۲۸۔۲۹)

خدام کے چھوٹے چھوٹے کام کی ہمیشہ قدر فرماتے اور ان کی دلجوئی فرماتے۔ ان کی محنت سے زیادہ دیتے۔ جن ایام میں کوئی کتاب یا رسالہ جلدی اور ضروری چھاپنا اور شائع کرنا مقصود ہوتا۔ اور راتوں کو کام ہوا کرتا تھا۔ تو جو لوگ حضور کے ساتھ عملہ پریس یا کاتب کام کرتے ان کے لئے دودھ اور دوسری ضروری چیزیں خاص توجہ سے مہیا فرماتے۔ اور معمولی سے زیادہ اجرتیں دیتے۔ اور بایں ان کی کارگذاری پر نہ صرف خوشی بلکہ شکریہ کا اظہار فرماتے۔ جن لوگوں نے ان آنکھوں ان ہاتھوں اور اس زبان کو دیکھا ہے۔ اور حضرت کے عطایا کا لطف اٹھایا ہے۔ آج ان کو کوئی بھی خوش نہیں کر سکتا۔ اس زمانہ کے مقابلہ میں آج اجرتیں عام طور پر

بھی زیادہ ہیں۔ اور لوگ بہت کچھ کما لیتے ہیں۔ لیکن اگر ان سے پوچھا جائے۔ تو وہ اس عصر سعادت کی یاد کا اشکبار آنکھوں سے جواب دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام عفو اور درگذر سے جو کام لیتے تھے۔ اسے میں عفو اور درگزر کے باب میں بیان کرچکا ہوں۔ یہاں میں صرف اس قدر لکھ جانا چاہتا ہوں۔ کہ ایک طرف حسن کارگزاری پر خوشنودی اور انعام دیتے تھے۔ اور غلطیوں اور فردگزاشت پر معاف کر دیتے تھے۔ ان کے ساتھ محض ملازم یا خادم ہونے کی وجہ سے کبھی آپ اس قسم کا سلوک نہ فرماتے۔ جو شرف انسانیت کی ہتک کرنے والا ہو۔ بلکہ آپ ہمیشہ مساوات کا خیال رکھتے۔ اور حاضر و غائب کسی کی تحقیر نہ صرف خود نہ کرتے بلکہ کسی کو جرات بھی نہ ہوتی کہ کر سکے۔ ہر شخص کا نام عزت سے لیتے۔ اور جب موقع ہوتا۔ اس مساوات کا عملی اظہار مختلف صورتوں سے کرتے۔ تاکہ دوسروں کو آپ کے اس عمل سے اپنے بھائیوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرنے کا سبق ملے۔

اگرچہ اس مقام پر خدام سے حسن سلوک کے باب کو میں مختصر کرچکا تھا۔ اس لئے کہ تمام واقعات کی تفصیل آسان اور ممکن نہیں۔ لیکن ایک واقعہ مجھے ایسا یاد آگیا ہے۔ کہ میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔

مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب کا واقعہ

مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب جن کو بچپن سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خادم ہونے کی عزت حاصل ہے۔ اور جن کا ذکر پہلے بھی اسی سیرۃ میں آچکا ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بڑے مرزا صاحب قبلہ کے ارشاد کی تعمیل میں بعثت سے پہلے مقدمات کی پیروی کے لئے جایا کرتے تھے۔ تو سواری کے لئے گھوڑا بھی ساتھ ہوتا تھا۔ اور میں بھی عموماً ہمرکاب ہوتا تھا۔ لیکن جب آپ چلنے لگتے۔ تو آپ پیدل ہی چلتے مجھے گھوڑے پر سوار کرا دیتے۔ میں بار بار انکار کرتا اور عرض کرتا۔ کہ حضور مجھے شرم آتی ہے۔ آپ فرماتے۔ کہ کیوں؟

تمہیں گھوڑے پر سوار ہونے سے شرم آتی ہے۔ ہم کو پیدل چلنے میں شرم نہیں آتی!!

مرزا اسماعیل بیگ کہتے ہیں۔ کہ جب قادیان سے چلتے تو ہمیشہ پہلے مجھے گھوڑے پر سوار کرتے۔ جب نصف سے کم یا زیادہ راستہ طے ہو جاتا تو میں اتر پڑتا اور آپ سوار ہو جاتے۔ اور اسی طرح جب عدالت سے واپس ہونے لگتے۔ تو پہلے مجھے سوار کراتے۔ اور بعد میں آپ سوار ہوتے۔ اور جب خود سوار ہوتے تو گھوڑا جس چال سے چلتا۔ تو اسی چال سے چلنے دیتے۔ ایسا ہوتا گویا کہ باگوں کا اشارہ بھی نہیں ہوا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے عام خدام سے بھی کیسا اعلیٰ درجہ کا برتاؤ کرتے تھے۔ اور سواری میں ان کو نصف کا شریک رکھتے۔ اور باوجود ان کے انکار کرنے کے بھی گوارا نہ کرتے کہ وہ پیدل چلیں۔ مساوات کی یہ بے نظیر شان ہے۔ یہ ایک ہی واقعہ نہیں۔ میں نے سوانح حضرت مسیح موعود علیہ السلام (حیات احمد صفحہ ۷۱) میں مرزا میراں بخش صاحب کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ غرض ہر طرح آپ اپنے خدام سے سلوک فرماتے۔ اور کبھی کسی کو حقیر نہ سمجھتے تھے اور عام برتاؤ اور سلوک میں مساوات کے پہلو کو غالب رکھتے۔ خط و کتابت میں بھی آپ کے یہی امر ملحوظ رہتا۔ ہر شخص کو "اخویم" کے لفظ سے خطاب کرتے۔ اور عزت اور تکریم کے الفاظ سے یاد کرتے اور اپنی ذات کے لئے ہمیشہ خاکسار کا لفظ استعمال فرماتے۔ کوئی تحریر آپ کی ایسی نہیں ملے گی جس میں اپنے نام کو خاکسار کے ساتھ نہ لکھا ہو۔ آپ کی طبیعت پر خاکساری اور فروتنی کا بہت غلبہ تھا۔ بہت ممکن ہے سیرۃ کے کسی دوسرے مقام پر میں اس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کروں۔ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں۔

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

لیکن جب آپ اپنے خداداد رتبہ اور مقام کا ذکر فرماتے۔ تو اس وقت اپنی ہستی کو گم کر کے اس مقام کا اظہار اور اعلان فرماتے۔ اور اسی وجہ سے بعض کور چشموں کو ان بلند پایہ دعاوی سے دھوکہ لگتا۔ اور انہیں اس میں تعلّی کی بو آتی۔ مگر یہ خود ان کا اپنا نقص اور قصور فہم تھا۔

المختصر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے خدام سے ہمیشہ حسن سلوک فرماتے۔ انکی کمزوریوں سے چشم پوشی کرتے۔ اور ان کی خوبیوں پر تحسین اور شکر گزاری۔ خدام ایسے آقا کی غلامی پر ناز کرتے ہیں۔ اور

ان ایام کی یاد انہیں تڑپا جاتی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہ حیثیت باپ تربیت اولاد اور بچوں پر شفقت

آنحضرت ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور سرور عالم ﷺ بچوں پر خصوصاً شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اور حضور نے تربیت اولاد کے سلسلہ میں اولاد میں خودداری اور عزت نفس پیدا کرنے کے لئے ہدایت فرمائی۔

اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ

حضرت رسالت پناہی کے اس ارشاد میں تربیت اولاد کا بہترین راز مضمر ہے۔ اولاد کی تکریم سے اولاد میں جو احساس اور شعور پیدا ہوتا ہے۔ وہ اسے دنیا میں معزز و محترم بنا دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کو ہم نے پڑھا نہیں خدا کے فضل سے دیکھا ہے۔ اور اسے آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ کا کامل نمونہ اور صحیح نقشہ پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد دی اور ایک جماعت کثیر دی۔ جس کے بچوں کو حضرت کے حضور آنے جانے کا موقعہ ملتا اور حضور کے اس برتاؤ اور تعلق کو ہم نے برای العین مشاہدہ کیا۔ اسی مشاہدہ کی بناء پر واقعات کی روشنی میں بتانا اور دکھانا چاہتا

ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا طرز عمل تربیت اولاد اور بچوں پر شفقت کے متعلق کیا تھا۔ کس طرح پر آپ نے اپنے بچوں کی تربیت فرمائی۔ کس حد تک انہیں آزاد رکھتے۔ اور کن حالتوں میں ان کے افعال کو پابند کرتے۔ اور عام طور پر بچوں سے کس طرح پیش آتے۔ اور کس طرح سلوک فرماتے۔

بچوں کی پرورش اور خبرگیری

بچوں کی پرورش اور خبرگیری کے متعلق میں اپنے الفاظ میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ بلکہ حضرت مخدوم الملت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کا ارشاد درج کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے اس شعبہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

"آپ بچوں کی خبرگیری اور پرورش اس طرح کرتے ہیں۔ کہ ایک سرسری دیکھنے والا گمان کرے۔ کہ آپ سے زیادہ اولاد کی محبت کسی کو نہ ہوگی۔ اور بیماری میں اس قدر توجہ کرتے ہیں اور تیمارداری اور علاج میں ایسے محو ہوتے ہیں۔ کہ گویا اور کوئی فکر ہی نہیں۔ مگر باریک بین دیکھ سکتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور خدا کے لئے اس کی ضعیف مخلوق کی رعایت اور پرورش مدنظر ہے۔ آپ کی پلوٹھی بیٹی عصمت لدھیانہ میں ہیضہ سے بیمار ہوئی۔ آپ اس کے علاج میں یوں دوا دہی کرتے۔ کہ گویا اس کے بغیر زندگی محال ہے۔ اور ایک دنیادار دنیا کی عرف و اصطلاح میں اولاد کا بھوکا اور شیفتہ اس سے زیادہ جانکاہی کر نہیں سکتا۔ مگر جب وہ مرگئی۔ آپ یوں الگ ہو گئے کہ گویا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اور جب سے کبھی ذکر تک نہیں کیا کہ کوئی لڑکی تھی"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی صفحہ ۵۳-۵۴)

اسی طرح صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کی علالت کے ایام میں آپ نے شبانہ روز اپنے عمل سے دکھایا۔ کہ

اولاد کی پرورش اور صحت کیلئے ہمارے کیا فرائض ہیں؟

بچوں کو سزا دینے کی ممانعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں کو سزا دینے کے سخت مخالف تھے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام میں جب کبھی کسی استاد کے خلاف شکایت آتی کہ اس نے کسی بچہ کو مارا ہے۔ تو سخت ناپسند فرماتے۔ اور متواتر ایسے احکام نافذ فرمائے گئے۔ کہ بچوں کو جسمانی سزا نہ دی جاوے۔ چھوٹے بچوں کے متعلق فرمایا کرتے کہ

وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تو مکلف ہیں ہی نہیں پھر تمہارے مکلف کیونکر ہو سکتے ہیں۔ (مفہوم)

حضرت مخدوم الملّت فرماتے ہیں۔

"بات میں بات آگئی۔ حضرت بچوں کو سزا دینے کے سخت مخالف ہیں۔ میں نے بارہا دیکھا ہے۔ ایسی کسی چیز پر برہم نہیں ہوتے۔ جیسے جب سن لیں۔ کہ کسی نے بچہ کو مارا ہے۔ یہاں ایک بزرگ نے ایک دفعہ اپنے لڑکے کو عادتاً مارا تھا۔ حضرت بہت متاثر ہوئے اور انہیں بلا کر بڑی درد انگیز تقریر فرمائی۔ فرمایا میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔ فرمایا ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے۔ اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود دار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے۔ کہ کسی وقت مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے۔ مگر مغضوب الغضب اور سبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں۔ کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ فرمایا جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے۔ کاش

دعا میں لگ جائیں۔ اور بچوں کے لئے سوز دل سے دعا کرنے کو ایک حزب مقرر کرلیں۔ اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے۔ فرمایا میں التزاما" چند دعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں۔ اوّل اپنے نفس کے لئے دعا مانگتا ہوں۔ کہ خدا مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت و جلال ظاہر ہو۔ اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے مانگتا ہوں۔ کہ ان سے قرۃ عین عطا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔ پھر اپنے بچوں کے لئے دعا مانگتا ہوں۔ کہ یہ سب دین کے خدام بنیں۔ پھر اپنے مخلص دوستوں کے لئے نام بنام اور پھر ان سب کے لئے جو اس سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ خواہ ہم انہیں جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔ اور اسی ضمن میں فرمایا۔ حرام ہے مشیخی کی گدی پر بیٹھنا۔ اور پیر بننا اس شخص کو جو ایک منٹ بھی اپنے متوسلین سے غافل رہے۔ ہاں پھر فرمایا ہدایت اور تربیت حقیقی خدا کا فعل ہے۔ سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گذار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں۔ اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے۔ اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہئے۔ آپ نے قطعی طور پر فرمایا۔ اور لکھ کر بھی ارشاد کیا۔ کہ ہمارے مدرسہ میں جو استاد مارنے کی عادت رکھتا اور اپنے اس ناسزا فعل سے باز نہ آتا ہو اسے یک لخت موقوف کردو۔ فرمایا ہم تو اپنے بچوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں۔ اور پھر اپنا پورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں۔ جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہوگا۔ وقت پر سرسبز ہو جائے گا"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی صفحہ ۳۶-۳۷)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو آداب مسجد سکھاتے ہیں

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب جو آجکل خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ کے ناظر تعلیم و تربیت ہیں۔ اور جو خود بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے متعلق تالیف واقعات کا کام کر رہے ہیں۔ ابھی بچے ہی تھے۔ ۱۱ فروری ۱۹۰۴ء کی شام کا واقعہ ہے۔ حضرت مسیح موعود حسب معمول مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت صاجزادہ صاحب اپنے بھائیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے مسجد میں آگئے۔ اور حضرت اقدس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ اور اپنے لڑکپن کے باعث کسی بات کے یاد آجانے پر آپ دبی آواز سے کھل کھلا کر ہنس پڑتے تھے۔ اس پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

"مسجد میں ہنسنا نہ چاہئے"

جب میاں صاحب نے دیکھا۔ کہ ہنسی ضبط نہیں ہوتی۔ تو چپکے سے چلے گئے۔ اور حضرت اقدس کی نصیحت پر اس طرح عمل کر لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معمول تھا۔ کہ جب کوئی بچہ آپ کی خدمت میں آتا۔ تو آپ جگہ دینے کے لئے ایک طرف کو کھل جاتے۔ اور اپنے پہلو میں اسے بیٹھنے کا موقعہ دیتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی (مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِطُوْلِ حَیَاتِہٖ آمین) اکثر آیا کرتے تھے۔ صاجزادہ میاں بشیر احمد صاحب اور صاجزادہ میاں شریف احمد صاحب کم۔ سیر میں بھی کبھی کبھی ساتھ ہو جاتے۔ اور صاجزادہ مبارک احمد صاحب (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا) کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام گود میں لئے ہوئے بارہا نکل آتے اور لئے جاتے۔ پھر خدام لے لیتے۔ اور جب صاجزادہ صاحب خواہش کرتے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود انکو اٹھا لیتے۔

رحم کی تعلیم دیتے ہیں

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی تالیف سیرت المہدی میں ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کی روایت سے ایک واقعہ لکھا ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب (خلیفتہ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز) کو تعلیم رحم دینا مقصود ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ

ایک دفعہ میاں (یعنی حضرت خلیفتہ المسیح ثانی) دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے۔ کہ حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز کے لئے باہر جاتے ہوئے ان کو دیکھ لیا۔ اور فرمایا

میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۱۹۲)

بڑوں کا ادب کرنے کی تعلیم دیتے ہیں

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنا ایک ذاتی واقعہ سیرت المہدی میں لکھا ہے۔ کہ

"ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اس حجرہ میں کھڑے تھے۔ جو عزیزم میاں شریف احمد صاحب کے مکان کے ساتھ ملحق ہے۔ والدہ صاحبہ بھی غالباً پاس تھیں۔ میں نے کوئی بات کرتے ہوئے مرزا نظام الدین صاحب کا نام لیا تو صرف نظام الدین کہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے اس طرح نام نہیں لیا کرتے۔ (سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ ۳۱)

بچوں کی دلداری کا کہاں تک خیال رہتا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں کی دلداری کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ اور اپنے صاحبزادوں کا خصوصیت سے اس لئے بھی خیال رکھا کرتے۔ کہ انکو آیات اللہ یقین کرتے تھے۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ

نے ہر ایک کی پیدائش سے پہلے بطور نشان پیشگوئی فرمائی۔ اور حقیقت تو یہ ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نے بھی یَتَزَوَّجُ وَ یُوْلَدُ لَہٗ کہہ کر پیشگوئی فرمائی ہوئی تھی۔ پس احترام و اکرام اور دلداری آپ آیات اللہ کے اکرام کے رنگ میں بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس سے قطع نظر ایک شفیق باپ کا نمونہ آپ کے طرز عمل میں ایسا موجود تھا۔ کہ اس کی نظیر عام انسانوں میں نہیں۔ بلکہ صرف انبیا میں ملتی ہے۔

حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ایام طفولیت کا ایک واقعہ ہے۔ جس کو حضرت مخدوم الملت نے تحریر فرمایا ہے۔ اس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کس شفقت پدری کا نمونہ تھے۔ چنانچہ حضرت مخدوم الملت فرماتے ہیں۔

"جاڑے کا موسم تھا۔ محمود نے جو اس وقت بچہ تھا۔ آپ کی واسکٹ کی جیب میں ایک بڑی اینٹ ڈال دی۔ آپ جب لیٹیں وہ اینٹ چبھے۔ میں موجود تھا۔ آپ حامد علی سے فرماتے ہیں۔ حامد علی! چند روز سے ہماری پسلی میں درد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی چیز چبھتی ہے وہ حیران ہوا۔ اور آپ کے جسد مبارک پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اور آخر اس کا ہاتھ اینٹ سے جا لگا۔ جھٹ جیب سے نکال لی۔ اور عرض کیا یہ اینٹ تھی۔ جو آپ کو چبھتی تھی۔ مسکرا کر فرمایا۔ کہ

"اوہو چند روز ہوئے محمود نے میری جیب میں ڈالی تھی اور کہا تھا اسے نکالنا نہیں۔ میں اس سے کھیلوں گا"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ سیالکوٹی صفحہ ۳۹)

بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ اور اس سے حضور کے استغراق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مگر بچہ کی دلداری کا اس قدر خیال ہے۔ کہ اس کی ڈالی ہوئی اینٹ کو بھی جیب ہی میں پڑا رہنے دیا۔ اسی طرح حضور کے عفو و درگذر کے نظاروں میں میں دکھا چکا ہوں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت خلیفہ ثانی نے جبکہ وہ چار برس کے تھے۔ دیا سلائی لے کر حضور کے مسودوں کو آگ لگادی۔ اور آن کی آن میں ساری محنت کو ضائع کر

دیا۔ مگر آپ نے کسی بھی خفگی یا رنج کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ مسکرا کر صرف اتنا کہا۔

"خوب ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ اور اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے"

صاجزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا ایک اور واقعہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت میں نہ تھا۔ کہ کسی ایسی بات پر جو دینی یا اخلاقی حیثیت سے موثر نہ ہو۔ بچوں سے سختی کے ساتھ مطالبہ کریں۔ بلکہ اسے بچپن کا ایک عام واقعہ سمجھ کر نظرانداز فرماتے۔ حضرت صاجزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی طبیعت میں اس وقت بھی بہت بڑی سادگی ہے۔ بچپن میں تو سادگی ہی نہیں بے پروائی تھی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے بڈھے عرفانی نے تمام صاجزادوں کو انکے بچپن کے ایام سے دیکھا اور ان کی عادات و حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ اس لئے ایک ایک واقعہ اس کے سامنے ہے۔ میرے محترم بھائی صاجزادہ سراج الحق صاحب نے ان کے بچپن کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ میرے سامنے اور موجودگی کا ہے۔ اس لئے بھی میں اسے درج کرتا ہوں۔ یہ واقعہ بتاتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کبھی خوردہ گیری کے خوگر نہ تھے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔ کہ ایک روز حضرت اقدس علیہ السلوۃ والسلام سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ ابھی تھوڑا سا دن چڑھا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ پندرہ سولہ احباب ساتھ تھے۔ پھر پیچھے سے اور بہت سے آملے۔ حضرت خلیفہ ثانی مدفیضہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی آگئے۔ اور ایک دو لڑکے اور بھی ان کے ساتھ تھے۔ چھوٹی عمر تھی ننگے پاؤں اور ننگے سر میاں بشیر احمد صاحب تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے تبسم فرما کر فرمایا۔ کہ

"میاں بشیر احمد! جوتی ٹوپی کہاں ہے؟ کہاں پھینک آئے؟"
میاں بشیر احمد صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور ہنس کر بچوں سے کھیلتے کھیلتے آگے بڑھ گئے۔ اور کچھ فاصلہ پر دوڑ گئے۔ (یہ بات چیت اس جگہ ہوئی جہاں میاں نظام الدین صاحب ٹیلر ماسٹر کی دو منزلہ دوکان ہے۔ اور آجکل اس میں دفتر قضاء ہے۔ عرفانی) آپ نے فرمایا۔ بچوں کی بھی عجیب حالت ہوتی ہے۔ جب جوتا نہ ہو تو روتے ہیں۔ کہ جوتا لا کے دو۔ اور جب جوتا منگوا کر دیا جاوے تو پھر اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور نہیں پہنتے یونہی سوکھ سوکھ کر خراب ہو جاتا ہے۔ یا گم ہو جاتا ہے۔ کچھ بچوں کی جبلّت ہی ایسی ہوتی ہے۔ کہ کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی۔ عجیب بے فکری کی عمر ہوتی ہے۔ اور اکثر اپنے آپ کو پابرہنہ رکھنا ہی پسند کرتے ہیں۔ ابھی دو چار دن کا ذکر ہے۔ کہ جوتا کا تقاضا تھا۔ جب منگوا کر دیا۔ تو اس کی پرواہ نہیں۔ میں نے کہا در طفلی پستی و در جوانی مستی و در پیری سستی خدارا کے پرستی یہ سنکر ہنسے تو پھر میں نے عرض کیا۔ کہ حافظ حامد علی کو بھیج دیا جاوے۔ وہ جوتہ ٹوپی لے آئیں گے۔ فرمایا۔ جانے دو خدا جانے کہاں ہوں گے۔

بچوں کے ہم جولیوں سے سلوک

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا۔ کہ آپ صاحبزادگان کے ساتھ کھیلنے والے بچوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک فرمایا کرتے۔ جیسے اپنے بچوں سے شفقت فرماتے۔ ایک روز آپ نے ہنس کر ایک واقعہ بیان فرمایا۔ کہ فلاں لڑکا (جو آج کل افریقہ میں ملازم ہے۔ اور ان ایام میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت اقدس کے گھر میں رہا کرتا تھا۔ کیونکہ اس کا باپ لنگر خانہ میں کام کرتا تھا۔ عرفانی) حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب یا شریف احمد صاحب (دونوں میں سے کسی ایک کا واقعہ ہے۔ عرفانی) کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارا باپ تو ہم کو بہت سے آم دیتا ہے۔ صاحبزادہ صاحب موصوف نے حضرت اقدس سے کہا۔ (ان ایام

میں آم آئے ہوئے تھے۔ اور حضرت اقدس بچوں کو خود تقسیم فرما رہے تھے۔ عرفانی) حضرت اقدس بہت ہنسے اور بہت سے آم صاحبزادہ صاحب کو دیئے۔ آپ کی غرض یہ تھی۔ کہ وہ اپنے ہم جولیوں میں اچھی طرح تقسیم کریں۔ یہ تو ان کے ہاتھ سے دلائے۔ اور خود ان سب کو جو ساتھ ہوتے برابر حصہ دیتے۔ اور وہ حضرت کے گھر میں ایک شاہانہ زندگی بسر کرتے۔ عام سلوک میں حضرت اقدس کو کبھی کسی سے بھی فرق نہ ہوتا۔ کھانے پینے کے لئے برابر پوری آزادی اور فراغت حاصل تھی۔ ان کے سوا اگر ایسے موقعہ پر جبکہ آپ کوئی چیز تقسیم کر رہے ہوں۔ کوئی بچہ اور کسی کا بچہ سامنے آجاوے۔ آپ اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرتے۔ اور کچھ نہ کچھ ضرور عطاء فرما دیتے۔ اور یہ عادت حضور کی ہمیشہ سے تھی۔ اپنی عمر کے اس حصہ میں جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کے امر اور اذن کے ماتحت مجاہدات میں مصروف تھے۔ بعض یتامیٰ کی خاص طور پر خبر گیری فرماتے۔ اور اپنی خوراک کا ایک حصہ ان کو دیتے تھے۔

بچوں کی باتوں سے اکتاتے نہ تھے

حضرت مخدوم الملت رضی اللہ عنہ نے بچوں کے متعلق آپ کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ

"بارہا میں نے دیکھا ہے۔ اپنے اور دوسرے بچے آپ کی چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ اور آپ کو مضطر کر کے پائینتی پر بٹھا دیا ہے۔ اور اپنے بچپنے کی بولی میں مینڈک اور کوے اور چڑیا کی کہانیاں سنا رہے ہیں۔ اور گھنٹوں سنائے جا رہے ہیں۔ اور حضرت ہیں کہ بڑے مزے سے سنے جا رہے ہیں۔ گویا کوئی مثنوی ملائے روم سنا رہا ہے۔ حضرت بچوں کو مارنے اور ڈانٹنے کے سخت مخالف ہیں بچے کیسے ہی بسوریں شوخی کریں۔ سوال میں تنگ کریں۔ اور بے جا سوال کریں۔ اور ایک موہوم اور غیر موجود شے کے لئے حد سے زیادہ اصرار کریں۔ آپ نہ تو کبھی مارتے ہیں۔ نہ جھڑکتے ہیں۔ اور نہ کوئی خفگی کا نشان ظاہر کرتے ہیں۔

" محمود (حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز) کوئی تین برس کا ہو گا۔ آپ لودہانہ میں تھے۔ میں بھی وہیں تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ مردانہ اور زنانہ میں ایک دیوار حائل تھی۔ آدھی رات کا وقت ہو گا۔ جو میں جاگا اور مجھے محمود کے رونے اور حضرت کے ادھر ادھر باتوں میں بہلانے کی آواز آئی۔ حضرت اسے گود میں لئے پھرتے تھے۔ اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا۔ آخر آپ نے کہا دیکھو محمود وہ کیسا تارا ہے۔ بچہ نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا۔ اور ذرا چپ ہوا۔ پھر وہی رونا اور چلانا اور یہ کہنا شروع کر دیا۔ ابا تارے جانا کیا مجھے مزہ آیا۔ اور پیارا معلوم ہوا آپ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا 'یہ اچھا ہوا ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی۔ اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکالی'۔

آخر بچہ روتا روتا خود ہی جب تھک گیا۔ چپ ہو گیا۔ مگر اس سارے عرصہ میں ایک لفظ بھی

سختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا"

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی صفحہ ۳۵-۳۶)

یہ ایک مثال اور واقعہ نہیں۔ ایک اور واقعہ میں حضرت مخدوم الملت کے الفاظ میں درج کرتا ہوں۔ جس سے جہاں ایک طرف آپ کے اس سلوک اور طرز عمل کا پتہ ملتا ہے جو بچوں کے متعلق تھا۔ وہاں آپ کے حوصلہ اور حلم کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ میں جب آپ کے حوصلہ اور حلم کا ذکر کروں گا۔ تو انشاء اللہ اس واقعہ کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی سمجھوں گا۔

ابا بوا کھول

"آپ کی قدیمی عادت ہے کہ دروازے بند کر کے بیٹھا کرتے ہیں۔ ایک لڑکے نے زور سے دستک بھی دی اور منہ سے بھی کہا۔ ابا بوا کھول آپ وہیں اٹھے ہیں اور دروازہ کھولا ہے۔ کم عقل بچہ اندر گھسا ہے۔ اور ادھر ادھر جھانک تانک کر الٹے پاؤں

نکل گیا ہے۔ حضرت نے معمولاً پھر دروازہ بند کر لیا ہے۔ دو ہی منٹ گذرے ہونگے۔ جو پھر موجود اور زور زور سے دھکے دے رہے ہیں۔ اور چلا رہے ہیں۔ ابا بوا کھول۔ آپؑ پھر بڑے اطمینان اور جمعیت سے اٹھے ہیں۔ اور دروازہ کھول دیا ہے۔ بچہ اب کی دفعہ بھی اندر نہیں گھستا ذرا سر ہی اندر کر کے اور کچھ منہ میں بڑبڑا کے پھر الٹا بھاگ جاتا ہے۔ حضرت بڑے ہشاش بشاش بڑے استقلال سے دروازہ بند کر کے اپنے نازک اور ضروری کام پر بیٹھ جاتے ہیں۔ کوئی پانچ ہی منٹ گذرے ہیں۔ تو پھر موجود اور پھر وہی گرما گرمی اور شوراشوری کہ ابا بوا کھول اور آپ اٹھ کر اسی وقار اور سکون سے دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اور منہ سے ایک حرف تک نہیں نکالتے۔ کہ تو کیوں آتا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اور آخر تیرا مطلب کیا ہے۔ جو بار بار ستاتا اور کام میں حرج ڈالتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ گنا کوئی بیس دفعہ ایسا کیا۔ اور ان ساری دفعات میں ایک دفعہ بھی حضرت کے منہ سے زجر اور توبیخ کا کلمہ نہیں نکلا۔“

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۳۳۔۳۴)

بچوں کے علاج معالجہ میں بڑی مستعدی سے کام لیتے

یوں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معمول تھا۔ کہ ہر شخص کی ہر قسم کی مصیبت میں اس کے ساتھ ہمدردی فرماتے اور بیماروں کی طرف بھی توجہ فرماتے۔ لیکن بچوں کے علاج معالجہ کے لئے شروع شروع میں آپ خاص اہتمام فرماتے۔ قادیان میں کوئی ہسپتال اور دواخانہ تو تھا نہیں حضرت حکیم الامت بھی بعد میں تشریف لائے۔ اور اس قسم کی ضرورتیں ہمیشہ لاحق رہتی تھیں۔ اردگرد کے دیہات کی مستورات اور قادیان کی عورتیں بھی اپنے بچوں کو علاج کے لئے حضرت اقدس

کی خدمت میں لے آتی تھیں۔ آپ پوری شفقت اور توجہ سے ان کا علاج فرماتے۔ حضرت مخدوم الملت رضی اللہ عنہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"ایک دفعہ بہت سی گنواری عورتیں بچوں کو لیکر دکھانے آئیں۔ اتنے میں اندر سے بھی چند خدمت گار عورتیں شربت شیرہ کے لئے برتن ہاتھوں میں لئے آنکلیں۔ اور آپ کو دینی ضرورت کے لئے ایک بڑا اہم مضمون لکھنا تھا۔ اور جلد لکھنا تھا۔ میں بھی اتفاقاً جا نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ حضرت کمربستہ اور مستعد کھڑے ہیں۔ جیسے کوئی یورپین اپنی دنیوی ڈیوٹی پر چست اور ہوشیار کھڑا ہوتا ہے۔ اور پانچ چھ صندوق کھول رکھے ہیں۔ اور چھوٹی چھوٹی شیشیوں اور بوتلوں میں سے کسی کو کچھ اور کسی کو کوئی عرق دے رہے ہیں۔ اور کوئی تین گھنٹے تک یہی بازار لگا رہا۔ اور ہسپتال جاری رہا۔ فراغت کے بعد میں نے عرض کیا۔ حضرت یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے۔ اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت ضائع جاتا ہے۔ اللہ! اللہ کس نشاط اور طمانیت سے مجھے جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے۔ یہ مسکین لوگ ہیں۔ یہاں کوئی ہسپتال نہیں۔ میں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یونانی دوائیں منگوا رکھا کرتا ہوں۔ جو وقت پر کام آجاتی ہیں۔ اور فرمایا یہ بڑے ثواب کا کام ہے۔ مومن کو ان کاموں میں سست اور بے پرواہ نہ ہونا چاہئے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۳۴۔۳۵)

دینی معاملات میں بچوں کے سوال کو بھی اہمیت دیتے تھے

جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ معمول تھا۔ کہ وہ بچوں پر ہر طرح شفقت فرماتے۔ اور انکو سزا دینے سے نہ صرف کراہت فرماتے بلکہ اگر کوئی سزا دے۔ تو سخت ناپسند فرماتے۔ وہاں دینی امور میں آپ بچوں کے کسی ایسے فعل کو جو

حضرت نبی کریم ﷺ یا قرآن کریم کی توہین کا موجب ہو برداشت نہ کرتے۔ جیسا کہ میں پیچھے کسی موقعہ پر لکھ آیا ہوں۔ کہ ایک مرتبہ حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کو آپ نے مارا۔ اسی طرح اگر کوئی بچہ دینی معاملہ میں استفسار کرے۔ تو آپ کا یہ طریق نہ تھا۔ کہ محض بچہ سمجھ کر اس سے بے التفاتی کریں۔ اس کا جواب نہ دیں۔ اور یہ بھی نہ ہوتا۔ کہ اگر بچہ کوئی بات کہنا چاہے تو اسے روک دیں۔ برابر توجہ سے اسے سنتے۔ اس کے سوال کو اسی طرح اہم سمجھتے جیسے کسی بڑے ذی علم اور عمر رسیدہ انسان کے سوال کو مکرمی ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب جو حضرت قبلہ نانا جان میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ حضرت امّ المومنین کے بھائی ہونے کی وجہ سے رشتہ اخوّت رکھتے ہیں۔ ان کی ایک ذاتی روایت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی تالیف سیرت المہدی میں اس طرح لکھی ہے۔

"جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لودہانہ میں دعویٰ مسیحیت شائع کیا۔ تو میں ان دنوں چھوٹا بچہ تھا۔ اور شاید تیسری جماعت میں پڑھتا تھا مجھے اس دعویٰ سے کچھ اطلاع نہیں تھی۔ ایک دن میں مدرسہ گیا۔ تو بعض لڑکوں نے مجھے کہا۔ کہ وہ جو قادیان کے مرزا صاحب تمہارے گھر میں ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے ہیں۔ اور یہ کہ آنے والے مسیح وہ خود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے۔ کہ میں نے ان کی تردید کی۔ کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ تو زندہ ہیں۔ اور آسمان سے نازل ہونگے۔ خیر جب میں گھر آیا۔ تو حضرت صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ میں نے سنا ہے آپ کہتے ہیں۔ کہ آپ مسیح ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ میرا سوال سنکر حضرت صاحب خاموشی کے ساتھ اٹھے اور کمرے کے اندر الماری سے ایک نسخہ فتح اسلام (جو آپ کی جدید تصنیف تھی) لاکر مجھے دے دیا۔

اور فرمایا۔ اسے پڑھو۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے۔ کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی دلیل ہے۔ کہ آپ نے ایک چھوٹے بچے کے معمولی سوال پر اس قدر سنجیدگی سے توجہ فرمائی ورنہ یونہی کوئی بات کہہ کر ٹال دیتے"۔ (سیرت المہدی حصہ اوّل صفحہ ۲۲-۲۳)

سبق یاد نہ کرنے پر بچوں پر خفانہ ہوتے

میں نے اوپر لکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں کو مارنے کے سخت خلاف تھے۔ تعلیمی معاملات میں مارنے والے استادوں کو پسند نہ فرماتے۔ حضور نے اگرچہ خود باقاعدہ اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دی۔ لیکن ابتدائی ایام میں جبکہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ مامور ہو کر ابھی مبعوث نہ ہوئے تھے۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (اپنے والد مکرم) سے فارسی کی بعض کتب مثلاً گلستان بوستان اور نحو اور منطق کے ابتدائی رسالے پڑھے تھے۔ خان بہادر نے مجھے بتایا کہ ان کا معمول تھا۔ کہ میں کتابیں سرہانے رکھ کو سو جایا کرتا تھا۔ بہت محنتی نہ تھا۔ لیکن سبق سمجھ لیا۔ اور کچھ یاد بھی رکھا۔ حضرت مسیح موعود میرا آموختہ بھی سنا کرتے تھے۔ اور میں بھول بھی جاتا۔ مگر یہ کبھی نہیں ہوا۔ کہ پڑھنے کے متعلق مجھ سے ناراض ہوئے ہوں۔ یا مجھے مارا ہو۔

جب حضور خدا کے منشاء اور وحی سے مامور ہو کر تبلیغ سلسلہ کے کام میں مصروف ہو گئے۔ تو بچوں کی تعلیم کے متعلق دوسرے استادوں کی خدمات حاصل ہونے لگیں مجھے یاد ہے۔ کہ ایک مرتبہ بچوں کی عربی تعلیم کے لئے آپ نے ایک کورس عربی بول چال کا تیار کرنا شروع فرمایا تھا۔ اور بچے نہایت خوشی سے اسے یاد کرتے تھے۔ بعد میں ایک کورس آپ نے بڑے آدمیوں کے لئے بھی تیار فرمانا چاہا۔ اور کچھ سبق لکھے بھی گئے تھے۔ مگر وہ سکیم کثرت کار کی وجہ سے ملتوی ہو گئی۔

محبت پدری کا مظاہرہ

میں نے ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی اس اولاد سے جو محبت کرتے تھے۔ اور ان کا اکرام کرتے تھے۔ اس میں ایک راز یہ بھی تھا کہ آپ ان کو آیات اللہ یقین کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ایسے وقت میں کہ آپ کو دوسری شادی کا خیال بھی نہ تھا۔ اس شادی اور اس کے ذریعہ ایک خادم دین اولاد کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ جو اپنے وقت پر پوری ہوئی۔ اور آج خدا تعالیٰ کے فضل سے اس برگ و بار سے ہم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ عام طور پر والدین کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے۔ اور بچوں کو والدین سے۔ اور جب بچے ایک سے زیادہ ہوں۔ تو بچوں میں یہ جذبہ بھی ہوتا ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک سمجھتا ہی نہیں یقین کرتا ہے۔ کہ مجھ سے زیادہ محبت ہے۔ اور بعض اوقات بچے اپنی بچپنے کی شان سے آپس میں اس محبت پدری و مادری پر مباحثہ بھی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو کہتا ہے۔ کہ مجھ سے زیادہ محبت ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اس مظاہرے کا ایک واقعہ سیرت میں لکھا ہے۔ میں اسے نہایت اہم سمجھتا ہوں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شفقت پدری کا ایک بہترین نمونہ۔ حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ

"ایک دفعہ ہم گھر کے بچے مل کر حضرت صاحب کے سامنے میاں شریف احمد کو چھیڑنے لگ گئے۔ کہ ابا کو تم سے محبت نہیں ہے۔ اور ہم سے ہے۔ میاں شریف بہت چڑتے تھے۔ حضرت صاحب نے ہمیں روکا بھی کہ زیادہ تنگ نہ کرو۔ مگر ہم بچے تھے لگے رہے۔ آخر میاں شریف رونے لگ گئے اور ان کی عادت تھی۔ کہ جب روتے تھے۔ تو ناک سے بہت رطوبت بہتی تھی۔ حضرت صاحب اٹھے۔ اور چاہا کہ ان کو گلے لگا لیں۔ تاکہ ان کا شک دور ہو۔ مگر وہ اس وجہ سے کہ ناک بہ رہا تھا پرے پرے کھچتے تھے۔ حضرت صاحب سمجھتے تھے۔ کہ شاید اسے تکلیف ہے۔ اس لئے دور ہٹتا ہے۔ چنانچہ کافی دیر تک یہی ہوتا رہا۔ کہ حضرت

صاحب انکو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ اور وہ پرے پرے کھنچتے تھے۔ اور چونکہ ہمیں معلوم تھا۔ کہ اصل بات کیا ہے۔ اس لئے ہم پاس کھڑے ہنستے جاتے تھے"۔ (سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ ۵۴-۵۵)

ایک دوسری روایت میں حضرت صاجزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ "جب ہم بچے تھے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام خواہ کام کر رہے ہوں۔ یا کسی اور حالت میں ہوں۔ ہم آپ کے پاس چلے جاتے تھے۔ کہ ابا پیسہ دو۔ اور آپ رومال سے پیسہ کھول کر دے دیتے تھے۔ اگر ہم کسی بات پر زیادہ اصرار کرتے۔ تو آپ فرماتے تھے۔ کہ میاں میں اس وقت کام کر رہا ہوں۔ تنگ نہ کرو"۔

اولاد کے متعلق آپ کی خواہش یہ تھی کہ وہ خادم دین ہوں

اولاد کے متعلق حضور کی خواہش و تمنا ایک دنیادار کے حصول و مقاصد کی طرح نہ تھی۔ کہ وہ بہت بڑے عہدہ دار ہوں۔ یا ان کے پاس ڈھیروں ڈھیر سونا اور دنیا کے متاع ہوں۔ آپ کی غرض واحد اور تمنائے اعظم محض یہ تھی۔ کہ وہ خادم دین ہوں۔ یہ امر آپ کی ان دعاؤں سے جو اولاد کے متعلق آپ نے کی ہیں۔ ظاہر ہے۔ اور واقعات بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ میں اس جگہ دو واقعات لکھوں گا۔ جن میں سے ایک خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کے متعلق ہے۔ اور ایک حضرت خلیفتہ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب شروع ہی سے نہایت سادہ مزاج اور مستغنی طبیعت تھے۔ طبیعت بالکل لاابالی واقع ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے واقعات میں ایک واقعہ حضرت ام المومنین کی روایت سے بیان کیا ہے۔ کہ

"ایک موقعہ پر جب تم بچے تھے۔ اور شاید دوسری جماعت میں ہو گے۔ کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام رفع حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو تم اس وقت ایک چارپائی پر الٹی سیدھی چھلانگیں مار رہے اور قلابازیاں کھا رہے تھے۔ آپ نے دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا دیکھو یہ کیا کر رہا ہے۔ پھر فرمایا۔ اسے ایم۔ اے کرانا"۔

(سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۵۳)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اب ایم۔ اے ہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ یہ پیشگوئی حضور کی وفات کے بعد پوری ہونے والی تھی۔ اور حضور کی وفات کے بعد حضرت ام المومنین کی زندگی میں ہونے والی تھی۔ میں اس وقت پیشگوئی پر بحث نہیں کرتا ہوں۔ بلکہ اس کی طرف ایک اور نکتہ خیال سے گفتگو کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقصد ایم۔ اے کرانے سے یہ ہرگز نہ تھا۔ کہ وہ حکومت میں کوئی بڑا عہدہ حاصل کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ یا اور کوئی دنیوی مفاد حاصل ہو گا۔ بلکہ حضور یہ چاہتے تھے۔ کہ خدمت دین کے لئے بہترین موقعہ ان کو مل سکے گا۔ اس لئے کہ آپ کی اصل تمنا یہی تھی۔ اور آج واقعات اس کی تصدیق کر رہے ہیں۔ غرض اولاد کے متعلق آپ کا منتہائے نظر یہی تھا۔ کہ وہ خادم دین ہوں۔ اب میں ان دونوں واقعات کو درج کرتا ہوں۔ جن کا اوپر ذکر کر چکا ہوں۔

اعلیٰ حضرت کے منجانب اللہ ہونے کے دوسرے دلائل و براہین میں سے آپ کی عملی زندگی کا وہ حصہ بھی عجیب ہے۔ جو آپ اندرون خانہ میں گذارتے ہیں۔ آؤ میں تمہیں آپ کی ایک اندرون خانہ مجلس کے حالات سناؤں۔ یہ وقت بالکل علیحدگی کا ہے۔ جو انسان کی حالت پر پوری روشنی ڈالنے والا ہوتا ہے۔ صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب امتحان انٹرنس دیکر امرتسر سے واپس آئے ہیں۔ آپ کے متعلق سلسلہ کلام شروع ہوا۔ کسی نے کہا میاں صاحب بہت دبلے ہو گئے ہیں۔ دوسرے نے کہا۔ ان کو اپنی کمزوری کا خیال کر کے سخت فکر لگی ہوئی ہے۔ کہ ایسا نہ

ہو فیل ہو جاؤں۔

اس پر حضرت میاں صاحب سے کسی بہت ہی پیار کرنے والے نے کہا۔ کہ آپ دعا کریں کہ پاس ہو جاویں۔ اس پر اعلیٰ حضرت حجتہ اللہ نے جو کچھ فرمایا۔ وہ آب زر سے بھی لکھا جائے۔ تو اس کی پوری قدر نہیں ہو سکتی۔ یہ فقرات آپ کی اندرونی حالت کا راز ظاہر کئے دیتے ہیں۔ اور آپ کی پاک سیرت کو عیاں کرکے دکھاتے ہیں۔

فرمایا ”ہمیں تو ایسی باتوں کی طرف توجہ کرنے سے کراہت پیدا ہوتی ہے۔ ہم ایسی باتوں کے لئے دعا نہیں کرتے۔ ہم کو نہ تو نوکریوں کی ضرورت ہے۔ اور نہ ہمارا یہ منشاء ہے۔ کہ امتحان اس غرض سے پاس کئے جاویں۔ ہاں اتنی بات ہے کہ یہ علوم متعارفہ میں کسی قدر دستگاہ پیدا کرلیں۔ جو خدمت دین میں کام آئے۔ پاس فیل سے تعلق نہیں۔ اور نہ کوئی غرض“۔

ان فقرات پر غور کرو۔ کہ کیا کسی دنیا دار اور دنیا طلب کے منہ سے نکل سکتے ہیں۔ ایسی حالت اور ایسے وقت میں جبکہ وہ اپنی بیوی بچوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ مریدین اور مخلصین کی کوئی کثیر جماعت اس کے اردگرد نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ کی سچائی اور صدق دعویٰ پر کس دلیل کی ضرورت ہے۔ کہ برخلاف ابناء دنیا کے جو اپنے بیٹوں کے لئے ایسی امتحانی منزلوں کے طے کرانے کے لئے کس قدر اضطراب اور قلق ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے ہر قسم کے جائز و ناجائز وسائل تک کے استعمال کرنے سے بھی نہیں ڈرتے۔ حضرت اقدس اپنے بیٹے کی نسبت اس رنگ کی دعا سے بھی کراہت کرتے ہیں۔ یہ واقعہ تو آپ کی زندگی میں آج سے بائیس تیئس سال پیشتر کا ہے ممکن ہے۔ کہ کوئی کم فہم اپنی بدنصیبی سے یہ کہہ اٹھے۔ کہ اس وقت چونکہ مخلصین کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ اور کسی قسم کی کوئی حاجت اور پرواہ نہیں تھی۔ اس لئے ایسا فرمایا۔ لیکن میں ایک بہت ہی پرانا واقعہ ناظرین کو سناتا ہوں۔

جب کہ نہ یہ سلسلہ تھا۔ اور نہ اس قدر خدام گردو پیش موجود تھے۔ بلکہ تنہائی کی زندگی آپ بسر کر رہے تھے۔ اور گوشہ گمنامی میں اپنے محبوب و مولا سے راز و نیاز کی باتیں کیا کرتے تھے۔

اس وقت جناب خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب حال پنشنر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ جو اعلیٰ حضرت کے سب سے بڑے صاجزادے ہیں۔ امتحان تحصیل داری میں شریک ہوئے انہوں نے دعا کی درخواست کی۔ عصر کی نماز کا وقت تھا۔ آپ وضو کر رہے تھے۔ اس وقت مرزا سلطان احمد کا عریضہ ملا۔ آپ نے وضو کر کے اسے دیکھا۔ اور نہایت نفرت اور کراہت کے ساتھ اسے چاک کر کے پھینک دیا۔ اور فرمایا۔

"میں ایسی باتوں کے لئے دعا نہیں کرتا۔ مجھے ایسے امور کے لئے دعا کرنے سے نفرت آتی ہے" اس کے بعد معاً آپ کو الہام ہوا کہ پاس ہو جائے گا۔ یہ خدا کا فضل تھا۔

غرض جہاں تک آپ کی لائف میں نظر کرتے جاویں۔ اس قسم کے ہزاروں واقعات ملیں گے۔ مخدوم الملت حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ روایت فرماتے ہیں۔ کہ میاں محمود والا واقعہ سنکر میرے دل میں آپ کے منجانب اللہ ہونے کی نسبت اور بھی زیادہ مضبوط ایمان ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ جیسا میں ہر موقعہ پر دیکھتا ہوں۔ اس موقعہ پر بھی وہی تجربہ سچا ثابت ہوا۔ کہ حضرت اقدس کے پیش نظر دین اور اعلاء دین ہی ہے۔ محض دنیا کی طرف نہ کبھی توجہ ہوئی ہے۔ اور نہ کبھی متوجہ ہونا پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن فرمایا۔ کہ

"جب کوئی شخص محض دنیا کے لئے درخواست کرتا ہے۔ طبیعت میں بہت کراہت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب کسی کی درخواست خدا تعالیٰ کی رضاء حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ یا کوئی شخص کسی ابتلاء میں محض دین کی خاطر مبتلاء ہوتا ہے اور ستایا جاتا ہے۔ اس وقت دعا کے لئے بے

اختیار تحریک پیدا ہوتی ہے"۔

اس وقت کسی کو کیا معلوم تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کا یہ واقعہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کے لئے ایک پیشگوئی کا رنگ رکھے گا۔ حضرت میاں صاحب اس امتحان میں فیل ہوئے اور خدا کے حضور کامیاب ہو گئے۔

خدا تعالیٰ نے تبلیغ و اشاعت دین کا آپ سے وہ کام لیا۔ جو آج ہم سب دیکھ رہے ہیں۔ اور خدا کا شکر اور اس کی حمد ہے۔ کہ ہم اس کے خدام میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس اولوالعزم کے ارادوں میں برکت دے۔ آمین۔

بچوں کی تربیت کہانیوں کے ذریعہ

عام طور پر بچوں میں کہانیاں کہنے اور سننے کا شوق ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بچے بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ خصوصاً حضرت خلیفتہ المسیح ثانی کو کہانیاں سننے کا بہت شوق ہوتا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی ان کی دلداری نہیں۔ بلکہ تربیت کے خیال سے کہانیاں سننے کی اور دوسروں کو سنانے کی اجازت ہی نہ دیتے تھے۔ بلکہ خود بھی بعض اوقات سنا دیا کرتے تھے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح حیات، احمد جلد اول نے صفحہ نمبر ۱۹۷ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کہی ہوئی دو کہانیاں درج کی ہیں۔ پہلی کہانی ایک گنجے اور اندھے کی تھی اس کہانی سے آپ کو یہ تعلیم دینا مقصود تھا۔ کہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرو۔ اور ان کی قدر کرو۔ سوالی کو جھڑکی نہ دو۔ خیرات کرنا اچھی بات ہے۔ اور سوالی کو کچھ نہ کچھ دینا چاہئے۔ اس سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ اور اپنی دی ہوئی نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔

دوسری کہانی ایک بزرگ اور چور کی تھی۔ اس کہانی سے آپ کو یہ تعلیم دینی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ کہانی کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں۔ اور تقویٰ اختیار کرنے سے کیا

دولت نصیب ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ پر ایمان بڑھتا ہے۔ کہ دیکھو وہ خدا تعالیٰ جو زمین و آسمان کے رہنے والوں کی پرورش کرتا ہے۔ وہی پاک اور سچا خدا ہے۔ جو ہم تم سب کو پالتا ہے۔ پس اسی سے ڈرو۔ اور اسی پر بھروسہ کرو۔ اور نیکی اختیار کرو۔

بہت ممکن ہے کہ آپ نے متعدد کہانیاں سنائی ہوں۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ایک برے بھلے آدمی کی کہانی بھی آپ سناتے تھے۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک برا آدمی تھا۔ اور ایک اچھا آدمی تھا۔ آخر کار برے آدمی کا انجام برا ہوا۔ اور اچھے کا اچھا۔ لیکن میرے علم میں اس وقت تک یہی دو آئی تھیں۔ جو بچوں کو سنائی تھیں۔ اسی باب کے تحت میں اوپر میں بیان کر آیا ہوں۔ کہ کبھی کبھی بچے بھی آپ کو کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ اور آپ بیٹھے ہوئے کہانیاں سنتے۔ اور اکتاتے نہ تھے۔ آپ کا یہ فعل شوق سے نہ تھا۔ بلکہ محض بچوں کی دلداری اور تربیت کا ایک پہلو اپنے اندر رکھتا ہے۔

میری مونس زندگی اور غم گسار بیوی شروع ۱۸۹۸ء میں جب میرے ساتھ قادیان آگئی۔ اور مجھے مطبع اور اخبار کی ضروریات کی وجہ سے کبھی امرتسر جانا پڑتا تو ایک یا دو دن کے لئے حضرت اقدس کے گھر میں اسے میری غیر حاضری میں رہنے کی سعادت حاصل ہوتی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب میرے پاس پڑھنے کے لئے بھی آیا کرتے تھے۔ اور اس لئے وہ میری اہلیہ کو استانی کہتے۔ اور کبھی کبھی اس کو کہانی سنانے کے لئے سپارش کراتے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد مرتبہ فرمایا کہ

اچھی کہانی سنا دینی چاہئے اس سے بچوں کو عقل اور علم آتا ہے

میری غرض اس واقعہ کے لکھنے سے یہ ہے۔ کہ حضور بچوں کی دلداری اور تربیت کو بہت مد نظر رکھتے تھے۔ چونکہ کہانیوں کا ذکر آگیا ہے۔ میں ایک اور امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ کہانی کہنے کی کثرت اور عادت کو آپ پسند نہ

فرماتے تھے بلکہ بعض اوقات نہایت لطیف پیرایہ سے روک دیتے تھے۔ اس کا ذکر میں کسی دوسرے موقعہ پر جہاں آپ کے طرز تعلیم اور قوت قدسیہ کا بیان ہو گا۔ انشاء اللہ العزیز کروں گا۔

باوجودیکہ حضور بچوں کی تالیف قلب اور دلداری کے لئے چھوٹی سے چھوٹی بات بھی مان لیتے تھے۔ مگر کبھی کبھی دینی کام کے پیش آجانے پر ان کے حسب خواہش معمولی کام بھی کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ ۱۵ فروری ۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے۔ کہ ہمارے مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے طلباء کا کرکٹ میچ تھا۔ بچوں کی خوشی بڑھانے کے لئے بعض بزرگ بھی شامل ہو گئے۔ کھیل میں نہیں۔ بلکہ نظارہ کھیل کے لئے۔ اور فیلڈ میں چلے گئے۔ حضرت اقدس کے ایک صاحبزادے نے بچپن کی سادگی میں کہا۔ کہ

اباتم کیوں کرکٹ پر نہیں گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ جب کہ آپ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مقابلہ میں اعجاز المسیح لکھ رہے تھے۔ بچہ کا سوال سنکر جو جواب دیا۔ وہ آپ کی فطرتی خواہش اور مقصد عظمیٰ کا اظہار کرتا ہے۔ فرمایا۔

"وہ تو کھیل کر واپس آجائیں گے۔ مگر میں وہ کرکٹ کھیل رہا ہوں۔ جو قیامت تک قائم رہے گا"۔ (اخبار الحکم ۲۱ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

بچوں کو اس قسم کے کھیلوں میں شریک ہونے سے کبھی نہیں روکتے تھے بلکہ پسند فرماتے تھے۔

بچوں کی شادی کے متعلق طرز عمل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طرز عمل سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ آپ حالات زمانہ کو مد نظر رکھ کر یہ پسند فرماتے تھے۔ کہ بچوں کی شادی بدو شباب سے کچھ پہلے ہو جاوے۔ تاکہ جب وہ زمانہ بلوغت میں قدم رکھیں۔ اور ان کی زندگی میں ایک تغیر کا دور شروع ہو۔ وہ اپنی رفیقہ زندگی اور مونسہ کو

موجود پائیں۔ چنانچہ آپ نے تمام بچوں کی شادیاں چھوٹی عمر ہی میں کر دی تھیں۔ گو ان کے رخصتانے زمانہ بلوغت میں ہوئے۔ حضرت ام المومنین (مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِطُوْلِ حَیَاتِھَا آمین) کی روایت سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس طرز عمل کے متعلق حضور کا منشاء صاف کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ کہ

بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ "حضرت صاحب نے تم بچوں کی شادیاں تو چھوٹی عمر میں کر دی تھیں۔ مگر ان کا منشاء یہ تھا کہ زیادہ اختلاط نہ ہو تا کہ نشوونما میں کسی قسم کا نقص نہ پیدا ہو"۔

بچوں پر عام شفقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شفقت اور لطف اپنی اولاد کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ عام طور پر تمام بچوں کے ساتھ تھا۔ جماعت کے کسی فرد کے ہاں بچہ پیدا ہوتا۔ تو آپ بہت خوش ہوتے۔ اور اکثر ان کے نام آپ خود تجویز فرمایا کرتے۔ باہر سے بھی لوگ بچوں کے نام کے متعلق استفسار کرتے۔ اور حضور نام تجویز فرماتے۔ خاکسار عرفانی کے دوسرے بیٹے ابراہیم علی تیسرے لڑکے یوسف علی چوتھے لڑکے محمد داؤد کے نام اور محمودہ۔ حمیدہ۔ حامدہ لڑکیوں کے نام حضور نے ہی رکھے تھے۔

مدرسہ کے غریب سے غریب طالب علم کی بیماری پر بھی آپ کا وہ جوش ہمدردی مشاہدہ کیا گیا ہے۔ جو کم لوگوں کو اپنی اولاد کے لئے بھی نصیب ہوتا ہوگا۔ آپ بار بار اضطراب سے پھرتے اور دعا مانگتے تھے۔ اور بار بار حالات پوچھتے تھے۔ اور اس کی صحت پر آپ کو ایسی خوشی ہوتی۔ جیسے کسی اپنے بچہ کی صحت پر۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں۔ عبدالکریم صاحب حیدر آبادی اور میاں عبدالرحیم خان صاحب خالد بیرسٹرایٹ لا تو اس شفقت کے اعجازی نشان ہیں۔

بچوں کی خوابوں کو بھی آپ نظرانداز نہ فرماتے تھے

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شمائل و اخلاق کی جلد اول (کتاب ہذا) میں آپ کے عادات و معمولات کے ضمن میں صفحہ ۶۸ پر خواب سننے اور سنانے کی عادت کا تذکرہ کیا ہے۔ اور آپ کے معمولات میں یہ امر واضح ہے۔ کہ آپ بچوں تک کی خواب کو بھی نظرانداز نہ فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات فرماتے کہ بچوں کا نفس زکیہ ہوتا ہے۔ اور اس لئے ان کی خوابیں بھی صحیح ہوتی ہیں۔ اور اس خصوص میں آپ اپنی اولاد ہی کی خوابوں تک اس امر کو محدود نہ رکھتے تھے۔ بلکہ کسی بھی بچہ کی خواب آپ تک پہنچ جاوے۔ اگر وہ خواب کوئی حقیقت رکھتی ہے۔ جس کو حضور خوب سمجھ سکتے تھے۔ تو نہ صرف اسے نوٹ کر لیتے بلکہ اس پر عمل بھی کرتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی اکثر خوابیں آپ بیان فرما دیا کرتے تھے۔ اور بعض آپ نے اپنی الہامات کی نوٹ بک میں بھی نقل کی ہیں۔ وہ مشہور و معروف رؤیا جس کا ذکر حضرت خلیفہ ثانی نے ۱۹۱۴ء کے سالانہ جلسہ پر کیا جو برکاتِ خلافت کے صفحہ ۳۴ لغایت ۳۷ پر درج ہے۔ اور جو ۸ مارچ ۱۹۰۷ء کی ہے۔ سالانہ جلسہ پر حضرت نے دکھائی تھی۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نوٹ بک میں درج ہے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔ یہ رؤیا جماعت کے اس تفرقہ اور فتنہ خلافت کے متعلق ہے۔ جو حضرت خلیفہ اولؓ کے عہد میں ہوا۔ جس کو میں ہمیشہ خلافت کے ساتھ غدر سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ میں نے خود ہی اس رؤیا کو شمائل (کتاب ہذا [illegible] جلد اول) پر درج کر دیا ہے۔ اسی طرح حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی ایک رؤیا جو دیوار کے متعلق تھی۔ حضور نے نوٹ فرمائی۔ غرض اکثر رؤیا بچوں کی آپ نوٹ کر لیا

کرتے تھے۔ اور بعض کی ان میں سے اشاعت بھی ہو جاتی تھی۔

غرض آپ بچوں کی رؤیا کو محض لغو اور بے حقیقت قرار دیکر نظرانداز نہ فرما دیا کرتے تھے۔ یہ ایک مشہور اور شائع شدہ واقعہ ہے۔ کہ جب آپ ۱۹۰۵ء کے زلزلہ عظیمہ کے بعد باغ میں تشریف لے گئے۔ تو مکرمی ڈاکٹر صادق صاحب کے بڑے لڑکے منظور صادق نے ایک رؤیا دیکھی۔ کہ بہت سے بکرے ذبح کئے جا رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خواب کو سنکر اپنے خاندان کے ہر فرد کی طرف سے ایک ایک بکرا ذبح کیا۔ اور آپ کی اتباع میں ہر شخص نے جو مقدرت رکھتا تھا۔ ہر ممبر خاندان کی طرف سے ایک ایک یا کل خاندان کی طرف سے ایک ہی بکرا ذبح کیا۔ اور اس قسم کی قربانیوں سے خون کی ایک نالی جاری ہو گئی تھی۔ کم از کم ایک سو بکرا ذبح ہوا ہو گا۔

عزیز مکرم مفتی منظور صادق کی رؤیا کے متعلق ۹ اپریل ۱۹۰۵ء کو جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تعمیل کے لئے ارشاد فرمایا۔ تو اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا۔

"مومن کبھی رؤیا دیکھتا ہے۔ اور کبھی اس کی خاطر کسی اور کو دکھاتا ہے۔ ہم نے اس کی تعمیل میں ۱۴ بکرے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ سب جماعت کو کہدو کہ جس جس کو استطاعت ہے۔ قربانی کردے"۔

(اخبار البدر ۱۳/ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی ایک رؤیا کا تو اوپر ذکر کیا ہے۔ ان کی ایک اور رؤیا کا بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یکم اپریل ۱۹۰۵ء کو ذکر فرمایا تھا۔ اور وہ رؤیا حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کی رؤیا کی تشریح بتائی تھی اس تاریخ کی ڈائری میں درج ہے۔ صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب نے اپنا ایک رؤیا سنایا کہ پیر منظور محمد صاحب کہتے ہیں۔ کہ نصرت الحق پورا ہو گیا ہے۔ اور چھپ گیا ہے۔ یہ خواب صاحبزادہ میاں شریف احمد کے خواب کی تشریح ہے۔ (میاں شریف احمد صاحب نے یکم اپریل ۱۹۰۵ء کو خواب دیکھا تھا۔ کہ قیامت آگئی ہے۔ اور لوگ

آسمان کی طرف اڑ کر جا رہے ہیں۔ اور دیکھا کہ ایک طرف بہشت ہے۔ اور ایک طرف دوزخ ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ بہشت تمہارے لئے ہے۔ مگر ابھی جانے کا حکم نہیں۔ عرفانی)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی رؤیا کی تشریح صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب کی رؤیا کو بتایا اور فرمایا کہ یہ قیامت نصرت الحق ہے۔ (یہ براہین جلد پنجم سے مراد ہے۔ عرفانی) غرض آپ بچوں کے خوابوں کو محض بچے سمجھ کر نظرانداز نہ فرماتے تھے۔

آپ بچوں کو گود میں اٹھایا کرتے تھے

اگرچہ میں اوپر من وجہ لکھ چکا ہوں۔ مگر کسی قدر صراحت سے پھر اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آپ بچوں کو گود میں اٹھائے ہوئے باہر نکل آیا کرتے تھے۔ اور سیر میں بھی اٹھا لیا کرتے۔ اس میں کبھی آپ کو تامل نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ خدام جو ساتھ ہوتے۔ وہ خود اٹھانا اپنی سعادت سمجھتے۔ مگر حضرت بچوں کی خواہش کا احساس یا ان کے اصرار کو دیکھ کر آپ اٹھا لیتے اور ان کی خوشی پوری کر دیتے۔ پھر کچھ دور جا کر کسی خادم کو دے دیتے۔ صاحبزادی امتہ النصیر کی وفات پر ان کا جنازہ بھی حضور نے اپنے ہاتھوں پر اٹھایا تھا اور چھوٹے بازار سے باہر نکلنے تک یعنی اڈا خانہ تک حضور ہی اٹھائے ہوئے لے گئے تھے۔ یہ تمام واقعات حضور کی کمال شفقت اور محبت پر دلالت کرتے ہیں۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نمونہ بہ حیثیت باپ کے اپنی اولاد کے ساتھ اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ کے ماتحت حضرت نبی کریم ﷺ کا سا اسوہ حسنہ تھا۔ اور عام طور پر بچوں کے ساتھ آپ اسی خلق عظیم کے مظہر تھے۔

بچوں کی خوشیوں میں شریک ہوتے

بچوں کی ہر قسم کی خوشی کی تقریبوں کو آپ مناتے اور ان میں شریک ہوتے۔ آمین کے جلسے ہوتے تھے۔ اور اس تقریب پر بچی اور حقیقی

خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ اور نمونہ دکھایا جاتا تھا۔ مگر یہ تقریبیں مسنون اور معروف ہوتی تھیں۔ آپ یہ کبھی پسند نہ فرماتے تھے۔ کہ ان تقریبات پر کسی قسم کا کوئی ایسا فعل ہو جو خلاف شریعت اور خلاف سنت نبی کریم ﷺ ہو۔ بچوں کے عقیقہ کی تقریب تو ان کے بچپن کے ایسے وقت ہوتی ہے۔ کہ ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ البتہ آمین کی تقریب ایسی تھی۔ کہ وہ محسوس کرتے تھے۔ اور جانتے تھے۔ کہ کیا ہو رہا ہے۔ ان تقریبوں کی کیفیت اور اس وقت کے جذبات کا اظہار ہر ایک آمین سے ہوتا ہے۔ حضرت خلیفہ ثانی کی آمین کی تقریب کے بعد پھر تمام بچوں کی آمین کی ایک ہی تقریب تھی۔ اور ہر دو تقاریب کی آمین شائع شدہ ہے۔ حضرت نواب صاحب کے بچوں کی آمین کی بھی تقریب ہوئی تھی۔ اور وہ بچے آپ کے سامنے پیش کئے گئے جنہوں نے قرآن مجید ختم کیا تھا حضور بہت مسرور ہوئے اور دعا فرمائی۔ اسی طرح صاحبزادہ عبدالحی مرحوم کی آمین اور میاں محمد اسحاق صاحب کی شادی کی تقریب بھی اپنے رنگ میں بہت ہی خوشگوار اور مسرت افزا تقریبیں تھیں۔

غرض حضور بچوں کی خوشیوں کی تقریب میں شریک ہوتے تاکہ ان کی خوشی دوبالا ہو جاوے۔ اور ایسی تقریب کا بابرکت ہو جانا تو ظاہر بات ہے۔

حسن معاشرت

میں یہ ایک سے زیادہ مرتبہ لکھ چکا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی اور سیرت کا آئینہ اور صحیح نقشہ ہیں۔ اور آپ کے حالات و واقعات زندگی میں احمد مکی ﷺ کی تصویر نظر آتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے عورت ذات پر جو احسان فرمایا ہے۔ اس کی تجدید عملی اور علمی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ہوئی ہے۔ جس طرح پر آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے عورت ذات پر ہر قسم کے ستم روا رکھے جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کی ماموریت سے پہلے بھی وہی حالت ہو چکی تھی۔ اور مسلمان باوجود قرآن مجید کی تعلیم اور آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ کے سامنے ہوتے ہوئے اس کو عملاً ترک کر چکے تھے۔ وہ خَیْرُ کُمْ خَیْرُ کُمْ لِاَ ھْلِہٖ پڑھتے تھے۔ اور عَاشِرُوْ ھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کی تلاوت بھی کرتے تھے۔ لیکن عملاً اسے منسوخ اور خارج سمجھتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عمل سے پھر اس تعلیم کو زندہ کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تعلیم اس خصوص میں دی ہے۔ وہ کشتی نوح اور دوسری تصنیفات میں درج ہے۔ اور یہاں اس کا درج کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عمل کو دکھانا ہے۔

پہلی شادی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مشیت ایزدی کے ماتحت دو دفعہ شادی کرنے کا اتفاق ہوا۔ پہلی شادی آپ کی بعثت کے زمانہ سے پہلے ہوئی۔ جبکہ ابھی آپ کسی حیثیت سے بھی پبلک میں نہ آئے تھے۔ میں نے آپ کے سوانح حیات حیات النبی نام کتاب میں لکھتے ہوئے پہلی شادی کے متعلق لکھا ہے کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خسر اول آپ کے ماموں تھے۔ اور وہ قادیان ہی میں رہتے تھے۔ اس خاندان کے ساتھ آپ کے خاندان کے تعلقات دیرینہ چلے آتے تھے۔ کیونکہ وہ خاندان اپنے صحیح النسب ہونے کے لحاظ سے ممتاز اور مشار الیہ تھا۔ اگرچہ دولت و اقبال کے لحاظ سے وہ اس خاندان کے ساتھ کوئی لگا نہیں کھاتا تھا۔ تاہم وہ چیز جو خاندانی شرافت اور نجابت کے لئے ضروری سمجھی گئی ہے۔ اس میں موجود تھی۔ مرزا جمعیت بیگ صاحب آپ کے ماموں اور خسر یہاں ہی رہتے تھے۔ اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شادی کی تجویز ہوئی۔ تو اس کے ساتھ ہی نکاح ہو گیا۔ کوئی دھوم دھام اور کوئی رسم آپ کے نکاح میں عمل میں نہ آئی"۔ (حیات احمد مصنفہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ ۱۷)

اسی سلسلہ میں میں نے یہ بھی بتایا ہے۔ کہ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم اس وقت کے حالات کے موافق ہر قسم کے رسوم کے پابند تھے۔ چنانچہ مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کی شادی میں اس کا نمونہ نظر آتا ہے۔ مگر قدرت الٰہی کا کرشمہ دیکھو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شادی کے وقت خود بخود ان رسوم خلاف شریعت میں سے ایک بھی ہونے نہیں پائی۔ یہ تصرف الٰہی تھا۔ چونکہ آپ مامور ہونے والے تھے۔ اگر اس وقت آپ کے متعلق کوئی رسم ایسی ہو بھی جاتی۔ تو آپ عنداللہ اور عندالناس بری الذمہ ہوتے۔ کیونکہ آپ کے ایماء یا اشارہ سے نہ ہوتی تھی لیکن خدا تعالیٰ نے اس پہلو سے بھی آپ پر اعتراض نہ ہونے دیا۔

غرض یہ شادی نہایت سادگی اور بغیر کسی دھوم دھام کے ہو گئی۔ حضرت مسیح موعود کی عمر جہاں تک واقعات سے پتہ ملتا ہے۔ اس وقت پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔

اس عہد کا طریق تمدن

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی شادی ہوئی ہے تو عام طور پر شرفاء اور رؤساء کا طریق تمدن اس قسم کا تھا کہ کل خاندان ایک ہی جگہ رہتا تھا۔ اور سب کے لئے ایک ہی باورچی خانہ میں کھانا پکتا۔ البتہ رؤساء اور امراء کے ہاں رہنے کے مکانات بڑے بڑے ہوتے۔ اور اس طرح پر خاندان کے شادی شدہ ممبر جدا جدا ہی اپنے کمروں میں رہتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خاندان جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔ ایک نہایت ممتاز اور معزز خاندان تھا۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر قسم کی آسائش اور آرام میسر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت پہلے سے خلوت نشینی کی تھی۔ اور عام طور پر آپ کے اوقات عبادت و توجہ الی اللہ اور مطالعہ دینی میں گزرتے تھے۔ اور آپ دنیا اور اس کی دلفریبیوں کی طرف توجہ کرنے کے لئے وقت ہی نہ پا سکتے تھے۔

حضرت مسیح موعود کا طرز عمل

میں ایک شعور اور یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اختیار میں ہوتا اور آپ سے شادی کے متعلق مشورہ لیا جاتا۔ تو شاید آپ ابھی اس کے لئے آمادگی ظاہر نہ کرتے۔ اور انکار کردیتے۔ مگر آپ ماں باپ کے نہایت ہی سعادت مند اور اطاعت گذار فرزند تھے۔ اس لئے جب حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب مرحوم نے تجویز کی اس پر راضی ہو گئے۔ اور کوئی عذر نہیں کیا چونکہ خاندان کی ضروریات کا انتظام بڑے مرزا صاحب کے ذریعہ ہوتا تھا اور حضرت مائی صاحبہ (سیدہ چراغ بی بی رضی اللہ عنہا) حضرت کی والدہ گھر کا انتظام فرماتی تھیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کوئی خاص اہتمام اس خصوص میں کرنا نہ پڑتا تھا۔ اور آپ اپنے مشاغل دینیہ کو جاری رکھتے ہوئے معاشرہ کے فرائض کو بھی ادا کر رہے تھے۔ اس زمانہ میں کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔ کہ آپ نے اپنے گھر میں کسی قسم کی ناراضی کا اظہار کیا ہو۔ جہاں تک آپ کے امکان میں تھا۔ اور جن امور کا تعلق آپ کی ذات سے تھا۔ حسن معاشرت کے پہلو اور خَیْرُ کُمْ خَیْرُ کُمْ لِاَ ھْلِہٖ کی تعلیم کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے دو صاحبزادے خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب (حال پنشنر ڈپٹی کمشنر) اور مرحوم مرزا فضل احمد صاحب عطاء فرمائے۔ اس کے بعد آپ کا دینی شغل دن بدن بڑھتا گیا۔ اور آپ کی توجہ روحانی علوم اور منازل سلوک طے کرنے کی طرف ترقی کرتی گئی۔ اور آپ اس شغل میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ

دنیا سے آپ کی توجہ بالکل جدا ہو گئی

پھر تالیفات کا سلسلہ غیر مذاہب کے لیڈروں اور معترضین اسلام کے اعتراضات کے جوابات اور مباحثات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور کامل طور پر آپ اسی میں مصروف ہو گئے۔ اس عرصہ میں آپ حسن سلوک اور شفقت کے کسی پہلو کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ اسی اثناء میں خدا تعالیٰ کی وحی کے ماتحت آپ کو دوسری

شادی کرنے کا اتفاق ہوا۔ کن حالات میں وہ شادی ہوئی۔ اور کیا اسباب پیدا ہوئے۔ اس کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ سوانح حیات (حیات احمد*) میں کروں گا۔ یہاں یہ ذکر محض سلسلہ واقعات کی زنجیر کے طور پر کیا ہے۔

غرض جب دوسری شادی ہو گئی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دو قسم کی ذمہ داریاں عائد ہو گئیں۔ یعنی پہلی اور دوسری بیوی کے ساتھ تعلقات اور اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حالت بالکل اور ہو چکی تھی۔ خاندانی تمدن اور طریق بودماند میں تبدیلی واقعہ ہو چکی تھی۔ ایک خاندان مشترکہ دو خاندانوں پر منقسم ہوگیا تھا۔ اس وقت حالات نے ایک اور پلٹا کھایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی بالکل اذن و امرالٰہی کے ماتحت ہو گئی۔ آپ کا ہر فعل خدا تعالیٰ کی وحی خفی کے ماتحت ہونے لگا۔

اس وقت تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تعلقات پہلی بیوی کے ساتھ جہاں تک ضروریات زندگی کا تعلق ہے۔ بہت اچھے تھے۔ آپ ان کی ضروریات کا تکفّل فرماتے۔ اور باقاعدہ اخراجات دیتے رہتے تھے۔ دوسری شادی کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رعایت انصاف اور عدل کا احساس کامل فرمایا۔ حضرت ام المومنین کی اپنی روایت اس بارہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اس طرح پر لکھی ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اوائل سے ہی مرزا فضل احمد کی والدہ سے...... بے تعلّقی سی تھی جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی۔ اور ان کا ان کی طرف میلان تھا۔ اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھیں......... ہاں آپ اخراجات وغیرہ باقاعدہ دیا کرتے تھے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا۔ کہ میری شادی کے بعد حضرت صاحب نے انہیں کہلا بھیجا۔ کہ آج تک تو جس طرح ہوتا رہا

* حیات احمد: جلد دوم نمبر سوم (اوّل ایڈیشن)، صہ ۶۵ تا ۹۹

ہوتا رہا اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اس لئے اب اگر دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا۔ میں گنہ گار ہوں گا۔ اس لئے اب دو باتیں ہیں۔ یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیئے جاؤں گا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ میں بڑھاپے میں کیا طلاق لوں گی بس مجھے خرچ ملتا رہے۔ میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں"۔ (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۳۴)

یہ عمل بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جاری رہا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے باعلام الٰہی اپنے بعض رشتہ داروں اور عزیزوں پر (جو دین سے نہ صرف غافل اور بے پرواہ تھے۔ بلکہ بعض ان میں سے استخفاف شریعت میں دلیر اور استہزاء کرنے میں بے باک تھے) اتمام حجت کے لئے محمدی بیگم کے نکاح کی پیشگوئی کا اظہار کیا۔ اس سے طبعی طور پر مخالفت بھڑک اٹھی۔ اور آپ کی اہلیہ اول نے بھی ان رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غیرت دینی سے کام لیا۔ آپ کا تعلق دین کے معاملہ میں کسی سے اس کی مخالفت کی صورت میں نہ رہ سکتا تھا۔ باوجود ہر قسم کی ہدایت و فہمائش کے جب ایسے مخالفوں سے قطع تعلق نہ کیا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار بہ عنوان

"نصرت دین و قطع تعلق از اقارب مخالف دین"

شائع کیا اور خود قطع تعلق کا اعلان کر دیا۔ لیکن باوجود اس بے تعلقی اور علیحدگی کے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی شفقت عامہ اور پاس رشتہ سابقہ کے باعث حضرت ام المومنین کو وقتاً فوقتاً ان کے ساتھ سلوک کرنے سے یہی نہیں کہ منع نہیں کیا۔ بلکہ من وجہ ارشاد بھی فرما دیا تھا۔ چنانچہ حضرت امّ المومنین اس روایت میں فرماتی ہیں۔ کہ

"اس واقعہ کے بعد ایک دفعہ مرزا سلطان احمد صاحب کی والدہ بیمار ہوئیں۔ تو چونکہ حضرت صاحب کی طرف سے مجھے اجازت تھی میں انہیں دیکھنے کے لئے گئی۔ واپس آکر میں نے حضرت صاحب سے ذکر کیا۔ .... کہ فضل احمد صاحب کی والدہ بیمار ہے۔ اور یہ یہ تکلیف ہے۔ آپ خاموش رہے۔ میں نے دوسری دفعہ کہا تو فرمایا۔ میں تمہیں دو گولیاں دیتا ہوں۔ یہ دے آؤ مگر اپنی طرف سے دینا۔ میرا نام نہ لینا۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں۔ کہ اور بھی بعض اوقات حضرت صاحب نے اشارۃً کنایتہً مجھ پر ظاہر کیا۔ کہ میں ایسے طریق پر کہ حضرت صاحب کا نام درمیان میں نہ آئے۔ اپنی طرف سے کبھی کچھ مدد کر دیا کروں سو میں کر دیا کرتی تھی"۔

(سیرت المہدی جلد اول مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ صفحہ ۳۴)

حسن معاشرت پر جامع بیان
حضرت مخدوم الملت کے قلم سے

دوسری شادی جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اذن اور وحی کے ماتحت ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۲۵ برس تک اس شادی کے بعد زندہ رہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے موافق اس شادی کے لئے آپ ہر قسم کا سامان فرمایا۔ اور اس کو بارآور اور موجب برکات اور بہت سے نشانات کا ذریعہ بنایا۔ آج بھی ہم خلافت ثانیہ کے عہد میں اسی کے برکات سے بہرہ اندوز ہیں۔ ۲۵ سال کا زمانہ ایک لمبا زمانہ ہے۔ اور ایک شخص کی سیرت اور معاشرت کے پرغور مطالعہ کے لئے کافی سے بہت زیادہ ہے۔ حضرت مخدوم الملت رضی اللہ عنہ نے ایک جامع بیان آپ کی حسن معاشرت پر لکھا ہے۔ میں اسے ہی یہاں دے دینا کافی سمجھتا ہوں۔ اور یہ تو ایک خاکہ اور ابتدائی داغ بیل گویا قصر سیرت کی ہے۔ پیچھے آنے والی نسلیں خدا

جانے کس قدر شاندار محل اور عمارتیں حضرت کی سیرت کے متعلق تیار کریں گی۔
قبل اس کے کہ میں حضرت مخدوم الملت کا بیان درج کروں ایک امر کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ام المومنین کو شعائر اللہ میں سے سمجھتے تھے۔ اس کی تائید میں ایک واقعہ اور حضرت کے اپنے ارشاد کو درج کر دینا ہی کافی ہے۔ یہ واقعہ حضرت ڈاکٹر صادق نے بیان کیا ہے۔

"ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ کسی دیوار کے متعلق حضرت ام المومنین کی رائے تھی۔ کہ یوں بنائی جائے۔ اور مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے خلاف تھی۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے حضرت اقدس سے عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے مجھے لڑکوں کی بشارت دی۔ اور وہ اس بی بی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس لئے میں اسے شعائر اللہ سے سمجھ کر اس کی خاطر داری رکھتا ہوں۔ اور جو وہ کہے مان لیتا ہوں"۔

یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایمان اور تعظیم لامراللہ و شعائر اللہ کے راز پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ اب میں ان اقتباسات کو دے دیتا ہوں۔ جن کا اوپر ذکر کیا ہے۔

"پہلے میں حضرت خلیفتہ اللہ کی معاشرت کی نسبت کچھ لکھتا ہوں۔ اس لئے کہ سب سے بڑی اور قابل فخر اہلیت کسی شخص کی اس سے ثابت ہوتی ہے۔ کہ اہل بیت سے اس کا تعلق اعلیٰ درجہ کا ہو اور اس کا گھر اس کی قوت انتظامی اور اخلاق کی وجہ سے بہشت کا نمونہ ہو۔ جس کی بڑی سے بڑی تعریف یہی ہے۔ کہ وہاں دلوں کی تپش اور جلن اور رنج اور کدورت اور غل اور حسد کے محرکات اور موجبات نہ ہونگے۔ خدا تعالیٰ کی حکیم کتاب میں آیا ہے

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

" اور اس حکیم کتاب کا عملی نمونہ ہمارے سید و مولیٰ رحمتہ للعالمین ﷺ فرماتے ہیں۔ خَیْرُ کُمْ خَیْرُ کُمْ لِاَھْلِہٖ یعنی تم میں سے افضل اور خیرو برکت سے بھرا ہوا وہی ہے۔ جس کی رفتار اپنے اہل سے خیروبرکت کی ہے۔

"عرصہ قریب پندرہ برس (اب قریباً ۴۲ برس ہوتے ہیں۔ عرفانی) کے گذرتا ہے۔ جب سے حضرت نے بار دیگر خدا تعالیٰ کے امر سے معاشرت کے بھاری اور نازک فرض کو اٹھایا ہے۔ اس اثناء میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا۔ کہ خانہ جنگی کی آگ مشتعل ہوئی ہو۔

"کوئی بشر خیال کر سکتا ہے۔ کہ ضعیف اور کم علم جنس کی طرف سے اتنے دراز عرصہ میں کوئی ایسی ادا یا حرکت خلاف طبع سرزد نہ ہوئی ہوگی؟ تجربہ اور عرف عام گواہ ہے۔ کہ خانہ نشین ہم پہلو کج طبعی اور جہالت سے کیسے کیسے رنج دہ امور کے مصدر ہوا کرتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ ٹھنڈا دل اور بہشتی قلب قابل غور ہے۔ جسے اتنی مدت میں کسی قسم کی رنج اور تنغص عیش کی آگ کی آنچ تک نہ چھوئی ہو۔

"وہ کڑوا گوشت کا ٹکڑا جو تمام زہروں کا مخزن اور ہر قسم کے غل اور حسد اور کینہ اور عداوت کا منشاء ہے۔ اور جو اس عالم میں دوزخ در بغل ہے۔ اگر کسی شخص سے قطعاً" مسلوب نہ ہو چکا ہو۔ اور خدائے قدوس کے دست خاص نے اس کا تزکیہ اور تطہیر اور شرح صدر نہ کیا ہو۔ تو خیال میں آسکتا ہے۔ کہ اس پر پیچ و تاب اور آتشناک زندگی میں ایسے سکون اور وقار اور جمیعت سے زندگی بسر کر سکے؟

"ایک ہی خطرناک اور قابل اصلاح عیب ہے۔ جو سارے اندرونی فتنوں کی جڑ ہے۔ وہ کیا؟ بات بات پر نکتہ چینی اور چڑ۔ اور یہ عیب ایسے منقبض اور تنگ دل کی خبر دیتا ہے۔ کہ جس کی نسبت بآسانی فیصلہ کر سکتے

ہیں۔ کہ وہ اس عالم میں دم نقد دوزخ میں ہیں۔

"دس برس سے میں بڑی غور اور نکتہ چینی کی نگاہ سے ملاحظہ کرتا رہا ہوں۔ اور پوری بصیرت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ حضرت اقدس کی جبلّت پاک میں شیطان کے اس مس کا کوئی بھی حصہ نہیں۔ میں خود اپنے اوپر اور اکثر افراد پر قیاس کرکے کہہ سکتا ہوں۔ کہ یہی اعتراض اور نکتہ چینی اور حرف گیری اور بات بات میں چڑ چڑاپن کی فطرت ہے۔ جس نے بہتوں کے آرام اور عیش کو مکدر کر رکھا ہے۔ اور ہر ایک شخص جس کی ایسی طبیعت ہے۔ (اور قلیل اور بہت ہی قلیل ہیں جو اس عیب سے منزّہ ہیں) اس کھا جانے والی آگ کے فوری اثر کو محسوس کرتا اور گواہی دے سکتا ہے۔ کہ بالآخر یہی فطرت ہے۔ جو تمام اخلاقی مفاسد کی اصل اصول ہے۔ اور اس سے زیادہ خدا اور مخلوق کے حقوق کی تباہی کی بنیاد باندھنے والی کوئی شے نہیں اور بالآخر یہی تلخی آفریں طبیعت ہے۔ جس نے اس عالم کو دارالکدورت اور بیت الحزن بنا رکھا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی کتاب حکیم نے جہاں چاہا ہے۔ کہ اس دوسرے عالم کا دارالسلام اور بیت السرور ہونا ثابت کرے اور اس کی قابل رشک خوشیوں اور راحتوں کا نقشہ بالمقابل اس عالم کے دکھائے۔ ان الفاظ سے بہتر تجویز نہیں فرمائے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ۔ یعنی بہشت میں وہ قوت ہی انسانوں کے سینہ سے ہی نکال ڈالی جائے گی۔ جو عداوتوں اور کینوں اور ہر قسم کے تفرقوں کی موجب ہوتی ہے۔ جس شخص میں اس وقت وہ موجود نہ ہو ہم صاف کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ اسی عالم میں بہشت بریں کے اندر ہے۔ اور چونکہ یہ قوت ایک چشمہ کی طرح ہے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے۔ کہ اور اخلاق کس پایہ اور کمال کے ہونگے۔

"اس بات کو اندرون خانہ کی خدمت گار عورتیں جو عوام الناس سے ہیں۔ اور فطری سادگی اور انسانی جامہ کے سوا کوئی تکلف اور تصنع کی زیری اور استنباطی قوت نہیں رکھتیں۔ بہت عمدہ طرح محسوس کرتی ہیں۔ وہ تعجب سے دیکھتی ہیں۔ اور زمانہ اور اپنے اور اپنے گردو پیش کے عام عرف اور برتاؤ کے بالکل برخلاف دیکھ کر بڑے تعجب سے کہتی ہیں۔ اور میں نے بارہا انہیں خود حیرت سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ 'مرجا بیوی دی گل بڑی مندا ہے' ۔ ایک دن خود حضرت فرماتے تھے۔ کہ 'فحشاء کے سوا باقی تمام کج خلقیاں اور تلخیاں عورتوں کی برداشت کرنی چاہئیں '۔ اور فرمایا 'ہمیں تو کمال بے شرمی معلوم ہوتی ہے۔ کہ مرد ہو کر عورت سے جنگ کریں۔ ہم کو خدا نے مرد بنایا۔ اور یہ درحقیقت ہم پر اتمام نعمت ہے۔ اس کا شکریہ یہ ہے۔ کہ عورتوں سے لطف اور نرمی کا برتاؤ کریں'۔

"ایک دفعہ ایک دوست کی درشت مزاجی اور بدزبانی کا ذکر ہوا۔ کہ وہ اپنی بیوی سے سختی سے پیش آتا ہے۔ حضرت اس بات سے بہت کشیدہ خاطر ہوئے۔ اور فرمایا 'ہمارے احباب کو ایسا نہ ہونا چاہئے'۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ "اس بدمزاج دوست کا واقعہ سنکر آپ معاشرت نسواں کے بارے میں دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ اور آخر میں فرمایا۔ 'میرا یہ حال ہے۔ کہ ایک دفعہ میں نے اپنے بیوی پر آوازہ کسا تھا۔ اور میں محسوس کرتا تھا۔ کہ وہ بانگ بلند دل کے رنج سے ملی ہوئی ہے۔ اور بااین ہمہ کوئی دل آزار اور درشت کلمہ منہ سے نہیں نکالا تھا۔ اس کے بعد میں بہت دیر تک استغفار کرتا رہا۔ اور بڑے خشوع و خضوع سے نفلیں پڑھیں اور کچھ صدقہ بھی دیا۔ کہ یہ درشتی زوجہ پر کسی پنہانی معصیت الٰہی کا نتیجہ ہے'۔

"مجھے اس بات کے سننے سے اپنے حال اور معرفت اور عمل کا خیال

کرکے کس قدر شرم اور ندامت حاصل ہوئی۔ بجز خدا کے کوئی جان نہیں سکتا۔ میری روح میں اس وقت میخ فولادی کی طرح یہ بات جاگزیں ہوئی۔ کہ یہ غیر معمولی تقویٰ اور خشیتہ اللہ اور دقایق تقویٰ کی رعائیت معمولی انسان کا کام نہیں۔ ورنہ میں اور میرے امثال سینکڑوں اسلام اور اتباع سنت کے دعویٰ میں کم لاف زنی نہیں کیا کرتے۔ اور اس میں شک نہیں کہ متعمد بے باک اور حدود الہیہ سے متکبرانہ تجاوز کرنے والے بھی نہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ یہ قوت قدسیہ اور تیز شامہ ہمیں نہیں ملی یا اور عوارض کے سبب سے کمزور ہو گئی ہے۔ ہم بڑی سے بڑی سعادت اور اتقا اس میں سمجھتے ہیں۔ کہ موٹے موٹے گناہوں اور معاصی سے بچ رہیں اور بڑے ہی بیّن اور مرئی گناہوں کے سوا دقایق معاصی اور مشتبہات کی طرف ہم التفات نہیں کرتے۔ یہ خوردبین کامل ایمان اور کامل عرفان اور کامل تقویٰ سے ملتی ہے۔ جو حضرت اقدس امام الزمان علیہ السلام کو عطا ہوئی ہے۔ اور میں نے اس وقت لسان اور جنان کے سچے اتفاق سے کہا۔ اور تسلیم کیا۔ کہ اگر اور ہزاروں باہرہ حجتیں آپ کے منجانب اللہ ہونے پر جو آفتاب سے زیادہ درخشاں ہیں نہ بھی ہوتیں جب بھی یہی ایک بات کہ غیر معمولی تقویٰ اور خشیت اللہ آپ میں ہے کافی دلیل تھی۔

"بڑے بڑے مرتاض صوفیوں اور دنیا و مافیہا سے دل برداشتگی اور واسوختگی کے اشعار ورد زبان رکھنے والے زاہدوں اور بڑے بڑے اتباع کے مدعیوں اور علماء رسوم کو دیکھا گیا ہے۔ کہ جلوت میں ابنائے دنیا کے حضور گربہ مسکین کی طرح بیٹھتے ہیں۔ اور ہر ایک دقیقہ کے بعد سر اٹھا کر اور سینہ ابھار کر ایک آہ سرد بھر دیتے ہیں۔ اور مشتاقان سخن کے انتظار شدید کے بعد بھی زبان پاک کو کلام سے اگرچہ موزوں اور برمحل کیوں نہ ہو۔ آلودہ نہیں کرتے۔ گھر میں بدمزاج اور گرگ و پلنگ ہیں۔

"ہندوستان میں ایک نامی گرامی سجادہ نشین ہیں۔ لاکھ سے زیادہ ان کے مرید ہیں۔ اور خدا کے قرب کا انہیں دعویٰ بھی بڑا ہے۔ ان کے بہت ہی قریب متعلقین سے ایک نیک بخت عورت کو کچھ مدت سے ہمارے حضرت کے اندرون خانہ میں رہنے کا شرف حاصل ہے۔ وہ حضرت اقدس کے گھر میں فرشتوں کی طرح رہنا نہ کسی سے نوک ٹوک نہ چھیڑ چھاڑ جو کچھ کہا گیا۔ اس طرح مانتے ہیں۔ جیسے ایک واجب الاطاعت مطاع کے امر سے انحراف نہیں کیا جاتا۔ ان باتوں کو دیکھ کر وہ حیران ہو ہو جاتیں۔ اور بارہا تعجب سے کہہ چکی ہیں۔ کہ ہمارے حضرت شاہ صاحب کا حال تو سراسر اس کے خلاف ہے۔ وہ جب باہر سے زنانہ میں آتے ہیں۔ ایک ہنگامہ رستخیز برپا ہو جاتا ہے۔ اس لڑکے کو گھور اس خادمہ سے خفا اس بچہ کو مار بیوی سے تکرار ہو رہی ہے۔ کہ نمک کھانے میں کیوں زیادہ یا کم ہو گیا۔ یہ برتن یہاں کیوں رکھا ہے۔ اور وہ چیز وہاں کیوں دھری ہے۔ تم کیسی پھوہڑ بدمذاق اور بے سلیقہ عورت ہو۔ اور کبھی جو کھانا طبع عالی کے حسب پسند نہ ہو۔ تو آگے کے برتن کو دیوار سے پٹخ دیتے ہیں۔ اور بس ایک کہرام گھر میں مچ جاتا ہے۔ عورتیں بلک بلک کر خدا سے دعا کرتی ہیں۔ کہ شاہ صاحب باہر ہی رونق افروز رہیں"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۱۱ تا ۱۸)

" اگر کبھی کوئی خاص فرمائش کی ہے۔ کہ وہ چیز ہمارے لئے تیار کردو۔ اور عین اس وقت کسی ضعف یا عارضہ کا مقتضاء تھا۔ کہ وہ چیز لازماً تیار ہی ہوتی اور اس کے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا۔ اور کبھی کبھی جو لکھنے یا توجہ الی اللہ سے نزول کیا ہے۔ تو یاد آگیا ہے۔ کہ کھانا کھانا ہے۔ اور منتظر ہیں۔ کہ وہ چیز آتی ہے۔ آخر وقت اس کھانے کا گزر گیا۔ اور شام کے کھانے کا وقت آگیا ہے۔ اس پر بھی کوئی گرفت نہیں۔ اور جو نرمی سے

پوچھا ہے۔ اور عذر کیا گیا ہے کہ دھیان نہیں رہا تو مسکرا کر الگ ہو گئے۔
اللہ اللہ ادنیٰ خدمت گار اور اندر کی عورتیں جو کچھ چاہتی ہیں۔ پکاتی کھاتی ہیں۔ اور ایسا تصرف ہے۔ کہ گویا اپنا ہی گھر اور اثاث البیت ہے۔ اور حضرت کے کھانے کے متعلق کبھی ذہول اور تغافل بھی ہو جائے۔ تو کوئی گرفت نہیں۔ کبھی نرم لفظوں میں بھی یہ نہ کہا۔ کہ دیکھو یہ کیا حال ہے۔ تمہیں خوف خدا کرنا چاہئے۔ یہ باتیں ہیں جو یقین دلاتی ہیں کہ سرور عالم ﷺ کا فرمانا سچ ہے۔ کہ میں اپنے رب کے ہاں سے کھاتا اور پیتا ہوں۔ اور حضرت امام علیہ السلام بھی فرماتے ہیں۔

من می زیم بوحی خدائے کہ بامن ست پیغام اوست چوں نفس روح پرورم

"حقیقت میں اگر یہ سچ نہ ہو تو کون تاب لا سکتا ہے۔ اور ان فوق العادت فطرت رکھنے والے انسانوں کے سوا کس کا دل گردہ ہے۔ کہ ایسے حالات پر قناعت کر سکے۔"

(سیرت مسیح موعود صفحہ ۲۹۔۳۰ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ)

"حضرت کی زوجہ محترمہ آپ سے بیعت ہیں۔ اور آپ کے منجانب اللہ ہونے پر صدق دل سے ایمان رکھتی ہیں۔ سخت سے سخت بیماریوں اور اضطراب کے وقتوں میں جیسا اعتماد انہیں حضرت کی دعا پر ہے۔ کسی چیز پر نہیں۔ وہ ہر بات میں حضرت کو صادق اور مصدوق مانتی ہیں۔ جیسے کوئی جلیل سے جلیل اصحابی مانتا ہے۔ ان کے کامل ایمان اور راسخ اعتقاد کا ایک بین ثبوت سنئے عورتوں کی فطرت میں سوت کا کیسا برا تصور ودیعت کیا گیا ہے۔ کوئی بھیانک قابل نفرت چیز عورت کے لئے سوت سے زیادہ نہیں۔ عربی میں سوت کو ضرہ کہتے ہیں۔ حضرت کی اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لئے جو ایک نکاح کے متعلق ہے۔ اور جس کا ایک حصہ خدا کے فضل سے پورا ہو چکا ہے۔ اور دوسرا دور نہیں (خدا تعالیٰ نے اس حصہ کو

دوسرے رنگ میں پورا کر دیا۔ عرفانی) کہ خدا کے بندوں کو خوش کرے۔ حضرت کی بیوی صاحبہ مکرمہ نے بارہا رو رو کر دعائیں کی ہیں۔ اور بارہا خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا ہے۔ کہ گو میری زنانہ فطرت کراہت کرتی ہے۔ مگر صدق دل اور شرح صدر سے چاہتی ہوں۔ کہ خدا کے منہ کی باتیں پوری ہوں۔ اور ان سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور جھوٹ کا زوال و ابطال ہو۔ ایک روز دعا مانگ رہی تھیں حضرت نے پوچھا آپ کیا دعا مانگتی ہیں۔ آپ نے بات سنائی کہ یہ مانگ رہی ہوں۔ حضرت نے فرمایا سوت کا آنا تمہیں کیونکر پسند ہے۔ آپ نے فرمایا کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ مجھے اس کا پاس ہے کہ آپ کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں پوری ہو جائیں۔ خواہ میں ہلاک کیوں نہ ہو جاؤں۔ برادران یہ ایمان تو میں مسلمانوں کے مردوں میں بھی نہیں دیکھتا۔ کیا ہی مبارک ہے۔ وہ مرد اور مبارک ہے وہ عورت جن کا تعلق باہم ایسا سچا اور مصفا ہے۔ اور کیا بہشت کا نمونہ وہ گھر ہے۔ جس کا ایسا مالک اور ایسے اہل بیت ہیں۔ میرا اعتقاد ہے۔ کہ شوہر کے نیک و بد اور اس کے مکار اور فریبی یا راستباز اور متقی ہونے سے عورت خوب آگاہ ہوتی ہے۔ حقیقت میں ایسے خلا ملا کے رفیق سے کونسی بات مخفی رہ سکتی ہے۔ میں ہمیشہ سے رسول کریم ﷺ کی نبوت کی بڑی محکم دلیل سمجھا اور مانا کرتا ہوں۔ آپ کے ہم عمر اور محرم راز دوستوں اور ازدواج مطہرات کے آپ پر صدق دل سے ایمان لانے اور اس پر آپ کی زندگی میں اور موت کے بعد پورے ثبات اور وفاداری سے قائم رہنے کو صحابہ کو ایسی شامہ اور کامل زیرکی بخشی گئی تھی۔ کہ وہ اس محمدؐ میں جو اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہتا اور اس محمد ﷺ میں جو اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا کہتا۔ صاف تمیز کرتے۔ وہ بعض اخوان الصفا اور آپ کی بیبیاں جیسے اس محمدؐ سے جو بشر محض ہے۔ ایک وقت انبساط اور

بے تکلفی سے گفتگو کرتے اور کبھی کبھی معمولی کاروبار کے معاملات میں پس و پیش اور رود قدح بھی کرتے ہیں۔ ایک وقت ایسے اختلاط اور موانست کی باتیں کر رہی ہیں۔ کہ کوئی حجاب حشمت اور پردہ تکلف درمیان نہیں وہی دوسرے وقت محمد رسول اللہ ﷺ کے مقابل یوں سرنگوں اور متادب بیٹھے ہیں۔ گویا ٹھے ہیں۔ جن پر پرندے بھی بیباکی سے گھونسلا بنا لیتے ہیں۔ اور تقدم اور رفع صوت کو آپ کے حضور میں حبط اعمال کا موجب جانتے ہیں اور ایسے مطیع و منقاد ہیں۔ کہ اپنا ارادہ اور اپنا علم اور اپنی رسم اور اپنی ہوا امر رسول کے مقابل یوں ترک کر دیتے ہیں۔ گویا وہ بے عقل اور بے ارادہ کٹھ پتلیاں ہیں۔ ایسی مخلصانہ اطاعت اور خودی اور خود رائی کی کینچلی سے صاف نکل آنا ممکن نہیں۔ جب تک دلوں کو کسی کے سچے بے ریا اور منجانب اللہ زندگی کا زندہ یقین پیدا نہ ہو جائے۔ اسی طرح میں دیکھتا ہوں۔ حضرت اقدس کو آپ کی بی بی صاحبہ صدق دل سے مسیح موعود مانتی ہیں۔ اور آپ کی تبشیرات سے خوش ہوتی اور انذارات سے ڈرتی ہیں۔ غرض اس برگزیدہ ساتھی کو برگزیدہ خدا سے سچا تعلق اور پورا اتفاق ہے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۳۱۔۳۲)

حسن معاشرت کا نتیجہ

اس حسن معاشرت کے اثر اور نتیجہ کے اظہار کے لئے سیرۃ ام المومنین میں بہترین مقام ہو سکتا ہے۔ مختصراً ان الفاظ پر غور کرو۔ جو حضرت ام المومنین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر فرمائے۔ اور میں نے اپنے کانوں سے سنے۔ اور خدا کے فضل سے سب سے اول انکی اشاعت کی۔ جب حضرت مسیح موعودؑ کا جسد مبارک لاہور سے لاکر باغ میں رکھا ہوا تھا۔ خاکسار عرفانی بعض دوسرے دوستوں (سیکھواں والے بھائی) کے ساتھ جنازہ کی حفاظت پر مامور تھا۔ حضرت ام المومنین تشریف لائیں اور

فرمایا۔ تُو نبیوں کا چاند تھا تیرے ذریعہ میرے گھر میں فرشتے اترتے تھے اور خدا کلام کرتا تھا اس وقت کو دیکھو اور غور کرو۔ کہ ایسے حالات میں تصنع اور بناوٹ نہیں رہ سکتی۔ اس فقرہ سے نمایاں ہے کہ حضرت مسیح موعود اپنے اہل بیت سے کس طرح معاشرت کرتے تھے اور آپ کے دعاوی کی صداقت کس طرح حضرت ام المومنین کے دل میں جاگزیں تھی۔

حضرت ام المومنین (مَتَّعْنَا اللّٰہُ بِطُوْلِ حَیَاتِھَا آمین) کی خاطرداری حضور کو بہت منظور تھی اور اس کی وجہ وہی ہے۔ جو حضور نے خود بیان فرمائی۔ کہ وہ انکو شعائر اللہ میں سے سمجھتے تھے۔ حضرت ام المومنین بھی آپ کی راہ میں بہ حیثیت خدا تعالیٰ کے مرسل و مہدی ہونے کے فدا تھیں۔ اور ہر قسم کی مالی قربانیوں کے لئے آمادہ رہتی تھیں۔ جب حضرت مسیح موعود کو سلسلہ کے اغراض و مقاصد کے لئے ضرورت ہوئی تو حضرت ام المومنین نے اپنے مال کو آپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اور حضرت مسیح موعود نے حج کا ارادہ فرمایا ہوا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی مشیت نے آپ کو فرصت نہ دی۔ حضرت ام المومنین نے اپنے پاس سے روپیہ دیکر حج بدل کے لئے ایک آدمی کو بھیجا۔ اور حضرت کے وصال کے بعد حج کرایا۔

ایک مرتبہ سیڑھی جو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب والے مکان کی دیوار کے ساتھ تھی۔ اس کی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور اسے اس بالاخانہ کی دیوار کے ساتھ رکھنا تھا۔ جس میں مولوی محمد علی صاحب رہتے تھے۔ اور نیچے مولوی سید محمد احسن صاحب رہتے تھے۔ مولوی محمد احسن صاحب وہاں رکھنے کے مخالف تھے۔ کہ میرے حجرہ کو اندھیرا ہو جائے گا۔ اور حضرت ام المومنین کا حکم تھا۔ کہ وہاں رکھی جاوے۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب قبلہ نانا جان رضی اللہ عنہ یہ انتظام کر رہے تھے۔ اور ان کو اس کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔ آخر انکے مزاج میں گرمی تھی۔ اور جہیر الصوت تھے۔ انہوں نے زور زور سے بولنا شروع کیا۔ اور اس وقت مولوی سید محمد احسن صاحب کو کہہ رہے تھے۔ کہ یہ سیڑھی یہاں ہی رہے گی۔ وہ

بھی اونچی آواز سے انکار اور تکرار کر رہے تھے۔ حضرت صاحب باہر تشریف لے آئے اور پوچھا کیا ہے؟ میر صاحب نے کہا مجھ کو اندر سیدانی (مراد ام المومنین) آرام نہیں لینے دیتی۔ اور باہر سید سے پالا پڑ گیا ہے۔ نہ یہ مانتے ہیں نہ وہ مانتی ہیں۔ میں کیا کروں۔

حضرت مسیح موعود نے مسکرا کر فرمایا۔ مولوی صاحب آپ کیوں جھگڑتے ہیں۔ میر صاحب کو جو حکم دیا گیا ہے انکو کرنے دیجئے۔ روشنی کا انتظام کر دیا جاوے گا۔ آپ کو تکلیف نہیں ہوگی۔

اور اس طرح پر حضرت ام المومنین کے ارشاد کی تعمیل ہوگئی۔ غرض کبھی اور کوئی موقعہ ایسا نہیں آیا۔ کہ آپ نے حضرت ام المومنین کی کبھی دل شکنی کی ہو۔ آخری سفر جو حضور نے لاہور کا فرمایا۔ اور جس میں حضور کا وصال ہو گیا۔ وہ بھی حضرت ام المومنین ہی کی خاطر کیا گیا تھا۔ کیونکہ حضرت سیدہ کی طبیعت ناساز تھی۔ اور علاج کے لئے لاہور ہی کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اور آخر یہ سفر سفر آخرت ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مساوات و مواسات

خدا تعالیٰ کے نبیوں کا یہ بھی ایک خاصہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق میں کسی قسم کا امتیاز ہمدردی عامہ کے سلسلہ میں روا نہیں رکھتے۔ اور انسانیت کے شرف کو کچلتے نہیں۔ بلکہ اسے قائم کرتے ہیں۔ انکی نظر میں رنگ اور ذات اور ملک و قوم کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ رحمۃ للعالمین ہوتے ہیں اس لئے کہ رب العالمین کی طرف سے مبعوث ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل درست ہوتا ہے۔ کہ ان کے ہاں کوئی جغرافیہ نہیں ہوتا۔ ہر ملک اور ہر بستی و ہر قوم کے لوگ یکساں ہوتے ہیں۔ اور نہ مال اور نسب یا کسی اور وجہ سے کوئی امتیاز کرتے ہیں۔ جو چیز انکی نظر میں کسی کو ممتاز بناتی ہے۔ وہ وہی ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے باعث امتیاز قرار دی ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی مکرم و معظم ہے۔ جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ محض وہ علوم و فنون میں کمال اور قابلیت کو باعث تکریم نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس قسم کے بتوں کو لوگوں کے دلوں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علم کی حقیقت اور اس کا معیار ایک شعر میں بیان کر دیا ہے۔

علم آں بود کہ نور فراست رفیق اوست

ایں علم تیرہ را بہ پشیزے نمے خرم

غرض انبیاء کی بعثت کی یہ بھی ایک غرض ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اخلاص اور وفا کے سبق پڑھا کر مساوات کی سطح پر لے آئیں۔ اور ان لوگوں کو جو دنیا کے عرفی امتیازات کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں چھوٹے اور ذلیل ہوتے ہیں۔ اٹھا کر معزز اور بڑے بنا دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت میں جب ہم اس پہلو سے غور کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ قوم کی تربیت اسی اصول پر کرنے میں پورے کامیاب ہوئے۔ اور ماوتو کے امتیازات اٹھا کر ایک وحدت آپ نے پیدا کر دی۔ آپ کی تعلیمات میں تو اس کے متعلق بہت سی تصریحات آئی ہیں۔ اور مختلف موقعوں پر آپ نے اپنے خدام کو اس کی طرف متوجہ کیا۔ مگر سب سے بڑھ کر جو بات تھی وہ آپ نے اپنی عملی زندگی میں اس اصول کو دکھایا۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مساوات کی ایک لہر جماعت میں پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنے اثرات کو اس قدر وسیع کر رہی ہے۔ کہ ہندوستان کے وہ مسلمان جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی نادانی سے مخالفت کرتے تھے۔ اس ضرورت کا احساس کر رہے ہیں۔ اور تنظیم کے نام سے مساوات عامہ کی تبلیغ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ان واقعات کو دکھاتا ہوں۔ جو عملی مساوات کا سبق دینے والے تھے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے

یا اپنے برابر نہ جاننے کے لئے جو عملی صورتیں اس وقت مروج ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ کہ ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست۔ طریق تخاطب و کلام اور باہم خورد و نوش اور باہم رشتہ داری کے معاملات میں مساوات کا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ مثلاً کھانا کھانے بیٹھتے ہیں۔ تو جس شخص کو حقیر یا چھوٹا سمجھتے ہیں۔ اس کو اپنے ساتھ بٹھانے سے مضائقہ کریں گے۔ اور جب اس کو پکاریں گے۔ تو کسی عزت کے کلمہ سے خطاب نہ کریں گے۔ بلکہ او۔ تو۔ وغیرہ کے کلمات استعمال کریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے طرز عمل سے بتایا کہ یہ باتیں فضول ہیں۔ اور آپ نے کبھی اور کسی حال میں اس قسم کے برتاؤ کو جائز نہ سمجھا۔

کھانا کھاتے وقت کوئی امتیاز نہ کرتے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جب تک یہ معمول تھا۔ کہ آپ باہر اپنے دوستوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے کبھی آپ نے یہ امتیاز نہ کیا کہ کون آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اور نہ کسی کو محض اس وجہ سے اٹھانے کو جائز سمجھا کہ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ یا وہ ان پڑھ زمیندار یا کسی اور قوم کا آدمی ہے۔ آپ کے دستر خوان پر ہر شخص آزادی کے ساتھ جہاں چاہتا بیٹھ جاتا۔ ایک شخص خاکی شاہ نام راہوں کا رہنے والا ایک وقت یہاں رہا کرتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ جب کھانا لایا جاتا وہ کود کر حضرت کے قریب جا بیٹھتا۔ میں نے دیکھا کہ اگر وہاں جگہ تنگ ہے تو حضرت خود ایک طرف کو کھل کر بیٹھ جاتے۔ اور اس کو جگہ دے دیتے۔ وہ ایک معمولی آدمی تھا۔ دنیا کے عرف کے لحاظ سے اپنی قوم یا شہر میں کوئی امتیازی درجہ اس کو حاصل نہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دن بھی یہ نہ کہا۔ کہ تم یہ کیا کرتے ہو۔ گو بعض لوگ اس کی اس حرکت کو ناپسند کرتے مگر حضرت نے کبھی اس کو ناپسند نہ فرمایا۔

جب کبھی آپ باہر جاتے تو آپ کے خدام جو ساتھ ہوتے۔ انکو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھانا کھاتے اور یہ پسند ہی نہ کرتے کہ وہ الگ کھائیں۔ میرے محترم

بھائی حضرت منشی عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مجھے ہوشیار پور کا ایک واقعہ سنایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور نے اپنے صاحبزادہ کی شادی پر مدعو فرمایا اس سفر میں آپ کے ساتھ میر عباس علی لودہانوی حافظ حامد علی صاحب اور خود منشی صاحب موصوف حضور کے ہمراہ تھے۔ شیخ مہر علی صاحب نے عرف عام کے موافق یہ انتظام کیا ہوا تھا۔ کہ رؤسا کے لئے کھانے کا الگ انتظام تھا۔ یعنی ان کے لئے ایک خاص کمرہ رکھا ہوا تھا۔ جہاں تمام بڑے بڑے رئیس کھانا کھاتے تھے۔ اور ان کے خدام اور نوکروں کے واسطے ایک جدا مکان تھا۔ یعنی کھانے کے انتظام پر وہ اس قسم کا امتیاز کرتے تھے۔ اور اس کو ہتک سمجھتے تھے کہ رئیسوں کے ساتھ ان کے نوکر بیٹھ کر کھانا کھاویں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ کا معمول یہ تھا۔ کہ جب کھانے کے لئے آپ تشریف لے جاتے اور اس خاص کمرے کے دروازہ پر جاتے۔ تو آپ باہر کھڑے ہو جاتے۔ اور اپنے ہر سہ رفقا کو خود اپنے سے پہلے داخل فرماتے۔ اور جب تک وہ داخل نہ ہولیں باہر کھڑے رہتے۔ اور پھر دستر خوان پر انکو اپنے دائیں بائیں بٹھا کر آپ درمیان میں تشریف رکھتے۔ تاکہ انکو کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور وہ آزادی اور بے تکلفی سے کھانا کھالیں۔ یہ قابل غور امر ہے ایسے موقعہ پر بالطبع انسان اپنے شرف اور رتبہ کے اظہار کا خواہش مند ہوتا ہے اور وہ اپنے عمل سے طرز کلام سے دوسروں پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اور دوسرے اس کے نوکر اور غلام ہیں۔ یہ آج کی بات نہیں۔ بلکہ آج سے قریباً چالیس بیالیس برس پیشتر کا واقعہ ہے جبکہ اس قسم کے عرفی امتیازات پر لوگ مرتے تھے۔ اور پرانے فیشن کے لوگ تو اب تک بھی اس کے دلدادہ اور گرویدہ ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تقریب پر جبکہ پنجاب کے قریباً تمام بڑے بڑے رئیس اور اہلکار موجود تھے۔ اپنے طرز عمل سے

مساوات کا سبق دیا

اور بتایا کہ انسانیت کے شرف کو قائم رکھنے کے لئے اس قسم کے امتیازات کو مٹا دینا چاہئے۔ یہ نظیر اگر پائی جاتی ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں کہ آپ نے اسود و احمر کے سوال کو اڑا دیا۔ چھوٹے اور بڑے کے امتیاز آقا اور نوکر کے تفرقہ کو مٹا کر سب کو

بھائی بھائی بنا دیا

آنحضرت ﷺ کے بعد پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انسانیت کے گم شدہ شرف کو قائم کیا۔ اور امتیاز ذات و قوم کو اٹھا کر صرف مسلمان کے نام میں سب کو شریک کرکے ایک کر دیا۔

یہ تو آپ کے طرز عمل کا میں نے وہ واقعہ بیان کیا ہے۔ جہاں عادتاً لوگ اس قسم کی جرات کر ہی نہیں سکتے۔ اور وہ پسند ہی نہیں کرتے کہ کسی چھوٹے آدمی کو (بخیال خویش) اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائیں۔ یہاں قادیان میں تو آپ کا گھر تھا۔ اور کسی موقع کو بھی اس اخلاق فاضلہ کی تعلیم اور ترویج سے جانے نہ دیتے تھے۔

خواجہ صاحب کو دال ملی اور ہماری شکایت ہوئی

ایک موقعہ پر جب کہ سالانہ جلسہ تھا۔ خاکسار عرفانی اور مفتی فضل الرحمان صاحب مہمانوں کے کھانے وغیرہ کے انتظام کے لئے مقرر ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف الفاظ میں ہدایت فرمائی۔ کہ سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ اور تمام کو ایک ہی قسم کا کھانا دیا جاوے۔ انتظام کے ماتحت ایک وقت دال پکی تھی۔ اور سب مہمانوں کو دال ہی پیش کی گئی۔ خواجہ کمال الدین صاحب (آہ جو معلوم کرکے سب کچھ محروم ہو گئے ہیں۔ عرفانی) مرغن پلاؤ اور گوشت کھانے کے شوقین تھے۔ ان کو بھی حسب معمول دال ہی پیش کی گئی۔ مولوی محمد علی صاحب کی نظر میں ہمارا یہ جرم ناقابل عفو تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور مفتی فضل

الرحمان کی شکایت ہوئی۔ کہ انہوں نے خواجہ صاحب کو دال دی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حقیقت معلوم تھی آپ نے فرمایا۔ کہ میرے حکم سے ایسا ہوا ہے۔ اور سب کو دال دی گئی ہے۔

ایسا ہی ایک دوسرے موقعہ پر حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب والے مکان میں کھانے کا انتظام ہم کر رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اوپر سے خود نگرانی فرماتے تھے۔ جناب مولوی غلام حسن صاحب پشاوری (جو حضرت صاحبزادہ صاحب کے خسر ہیں) کے لئے ہم نے چاہا کہ خاص انتظام کریں اور انکے لئے پلاؤ وغیرہ پکوانے کا انتظام کیا۔ اور حضرت کی خدمت میں اس رشتہ کے تعلق کی وجہ سے خاص انتظام کرنے کا باعث پیش کیا۔ مگر حضور نے پسند نہ فرمایا۔ کہ

اس وقت یہ نہایت نامناسب ہے وہ سب کی طرح مہمان ہیں
جو سب کو ملے گا وہی انکو دیا جائے گا

غرض کسی ایسے مرحلے اور موقعہ پر حضور ایسا امتیاز جائز نہ رکھتے۔ ہاں جب کبھی خاص طور پر کوئی شخص آتا۔ یعنی سالانہ جلسہ یا اور کسی ایسی ہی تقریب کے سوا آتا۔ تو حضرت انکی ضرورتوں کا خاص طور پر بھی لحاظ رکھتے۔ لیکن دستر خوان پر سب کو ایک ہی قسم کا کھانا ملتا۔ اگر فرق ہوتا تو صرف ایسا کہ مثلاً ایک شخص صرف چاول کھاتا ہے۔ اور روٹی کھانے کا عادی نہیں۔ تو اس کے لئے چاول ہی آتے۔ اس امر کا حضرت مسیح موعود خاص طور پر التزام فرماتے۔ اور لحاظ رکھتے جیسا کہ میں اکرام ضیف کے باب میں بیان کر آیا ہوں۔ ایسے امتیازات جو دوسروں کی حقارت یا دلشکنی کا موجب ہوں۔ یا اصول مساوات کے خلاف ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام سلوک میں کبھی جائز نہ سمجھتے تھے۔ اور نہ آپ نے انکو رائج ہونے دیا۔

طریق خطاب میں احترام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ عام طریق خطاب تھا۔ کہ کبھی کسی کو "تو" یا "او" کے لفظ سے نہیں پکارتے تھے۔ میں نے ہمیشہ اس امر کو غور سے مطالعہ کیا۔ اور میں نے

دیکھا۔ کہ یہ آپ سے گویا فطرتاً سرزد ہوتا ہے۔ کہ دوسروں کو عزت واحترام سے پکاریں۔ حضرت مخدوم الملت رضی اللہ عنہ اپنے تجربہ کی بنا پر فرماتے ہیں۔

"آپ اپنے خدام کو بڑے ادب اور احترام سے پکارتے ہیں۔ اور حاضرو غائب ہر ایک کا نام ادب سے لیتے ہیں۔ میں نے بارہا سنا ہے اندر اپنی زوجہ محترمہ سے آپ گفتگو کر رہے ہیں۔ اور اس اثناء میں کسی خادم کا نام زبان پر آگیا ہے۔ تو بڑے ادب سے لیا ہے جیسے سامنے لیا کرتے ہیں۔ کبھی تو کر کے کسی کو خطاب نہیں کرتے۔ تحریروں میں جیسا آپ کا عام رویہ ہے۔ 'حضرت اخویم مولوی صاحب اور حضرت اخویم حبی فی اللہ مولوی صاحب' اسی طرح تقریر میں فرماتے ہیں۔

حضرت مولوی صاحب یوں فرماتے تھے۔ میں نے اکثر فقراء اور پیروں کو دیکھا ہے۔ وہ عار سمجھتے ہیں اور اپنے قد کی کاہش خیال کرتے ہیں۔ اگر مرید کو عزت سے یاد کریں۔ کیسر شاہ ایک رند بے باک فقیر تھا۔ اس کا بیٹا کوئی ۲۴۔۲۵ برس کی عمر کا تھا۔ سخت بیباک شراب خور اور تمام قسم کی منہیات کا مرتکب تھا۔ وہ سیالکوٹ میں آیا شیخ الہ داد صاحب مرحوم محافظ دفتر جو شہر میں معزز اور اپنی ظاہری وجاہت کے سبب مانے ہوئے تھے۔ بدقسمتی اور علم دین سے بے خبر ہونے کے سبب سے اس کے باپ کے مرید تھے۔ وہ لڑکا آپ کے مکان میں اترا میں نے خود دیکھا۔ کہ وہ شیخ صاحب سے جب مخاطب ہوتا۔ تو ان ہی لفظوں میں ہوتا۔ 'الہ دادا بھائی توں ایہہ کم کرناں'۔

"غرض بڑے بڑے شیخ اور پیر دیکھے گئے ہیں۔ انہیں ادب و احترام سے اپنے متوسلین کا نام لینا گویا بڑی بدکاری کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے۔ میں نے اتنے دراز عرصہ میں کبھی نہیں سنا کہ آپ نے مجلس میں کسی ایک کو بھی تو کر کے پکارا ہو۔ یا خطاب کیا ہو

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب ؓ صفحہ ۴۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس طرز عمل اور اسوہ حسنہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت مخدوم الملت رضی اللہ عنہ نے ایک نکتہ معرفت لکھا ہے۔ چونکہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ اور آپ کے شمائل واخلاق کو اسی نیت سے لکھ رہا ہوں کہ ہم میں عملی روح پیدا ہو کر ہم تزکیہ قلوب اور تہذیب نفس کی نعمت حاصل کر سکیں۔ اس لئے حضرت مخدوم الملت نے جو نکتہ معرفت عمل کے لئے لکھا ہے۔ اسے درج نہ کرنا اصل مقصد کو فوت کر دینا ہوگا۔

الطریقتہ کلہ ادب

"افسوس بہت سے ہنوز اس حقیقت سے غافل ہیں۔ کہ ادب کس قدر پاکیزگی اور طہارت دلوں میں پیدا کرتا اور اندر ہی اندر محبت کا بیج بو دیتا ہے۔ وہ اپنے نفسوں کو مغالطہ دیتے ہیں جب خیال کرتے ہیں یا منہ سے کہتے ہیں کہ وہ آپس میں بے تکلف دوست ہیں۔ اگر وہ پاک جماعت بننا چاہتے ہیں۔ اور مبارک دنوں کے امیدوار ہیں۔ تو آپس میں چھوٹے بڑے کا امتیاز اٹھا دیں۔ اور جات پات اور شریف و وضیع کے خیال کو پاؤں تلے مسل ڈالیں۔ اور ہر ایک سے روبرو ادب و احترام سے پیش آئیں اور غیبت میں ادب سے نام لیں۔ اور ذکر کریں اس وقت یوں ہوگا۔ کہ خداوند کریم وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ-الایتہ کا مصداق انہیں بنا دے گا۔ اور وہ دنیا کے لئے شہد اور مصلح ہونگے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب صفحہ ۴۳)

مریدین اور متوسلین سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ عمل اسی عہد اخوت کی بنا پر تھا۔ جس کا حضور نے شرائط بیعت میں اعلان فرمایا تھا۔ دوسرے پیروں کی طرح وہ مریدین کو اپنا زر خرید غلام نہیں سمجھتے تھے۔ اگرچہ ہر مرید آپ کی غلامی کو ہی عزت اور مایہ افتخار یقین کرتا ہے۔ مگر آپ اصول مساوات کو توڑنا پسند نہ فرماتے تھے اور شرف انسانیت کی گم شدہ متاع کو پھر واپس لانا چاہتے تھے۔ وہ لوگ جو آپ

کے تنخواہ دار ملازم اور نوکر تھے۔ ان کے ساتھ بھی آپ کا سلوک اسی قسم کا تھا۔ جیسا کہ میں مناسب مقامات پر اس کا ذکر کر آیا ہوں۔

رشتہ ناطہ میں بھی آپ نے امتیاز نہیں رکھا

تمدنی پہلو کے لحاظ سے رشتوں ناطوں کا بھی ایک معاملہ ہے اس موقعہ پر بھی انسان اپنی قوم کے تعصبات کو ترک نہیں کرتا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عملی طور پر اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادی کے رشتوں کے سلسلہ میں دکھا دیا کہ آپ صرف نسبی پابندیوں میں پھنسنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے ان تمام رشتوں میں اخلاص۔ صدق۔ نیکی اور تقویٰ کے امور کو ملحوظ خاطر رکھا۔ گو یہ امر دوسرا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان رشتوں میں عرفی شرافتوں اور بزرگیوں کو بھی جمع کر دیا۔ میرا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ حضور نے رشتوں ناطوں کو اپنی قوم مغل تک محدود نہ رکھا۔ اور ایک بھی رشتہ مغلوں میں نہ کیا۔ اس میں صرف آپ کو ذات پات کے بندھنوں کو کاٹنا مقصود تھا۔ اور جماعت میں مساوات کی ایک لہر پیدا کر دینا آپ کے زیر نظر تھا۔ اور جو تعلیم عملی رنگ میں دی جاوے وہ زیادہ موثر نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ بہ نسبت ایسی تعلیم کے جو محض تقریروں یا تحریروں کی حد سے آگے نہ جانے پاوے۔ حضور فرمایا کرتے تھے۔

از عمل ثابت کن آں نورے کہ درایمان تست
دل چو دردی یوسفے راراہ کنعاں را گزیں

خدا تعالیٰ کی مخلوق سے عام ہمدردی کا جذبہ

خدا تعالیٰ کے مامور و مرسلین کی بعثت کی غرض ہی اس کی مخلوق کی ہمدردی ہوتی ہے۔ اور وہ ہمدردی میں کچھ ایسے خمیر کئے جاتے ہیں کہ انہیں دوسروں کے لئے اپنی جان دے دینی آسان معلوم ہوتی ہے۔ اس ہمدردی کا پہلا اور آخری مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے دور افتادہ بندے اس سے عہد صلح باندھ کر حقیقی عبودیت کے مقام پر کھڑے ہو جاویں۔ اور ان میں

زندہ اور گناہ سوز ایمان پیدا ہو جاوے۔ آنحضرت ﷺ کی اسی فطرت اور روح ہمدردی کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ یعنی اے نبی کیا تو اپنے آپ کو (اس ہم و غم میں) ہلاک کرلے گا۔ کہ یہ لوگ مومن نہیں ہوتے۔ جس جس قدر انکی زندگی کا مطالعہ کریں گے ان کے ہر فعل اور قول میں انسانی ہمدردی کی روح موجود ہوگی۔ اور کسی وقت بھی وہ اس مقصد کو اپنے سامنے سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ اور اس راہ میں ہر دکھ اور ہر قربانی کو آسان سمجھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین لکھتے وقت اسی جوش اور جذبہ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

بدل دردے کہ دارم از برائے طالبان حق
نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم

اور آپ کی زندگی کے مختلف شعبوں اور شیون میں اسی جذبہ کا عملی اظہار نظر آتا ہے وہ اپنے سے سلوک کرتے ہیں تو اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ انکی بھلائی اور بہتری کے لئے۔ غیروں سے باوجود گالیاں سننے اور دکھ اور تکلیف پر تکلیف محسوس کرنے کے ان کے لئے دعائیں کرتے اور حتی الوسع اخلاقی اور مادی مدد سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ میں اسی سیرت میں دکھا آیا ہوں کہ جان ستاں دشمنوں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک کیسا کریمانہ اور ہمدردانہ تھا۔ وہ اپنے سخت سے سخت دشمنوں کو بھی ایسے وقت جبکہ انہیں انتقام لینے کا پورا موقع اور مقدرت حاصل تھی معاف کر دیتے تھے۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ پادری مارٹن کلارک جس نے اقدام قتل کا جھوٹا مقدمہ آپ پر دائر کیا تھا، کو باوجودیکہ عدالت نے کہا کہ آپ کو ان پر مقدمہ چلانے کا حق ہے معاف کر دیا۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (جو اسی مقدمہ میں خطرناک گواہ بن کر آیا تھا۔ اور حضرت کا جائز حق تھا کہ اسے رسوا اور ذلیل ہونے دیا جاتا) مگر اس حالت میں بھی حضور نے پسند نہ کیا۔ کہ اس پر سوالات جرح میں ایسے سوالات کئے جاویں۔ جن سے اس کی زندگی تلخ ہو جاوے۔ اس قسم کی متعدد

اور بیسیوں مثالیں ہیں۔ مختلف لکھنے والے انہیں جمع کر دیں گے۔

الختصر ان لوگوں کی ہمدردی ایک نمونہ اور اسوہ ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہمدردی عامہ کا سب سے بڑا اور عام مظاہرہ یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہر شخص کے لئے جو آپ کو لکھتا دعا کرتے۔ اور ان دعاؤں کے متعلق آپ کا جو معمول تھا۔ وہ حیرت انگیز تھا۔ چنانچہ حضور نے ۸۔۱۔۲۶ کو ایک مجلس میں بعض لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا۔

حضرت مسیح موعود کی ہمدردی دعا کے رنگ میں

"جو خط آتا ہے۔ میں اسے پڑھ کر اس وقت تک ہاتھ سے نہیں دیتا جب تک دعا نہ کر لوں۔ کہ شاید موقع نہ ملے یا یاد نہ رہے"۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس طرز عمل پر غور کرو۔ کہ حضور کی خدمت میں سینکڑوں خطوط آتے تھے۔ اور آپ جیسا کہ فرماتے ہیں کسی خط کو ہاتھ سے نہیں دیتے تھے۔ جب تک کہ اس کے متعلق دعا نہ کریں۔ غور کرو۔ کہ کس قدر موتیں یہ وجود ہر روز اپنے اوپر وارد کرتا ہوگا۔ اپنے کسی ذاتی فائدہ کے لئے نہیں کسی دنیوی متاع اور مقصد کے واسطے نہیں محض دوسروں کی بھلائی اور فلاح کے لئے یہ فطرت اور یہ سیرت کیا کسی ایسے شخص کو مل سکتی ہے۔ جو خدا کا مرسل نہ ہو۔

ہم جانتے ہیں اور خود ہمارے اعمال اس امر کی شہادت ہیں کہ بسا اوقات ہم دوسروں کے خطوط کے جواب تک بھی نہیں دیتے۔ مگر یہ کیسا دل اور کیسی روح ہے۔ کہ دوسروں کی ہمدردی میں اس قدر سوز اور قلق اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ دعاؤں کے متعلق حضور نے بارہا فرمایا کہ

"منگے سو مر رہے"

یعنی حالت دعا کو پیدا کرنے کے لئے موت کو اپنے اوپر وارد کرنا ہوتا ہے۔ جو دوسروں کے لئے دعا کا اس قدر جذبہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کی ہمدردی کا نقشہ

دکھانا قطعاً ناممکن ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عامہ ہمدردی کے دوسرے مناظر اور واقعات ہم نہ بھی پیش کریں تو صرف آپ کا یہ ارشاد اور آپ کا طرز عمل اس خصوص میں آپ کو لانظیر قرار دیتا ہے۔ ہمدردی کی یہ خصوصیت نہایت ہی اعلیٰ درجہ اور صفائی کامل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے وجود باجود میں پائی جاتی تھی۔ کیونکہ خداتعالیٰ نے آپ کو رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ اور پھر وہی جوہر آپ کے بروز اور ظل حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں نظر آتا ہے۔

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہمدردی جو عام نوع انسان سے ہی نہیں بلکہ خلق اللہ سے تھی۔ اس کے متعلق میں ایک اور پہلو سے روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ اور ہر قلب سلیم سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس پر غور کرے کہ

خلق اللہ کا یہ غمخوار کس بلند مقام پر کھڑا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی گوشہ نشینی کی محبت حضرت نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر تھی۔ آج سے قریباً ساٹھ سال پہلے کی حضرت کی مجھے ایک تحریر ملی ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کا خلاصہ اور مغز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے آنحضرت ﷺ کی سیرت کے متعلق سوال کیا ہے۔ تو اس عالمہ اور فقیہ خاتون نے کیا لطیف جواب فرمایا۔ کہ حضرتؐ کی سیرت قرآن کریم ہے حقیقت میں یہ بڑا پر معرفت اور بلیغ جواب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی تعلیم جس اعلیٰ اور اصفیٰ مقام پر واقع ہوئی ہے۔ اس کی وحی نازل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اسی شان اور مرتبہ کا قلب نہ ہو۔ یہ ایک نکتہ معرفت ہے۔ جس پر بہت کچھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تحریر جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ میں نے اس کو پڑھا تو اس لذت اور خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا۔ جو میرے دوران خون کے ساتھ تمام بدن میں پھیل گئی۔ اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ جب پڑھیں گے تو ایک تواجد کی کیفیت آپ کے اندر ضرور پیدا ہو جاوے گی کہنے کو یہ ایک فقرہ ہے۔ مگر اس کی

تفسیر اور شرح سینکڑوں نہیں ہزاروں صفحات لکھوانا چاہتی ہے۔ حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے کہ

اَلْمَسَاجِدُ مَکَانِیْ وَالصَّالِحُوْنَ اِخْوَانِیْ وَذِکْرُ اللّٰہِ مَالِیْ وَخَلْقُ اللّٰہِ عَیَالِیْ

میرا مکان مسجدیں ہیں اور صالحین میرے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر میرا مال و دولت ہے اس کی مخلوق میرا کنبہ ہے

دوستو! خدا کے لئے غور کرو۔ اور دنیا کے اس عظیم الشان وسیع الحوصلہ کا پتہ دو کہنے کو یہ چار فقرے ہیں۔ مگر ان کے اندر جس قدر معارف اور حقائق کا ذخیرہ ہے۔ میں یا آپ اس کا اندزہ نہیں کر سکتے۔

اس قلب کی وسعت حوصلگی کا اندزہ کرو جو کہتا ہے "خلق اللہ عیالی" دنیا کی ساری مخلوق کو جو اپنا کنبہ سمجھتا ہے۔ اس کی ہمدردی، رحم، چشم پوشی انکساری مروت کی کوئی حد بھی ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ ہے وہ رب العالمین ہے۔ اسی طرح پر وہ شخص جو حضرت مسیح موعود کی شان سے دنیا میں نازل ہوا۔ خلق اللہ کو اپنا عیال قرار دیتا ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کو فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اسی طرح احمد قادیانی اپنے قلب کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ اس چھوٹے سے سینہ میں کائنات عالم کے لئے ہمدردی کا دریا موجزن ہے۔

اس قدر وسعت قلب اور مواسات کا جذبہ کسی انسان میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ خدا کے اپنے ہاتھوں سے پاک و صاف نہ کیا گیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و رحمت عامہ کی تجلی ہر وقت اس پر سایہ فگن نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی ایک بھی مخلوق ایسی نہ تھی۔ جس سے مسیح موعود کو ہمدردی اور محبت نہ ہو۔ آج سے ساٹھ سال پیشتر جب انہوں نے اپنے قلب کا مطالعہ کر کے یہ فقرہ لکھا ہو گا۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ اسے اپنے مامور ہونے کا وہم بھی تھا۔ نہیں یہ وہی بات ہے جو حضرت ﷺ کو شرح

صدر کے متعلق پیش آئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شرح صدر کر دیا۔ اس میں کوئی بغض اور کینہ کسی سے باقی نہ رکھا گیا۔ یہ حضرت مسیح موعود کی اس وحی الٰہی کے ایک جزو کی تفسیر ہے۔ جو آپ کو دَنَا فَتَدَلّٰی کے الفاظ میں ہوئی

یہ کیفیت فَتَدَلّٰی کی ہے۔ دَنَا صعود تھا۔ یہ نزول ہے۔ یہ حالت اس وقت میسر آتی ہے۔ جب نفوس قدسیہ خدا تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے فیوض الٰہی کو جذب کر چکنے کے بعد مخلوق کی محبت تامہ کے باعث ان فیوض کو مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جو وَجَدَکَ ضَآلًّا فرمایا۔ اس کی حقیقت بھی یہی ہے۔

پس یہ فقرہ جو ساٹھ سال پہلے آپ نے اپنے قلب کی حالت کی بنا پر لکھا تھا۔ آج اس کی شرح کے لئے دفاتر کی ضرورت ہے۔ پھر انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے۔ کہ وہ دنیا کے مال و زر اور زخارف کو چاہتا ہے۔ اس فطرت کا نقشہ قرآن مجید کی اس آیت میں خوب بیان کیا ہے۔ جہاں فرمایا کہ لوگوں کی فطرت میں یہ بات خوش نما دکھائی گئی ہے کہ اموال اور عورتیں اور گھوڑے وغیرہ پسند کرتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام اور انکے رنگ میں رنگین لوگوں کی حالت اس سے بالکل الگ اور جدا ہوتی ہے حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں "ذِکۡرُ اللّٰہِ مَالِیۡ"۔ میرا مال و متاع اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ حقیقت میں جس قوم کو یہ تعلیم دی گئی ہے۔ کہ ذکر اللہ اکبر۔ دنیا کی تمام عظمتوں اور شوکتوں کے مقابلہ میں رفعت و عظمت اگر ہے تو وہ ذکر اللہ ہی کے لئے ہے۔ پھر اس فانی مال و دولت کے لئے خدا کے ہاتھ سے معطر اور مسموع کئے ہوئے قلوب کب اس کی طرف جا سکتے ہیں۔

سورہ جمعہ کے اس مقام پر غور کرنے سے ایک لطیفہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مومنوں کو ذکر اللہ کی طرف سعی کرنے کا ارشاد ہوا۔ اور پھر ایک حالت یہ بتائی کہ جب لوگ تجارت یا لہو کو دیکھتے ہیں تو نبی کریم ﷺ کو یا آپ کے خلفا اور نواب کو چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انکو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ مال و

دولت جو تجارت کا نتیجہ ہے۔ یا وہ خوشی اور عارضی مسرت جو لہو کا نتیجہ ہے۔ وہ نہ روح کی پرورش کا ذریعہ ہیں نہ جسم کی بلکہ وہ ذکر اللہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو خیر الرازقین سے تعلق پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔

قرآن کریم کے دوسرے مقام پر فرمایا اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ حقیقی سکینت و اطمینان ذکر اللہ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود نے جو اپنی قلبی کیفیت کو کاغذ پر عیاں کیا ہے۔ اس سے آپ کے اطمینان قلب اور سکینت کی حالت عیاں ہے۔ لوگ اطمینان قلب کے لئے تڑپتے اور دنیا میں ہزاروں پاپڑ بیلتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اطمینان اور سکینت کے جس اعلیٰ مقام پر ہیں۔ کیا کوئی اس کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔

پھر ایک طرف ہمدردی اور مروّت کا تقاضا یہ ہے کہ خدا کی ساری مخلوق کو اپنا کنبہ قرار دیا ہے۔ انسان اپنے کنبہ کی پرورش اور نگرانی میں برے بھلے کی تمیز نہیں کرتا۔ اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ اپنی صفت ربوبیت میں مومن و کافر اور زندقہ۔ انسان و حیوان کا تفرقہ نہیں کرتا لیکن جیسے محبت اور تعلق خاص صفات اور خوبیوں کی پروا کی جاتی ہے جیسے معیّت کے متعلق فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ اسی طرح صادق اور خدا پرست انسان باوجودیکہ ایک طرف کل مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور مروّت کے لئے اپنے قلب کو وسیع پاتا ہے لیکن دوسری طرف خدا تعالیٰ کی محبت اور تعلق کے لئے پھر اس مخلوق میں قربانی کا سلسلہ شروع کرتا ہے۔ چنانچہ ہر بہتر کے لئے ادنیٰ کو قربان کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود نے اخوّت کے لئے صالحین کو منتخب کیا۔ ہر شخص کے چال چلن اخلاق اور مرغوبات کا پتہ اس کے دوستوں سے مل سکتا ہے۔ اب جو ہستی صرف صالحین سے محبت کرتی ہے۔ اور انہیں اخوّت کے مقام پر رکھتی ہے۔ اس کی صلاحیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید نے مومن کو اِخْوَةٌ کا درجہ دیا ہے۔ اور مومن کا ادنیٰ درجہ صالح ہے۔ صالح وہ ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا فساد باقی نہیں ہے۔ صالح غذا وہی کہلاتی

ہے جس میں کوئی نقص نہ ہو۔ پس صالح وہی مومن رہتا ہے۔ جس کے اعتقادات صحیح کے مطابق اعمال ہوں یہ صلاحیت بطور بیج کے ہوتی ہے۔ پھر جس قدر انسان اس میں ترقی کرتا ہے۔ وہ ایمانی مدارج میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شہداء' صدیقین اور نبییّن کے مقام کو علیٰ قدر مراتب پا لیتا ہے۔ غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک آپ کی ہمدردی ایسی عام اور وسیع ہے آپ اخوّت اور محبت کے تعلق ان لوگوں سے رکھنا پسند کرتے تھے۔ جو صالح اور ہر قسم کے فساد سے پاک ہوں۔

میرے دوستو! کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ ہم ہر ایک قسم کے فساد سے پاک ہو کر صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں۔ اور ہمارے تعلقات اخوّت صرف اسی زمرہ سے ہوں جو صالحین کا زمرہ ہے۔ جو لوگ کسی نہ کسی رنگ میں نظام احمدیت کو دھکا لگاتے ہیں۔ اور شیرازہ کو جو ہمیشہ سے ایک امام کے ذریعہ جو خدا کی کتاب کی اصطلاح میں حبل اللہ کہلاتا ہے۔ توڑتے ہیں۔ وہ خواہ کتنے ہی زور سے نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کہیں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ کی مجید و حمید کتاب انہیں مصلح نہیں مفسد قرار دیتی ہے۔

آپ کی وسعت قلب اور ہمدردی عامہ کے لئے جو میں نے آپ کے ایک ماٹو پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ وہ آپ کے اس خُلق کی ایک نامکمل تصویر سے زیادہ نہیں۔ آپ کی ساری زندگی اس کی عملی تفسیر تھی۔ واقعات کی ایک فہرست اس خصوص میں پیش کی جا سکتی ہے۔ بلکہ مجھے تو یہ کہنا چاہئے کہ آپ کا ہر قول اور فعل اسی ہمدردی کا ظہور تھا۔ آپ کی بعثت آپ کی تبلیغ آپ کا پندو نصیحت کرنا۔ سب اسی ہمدردی عامہ کا ظہور تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اور انکی خیر خواہی اور ہمدردی ہمارے دل میں اس قدر بھری ہوئی ہے۔ کہ نہ زبان کو طاقت ہے کہ بیان کرے اور نہ قلم کو قوت ہے کہ تحریر میں لاوے"۔

بدل دردے کہ دارم از برائے طالبان حق | نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم
دل و جانم چناں مستغرق اندر فکر او شان است | کہ نے ازدل خبردارم نہ از جان خود آگاہم
بدیں شادم کہ غم ازبہر مخلوق خدا دارم | ازیں در لذتم کزدرد لیے خیزد ز دل آہم
مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است | ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم
نہ من از خود نہم در کوچہ پند و نصیحت پا | کہ ہمدردی برد آنجا بہ جبرو زور و اکراہم
غم خلق خدا صرف از زبان خوردن چہ کاراست ایں | گرش صد جاں بپا ریزم ہنوزش عذر میخواہم

چو شام پر غبار و تیرہ حال عالمے بینم
خدا بروے فرود آرد دعائے ہاسحر گاہم

اس ہمدردی عامہ کا ذکر اور مخلوق خدا کے لئے مواسات کے جوش کا اظہار ایک ہی مرتبہ آپ نے نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ کی تمام تحریروں اور تقریروں میں ہزاروں مرتبہ اس دلی سوزش اور تڑپ کا اظہار ہوا ہے۔ جو آپ کو نوع انسان اور عام مخلوق الٰہی کے لئے تھی۔ اس ہمدردی میں کسی کی تمیز نہ تھی۔ اپنے پرائے دوست و دشمن سب یکساں تھے پنڈت لیکھرام جو اسلام کا ایک تلخ اور بدزبان دشمن تھا۔ جب لاہور میں قتل ہوا۔ تو باوجودیکہ یہ خدا تعالیٰ کے ایک نشان کی تجلی تھی مگر اس حالت میں بھی جہاں تک اس کی ذات اور شخصیت کا سوال تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے ساتھ ہر طرح ہمدردی تھی۔ اور اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سعی اور کوشش سے اسے فائدہ پہنچ سکتا۔ تو حضور اس کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتے۔ اور آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا۔

عام ہمدردی میں آپ کسی قسم کی تمیز نہ کرتے تھے اور ہر انسان کو اس کا مستحق سمجھتے تھے۔ طبعی طور پر دوستوں اور خدام کو رفیق بھی سمجھتے تھے۔ اور ان کے لئے ہر قسم کی ذاتی قربانی کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ سیرت کے باب میں بیماری اور تیمارداری کے تحت میں نے صفحہ * پر ایک یتیم لڑکے فجا (جو آجکل معمار اور ایک مخلص احمدی ہے) کا واقعہ درج کیا ہے۔ جس دلسوزی اور محبت و ہمدردی سے حضور نے اپنے گھر

* کتاب ہذا صفحہ ۲۸۸ - ۲۸۹

میں رکھ کر اس کا علاج کیا۔ اور اس کی جان بچائی۔ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ادنیٰ درجہ اور معروف چھوٹے طبقہ کے لوگوں کی عیادت اور خبر گیری کے لئے ان کے گھروں میں چلے جانا۔ یہ ایسی بات نہیں ہے کہ ہم سرسری طور پر اس سے گذر جاویں۔ اسی طرح میں نے شمائل و اخلاق کے حصہ دوم کے نسخہ پر ایک واقعہ لکھا ہے*۔ اور اس میں دکھایا ہے کہ وہ وجود جو کبھی کسی پر بڑے سے بڑے نقصان پر بھی ناراض نہ ہوتا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ناراض ہونا جانتا ہی نہ تھا وہ اپنے ایک مخلص خادم پر محض اس وجہ سے ناراض ہوتا ہے کہ اس نے ایک بیمار کی تیمارداری میں کیوں غفلت کی۔ اور وہ بیمار لوگوں کے پیمانہ امتیاز کے لحاظ سے محض ایک ناقابل لحاظ شخص ہو سکتا ہے۔ مگر حضرت کی نظر میں بہ حیثیت انسان اتنی ہی قیمتی جان رکھتا ہے جیسے کوئی اور محترم و معزز شخص۔ واقعہ کی تفصیل تو وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ مگر میں اس کا نام یہاں بھی دینا چاہتا ہوں۔ یہ وہی پیرا پہاڑیا حضرت کا خادم تھا۔ جس کا ذکر اسی سیرت میں متعدد مرتبہ آیا ہے۔ اور آتا رہے گا۔

دوسروں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے لئے اپنے وقت کا بہت سا حصہ اردگرد کے دیہات کی گنوار عورتوں اور بچوں کے علاج میں بھی دے دیا کرتے تھے۔ اور دوسرے کام چھوڑ کر بھی اس طرف توجہ کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے اسے تضیع اوقات سمجھ کر عرض بھی کیا۔ جب کہ خود انہوں نے اس منظر کو دو تین گھنٹہ تک خود مشاہدہ کیا۔ اس کا جو جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا۔ اسے خود حضرت مولوی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اسے پڑھو اور سوچو کہ اس جواب دینے والے کے اندر کونسی روح بول رہی ہے۔ حضرت مخدوم الملت فرماتے ہیں۔

"فراغت کے بعد میں نے عرض کیا حضرت یہ تو بڑا زحمت کا کام ہے۔ اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت ضائع جاتا ہے۔ اللہ! اللہ کس نشاط اور طمانیت سے مجھے جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے۔ یہ

* کتاب ہذا صفحہ ۱۸۰-۱۸۱

مسکین لوگ ہیں۔ یہاں کوئی ہسپتال نہیں۔ میں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یونانی دوائیں منگوا رکھا کرتا ہوں۔ جو وقت پر کام آجاتی ہیں۔ اور فرمایا۔ یہ بڑا ثواب کا کام ہے۔ مومن کو ان کاموں میں سست اور بے پرواہ نہ ہونا چاہئے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۳۵)

مخلوق کی ہمدردی اور مواسات باہمی کی ہمیشہ تعلیم دیتے۔ اور اپنے عمل سے اس کی روح پیدا کرتے۔

بابو شاہ دین صاحب مرحوم کا واقعہ اور حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم

جو لوگ سلسلہ میں حدیث العہد ہیں وہ سلسلہ کے پرانے مخلصین اور وفادار جان نثار مسیح موعود علیہ السلام کے حالات سے عموماً" واقف نہیں۔ اور میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت و شمائل میں ان مخلصین کے سوانح حیات اور ان کی سلسلہ کے لئے خدمات اور قربانیوں کا ذکر کرسکوں۔ چاہتا ہوں کہ انکی یاد نئے آنے والوں کے لئے چھوڑ سکوں۔ مگر یہ خدا کے فضل اور توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ بابو شاہ دین صاحب بھی انہیں مخلص اور جاں نثار دوستوں میں سے ایک تھے۔ آپ سٹیشن ماسٹر تھے ابتداء" پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے تعلق رکھتے تھے۔ جب خداتعالیٰ نے انکو اس سلسلہ میں آنے کی توفیق دی تو شاہ دین حقیق طور پر شاہ دین بن گیا۔ اس کی زندگی میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہوا۔ وہ جو اپنے ہمعصروں میں بادہ خوار تھا۔ وہ شب زندہ دار اور ایک زاہد بے ریا اور ولی اللہ ہو گیا وہ بیمار ہو کر قادیان آگئے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے آخری ایام کی بات ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ام المومنین کی بظاہر علالت اور حقیقتاً"

مشیت ایزدی کے ماتحت لاہور تشریف لے گئے۔ آپ کو بابو شاہ دین صاحب کے علاج اور خبرگیری کی طرف خاص توجہ تھی۔ آپ نے لاہور پہنچ کر اپنی وفات سے ۱۳ روز پیشتر مخدومی حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کو (جن کو الدار میں رہنے کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ عرفانی) ایک خط لکھا۔ میں اس خط کے اس حصّہ کو جو حضرت بابو شاہ دین صاحب کے متعلق ہے۔ یہاں دیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوگا۔ کہ حضور کو کس قدر توجہ اس امر کی طرف تھی۔ کہ بابو صاحب کی خبرگیری میں کسی قسم کی سستی نہ ہونے پاوے۔ حضور لکھتے ہیں :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بابو شاہدین صاحب کی تعہد اور خبرگیری سے آپ کو بہت ثواب ہوگا۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ ان کے ایسے نازک وقت میں قادیان سے سخت مجبوری کے ساتھ مجھے آنا پڑا اور جس خدمت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے میں حریص تھا۔ وہ آپ کو ملا۔ امید کہ آپ ہر روز خبرلیں گے۔ اور دعا بھی کرتے رہیں گے۔ اور میں بھی دعا کرتا ہوں"۔

ایک دوسرے خط میں جو اس سے پہلے آیا۔ حضرت نے لکھا۔ کہ :

"اور میری دلی خواہش ہے کہ آپ تکلیف اٹھا کر ایک دفعہ اخویم بابو شاہدین صاحب کو دیکھ لیا کریں۔ اور مناسب تجویز کریں۔ میں بھی انکے لئے پانچ وقت دعا میں مشغول ہوں وہ بڑے مخلص ہیں انکی طرف ضرور پوری توجہ کریں"۔

مجھ کو ضرورت نہیں کہ ان گرامی نامہ جات پر کسی قسم کا حاشیہ لکھوں۔ ان کے الفاظ اس روح مواسات کا اظہار کر رہے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں کام کر رہی تھی۔ البتہ اس وقت کے حالات اور واقعات کو دکھانا چاہتا ہوں۔ حضرت ام المومنین کی علالت کے باعث حضور بغرض علاج لاہور تشریف لے گئے ہیں اور

حضور کی مصروفیت آپ کے مقام اور منصب کے لحاظ سے ان ایام میں بمقام لاہور جو ہوگئی تھی۔ وہ ظاہر ہے۔ مختلف طبقوں اور خیالات کے لوگ حضرت کی خدمت میں آرہے ہیں۔ اور مخالفین سلسلہ اپنی شورشوں سے آپ کی توجہ کو الگ اپنی طرف مبذول کرا رہے۔ مگر باوجود ان تمام مصروفیتوں کے حضور کو بابو شاہ دین صاحب کا خیال نہیں بھولتا۔ یہی نہیں کہ آپ کو احساس ہے۔ اور آپ اپنے ایک مخلص اور بے ریا خادم حضرت ڈاکٹر رشید الدین صاحب کو توجہ دلا رہے ہیں۔ بلکہ آپ لاہور بحالت مجبوری جانے کا عذر پیش کرکے فرماتے ہیں۔ کہ

"میں شرمندہ ہوں کہ ایسے نازک وقت میں قادیان سے سخت مجبوری کے ساتھ مجھے آنا پڑا"

اس احساس شرمندگی کی قدر قیمت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کے عرفی الفاظ یا چاندی سونا کے سکے اور جواہرات اس کے مقابلہ میں ٹھہر ہی نہیں سکتے۔ آپ کا مقام یہ ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے بروز ہو کر نازل ہوئے ہیں۔ اور مسیح اور مہدی کے نام سے کھڑے کئے گئے ہیں۔ بابو شاہ دین صاحب کو آپ کی غلامی کی سلک میں شامل ہونے پر ناز اور فخر ہے۔ مگر آقا ہو کر اپنے غلام کی خبر گیری نہ کر سکنے کے لئے مجبور ہو جانے کی وجہ سے عذر کرتا ہے۔ ایسے آقا پر دنیا کی ہر دولت و زندگی کیوں نثار نہ ہو۔ ایسے آقا کی غلامی پر دنیا کی حکومت بھی کیوں قربان کرنے کو جی نہ چاہے۔

یہ معمولی جذبہ اور اظہار خیال نہیں بلکہ حقیقت ہے یہ خط اپنے اندر ایک پیشگوئی بھی رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کا یہ محل نہیں۔ مگر میں سرسری طور پر اسے بیان کر جانا چاہتا ہوں۔ یہ خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی وفات سے ۱۳ یوم پیشتر لکھا ہے۔ اور اس میں بابو شاہدین صاحب کے نازک وقت کا اشارہ فرمایا ہے اور آپ اس وقت موجود نہ ہونے کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ آخر یہی ہوا کہ بابو صاحب کی علالت مرض الموت ہوگئی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس موقعہ پر موجود نہ

تھے۔ اور یہ سعادت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے حصہ میں آئی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قائم مقام کی حیثیت سے اس خدمت کو انجام دیں۔

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عمل اور فعل سے ہمیشہ یہ دکھایا۔ کہ آپ شرف انسانیت کو قائم کرنا چاہتے تھے۔ اور آپ نے جات پات کے تمام جھگڑوں اور بکھیڑوں کو جو مزیل حیثیت شرف انسانی ہیں دور کرکے اخوت و مساوات کی ایک رو پیدا کر دی اور اپنے اسوہ حسنہ سے ہمیشہ یہ سبق دیا کہ آپ خدا تعالیٰ کی عاجز درماندہ مخلوق کے لئے ایک حصار اور مامن ہیں۔ اور آپ کے دل میں ہمدردی عامہ کا وہ جذبہ موجود ہے۔ جو رب العالمین کے پیارے اور رحمتہ للعالمین کے بروز کی شایان شان ہے۔

آپ کی ہمدردی کا اجمالی تذکرہ میں ایک عجیب و غریب واقعہ پر ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ حضرت مخدوم الملت مولانا مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ بیت الدعاء کے اوپر میرا حجرہ تھا۔ اور میں اسے بطرز بیت الدعا استعمال کیا کرتا تھا۔ اس میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حالت دعا میں گریہ و زاری کو سنتا تھا۔ آپ کی آواز میں اس قدر درد اور سوزش تھی کہ سننے والے کا پتہ پانی ہوتا تھا۔ اور آپ اس طرح پر آستانہ الٰہی پر گریہ و زاری کرتے تھے۔ جیسے کوئی عورت دردزہ سے بیقرار ہو۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے غور سے سنا تو آپ مخلوق الٰہی کے لئے طاعون کے عذاب سے نجات کے لئے دعا کرتے تھے۔ کہ الٰہی اگر یہ لوگ طاعون کے عذاب سے ہلاک ہو جائیں گے تو پھر تیری عبادت کون کرے گا یہ خلاصہ اور مفہوم حضرت مخدوم الملت کی روایت کا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ باوجودیکہ طاعون کا عذاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تکذیب اور انکار ہی کے باعث آیا۔ مگر آپ مخلوق کی ہدایت اور ہمدردی کے لئے اس قدر حریص تھے۔ کہ اس عذاب کے اٹھائے جانے کے لئے (باوجودیکہ دشمنوں اور مخالفوں کی ایک جماعت موجود تھی) رات کی سنسان اور تاریک گہرائیوں میں رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ ایسے وقت

جبکہ مخلوق اپنے آرام میں سوتی تھی۔ یہ جاگتے تھے۔ اور روتے تھے۔ القصہ آپ کی یہ ہمدردی اور شفقت علیٰ خلق اللہ اپنے رنگ میں بے نظیر تھی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی عَبْدِکَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

حلم و حوصلہ اور ضبط نفس و بردباری

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فلسفہ اخلاق پر شمائل و اخلاق کی پہلی جلد میں بحث کی ہے اور اس میں غزالی کے فلسفہ اخلاق سے مقابلہ کر کے دکھایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اخلاق فاضلہ کی حقیقت کو جس آسان اور عام فہم طریق میں بیان کیا ہے کوئی دوسرا اسکی برابری نہیں کر سکتا۔ اور یہ فلاسفروں کے طریق پر نہیں۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کے طریق پر ہے۔ اس باب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حلم و حوصلہ اور ضبط نفس و بردباری پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ حقیقت میں یہ ایک ہی قوت اخلاق کے مختلف مظاہر ہیں۔ اور ان میں بہت ہی کم فرق ہے۔ ایسا فرق کہ ہر شخص امتیاز بھی نہیں کر سکتا۔ غزالی کے فلسفہ کے موافق غضب کی قوت اگر افراط و تفریط سے بالکل بری ہو۔ یعنی اس طرح عقل کے قابو میں ہو۔ کہ وہ جس طرف بڑھائے بڑھے۔ اور جہاں روکے رک جائے۔ تو اس کو شجاعت کہتے ہیں۔ اور شجاعت کے مختلف مظاہر میں حلم ایک مظہر ہے۔

میں اس پر بحث نہ کر کے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حلم غصّہ کے مقابل واقع ہوا ہے۔ اور میں پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فلسفہ اخلاق کی روشنی میں بتا چکا ہوں کہ کوئی قوت اور کوئی جذبہ جو انسان کو دیا گیا ہے فی نفسھا برا یا مضر نہیں۔ بلکہ اس

کے سوء استعمال سے نقائص یا رزائل پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کے استعمال کی تعدیل سے اعلیٰ اخلاق سرزد ہوتے ہیں۔ غصّہ کبھی بھی نہ آئے تو یہ کوئی خوبی کی بات نہیں۔ اس لئے کہ جہاں غصہ آنا چاہئے اگر وہاں بھی نہ آیا۔ تو قدرتی اور طبعی طور پر اس سے فضائل نہیں رزائل پیدا ہوں گے۔ بے ہمتی۔ دنائت طبع اس سے پیدا ہوتی ہے۔ اسلام یہ نہیں سکھاتا۔ اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ تعلیم اخلاق لیکر آئے۔ آپ نے بتایا کہ قوت غضبیہ کا جائز استعمال کرو۔ اور اس استعمال کے وقت اس پر حکومت کرو۔ ہمیشہ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ تمہارے سامنے رہے اگر تم نفس اور جذبات پر حکومت نہیں کرتے۔ تو اس شرف انسانی کی جس کو خلافت اللہ کہتے ہیں۔ تم ہتک کرنے والے ٹھہرو گے۔

میں نے بہت غور کیا۔ اور میری سمجھ میں یہی آیا ہے۔ کہ غصہ پر حکومت کے لئے ایک اصل آسان نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ غصہ علی العموم اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص ہمارے مرغوبات و مطلوبات پر وہ اصلی ہوں یا غیر اصلی حملہ کرتا ہے۔ اور ہم سے چھین لینا چاہتا ہے۔ جب میں اصلی اور غیر اصلی کا لفظ بولتا ہوں۔ تو میری مراد یہ ہے کہ بعض مطلوبات تو اس قسم کے ہیں جن کو ہم چھوڑ ہی نہیں سکتے۔ اور وہ ہماری زندگی کا جزو لازم ہیں۔ جیسے غذا لباس وغیرہ اور بعض وہ ہیں جو زندگی کا جزو لازم نہیں مگر ہم نے انکو اپنے نفس کے لئے بطور محبوب کے بنالیا ہے۔ جیسے حب جاہ۔ خواہش تشہیر وغیرہ۔ پس جب ہم اپنے نفس پر حکومت کرنے لگیں گے تو ہم اصلی اور غیر اصلی میں ہی امتیاز نہ کریں گے بلکہ اسباب حملہ اور دماغ حملہ پر غور کرکے ایک مستقیم راہ اور متعدل اصول نکال سکنے کی توفیق پائیں گے۔

یہ ایک لمبی بحث فلسفہ اخلاق کی ہو جائے گی۔ اور شمائل و اخلاق مسیح موعود علیہ السلام کے بیان میں اس بحث کی طرف قارئین کو لے جانا میرا مقصود نہیں۔ میں دکھانا یہ چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق میں حلم و حوصلہ یا ضبط نفس و بردباری کی شان کہاں تک جلوہ گر تھی۔ اور آپ کی زندگی کے واقعات اور

حالات اس حقیقت کو کس طرح نمودار کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا غصّہ

میں نے سیرت کے مختلف مقامات پر بعض واقعات کو درج کیا ہے اور دکھایا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں غصہ کی شان نمودار اور نمایاں تھی۔ مگر نہ اس طرح پر کہ جیسے ایک مغلوب الغضب آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور اس کے منہ سے جھاگ گرتی ہے۔ اور دیوانہ وار دوسروں کی جان' مال اور آبرو پر حملہ کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو غصہ دلانے والی ایک ہی بات تھی۔ کہ شعائرُاللہ کی ہتک ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور قرآن مجید پر کوئی حملہ ہو۔ اس کے لئے آپ کو غصہ آتا ہے۔ مگر وہ غصہ وحشیانہ رنگ نہ رکھتا تھا۔ بلکہ وہ حمیت و غیرت دینی خودداری اور عزت نفس کے مختلف شعبوں کا مظہر ہوتا تھا جہاں آپ کی اپنی ذاتی چیز کا سوال ہوتا آپ حد درجہ رحیم و کریم اور دل کے حلیم تھے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ حلیم تھے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ آپ غیرت دینی اور حمیت اسلامی کی صحیح شان کے مظہر تھے۔ اور کبھی اور کسی حالت میں آپ سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوتا تھا۔ جو جوش نفس کا ایک بیجا نتیجہ ہو۔

جب انسان اپنے عادات و جذبات پر حکومت نہیں کر سکتا۔ تو اس کی حالت نہایت مضطربانہ ہوتی ہے۔ اس سے برداشت اور حوصلہ کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ عادتاً" ایسے واقع ہوتے ہیں۔ کہ ان میں قوت غضبیہ کا فقدان ہوتا ہے۔ اس لئے انکی حلیمی کوئی خلق نہیں کہلاتی جب تک انسان کو ایسے حالات اور واقعات پیش نہ آجاویں۔ جن میں اس کی غضبی قوتوں میں ایک ہیجان اور جوش ہو اس وقت تک نہیں کہا جاسکتا۔ کہ وہ اپنے جذبات پر حکومت کرتا ہے یا نہیں۔

حضرت مسیح موعود کے خُلق و حلم کی شان

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خُلق حلم و حوصلہ کی شان بہت بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم ان حالات پر غور کرتے

ہیں۔ جو حضور کو پیش آئے۔ آپ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور و مرسل ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور یہ دعویٰ کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہونے کا نہ تھا۔ بلکہ اپنے سید و مولا آنحضرت ﷺ کے اتباع میں نوع انسان کی طرف تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو موعود ادیان اور مصلح امم بنا کر بھیجا تھا۔ اس مقام و منصب نے آپ کو مجبور کیا کہ وہ ہر قوم اور مذہب کے غلط عقاید اور اعمال پر حملہ کریں۔ مدتوں کے مانے ہوئے غلط عقاید اور مروجہ رسوم و عادات سے الگ ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس پر ہر قوم کے مذہبی پیشواؤں میں جوش پیدا ہوا۔ اور انہوں نے کوئی دقیقہ آپ کی مخالفت اور ایذا دہی کا باقی نہ رکھا۔ بدزبانی اور ایذا دہی کی حد ہو گئی۔ لیکن آپ چونکہ خدا تعالیٰ کے مامور اور مرسل تھے۔ آپ نے اس تمام مقابلہ میں باوجودیکہ بے حد اشتعال دلایا گیا۔ ضبط اور برداشت کی قوتوں کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اس کے علاوہ آپ کی روزانہ زندگی میں عادتاً ایسی بہت سی باتیں پیش آجاتی تھیں۔ جہاں کوئی شخص بھی صبر اور حوصلہ سے کام ہی نہیں لے سکتا۔ اور جوش اور غضب میں آکر ناگفتنی اور ناکردنی باتیں کر گزرتا ہے۔ مثلاً وقت پر کھانا ہی تیار نہ ہوا تو گھر بھر میں ایک آفت بپا ہے۔ یا بچوں نے شور کرنا شروع کر دیا۔ اور صاحب خانہ کا پیمانہ حلم لبریز ہو گیا وغیرہ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے مختلف حصّوں اور حالتوں پر نظر کرو۔ اور واقعات کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ کرو۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ یہ نفس مطمئنہ مجسّم ہیں اور غضب اور غصّہ کی وہ قوتیں جو انسان کو اخلاق سے گرا کر نیچے گرا دیتی ہیں۔ آپ سے سلب کر لی گئی تھیں۔ اب میں واقعات کی اور حالات کی روشنی میں آپ کے خُلق عظیم کی شان حلم و برداشت کو دکھاتا ہوں۔

اندرون خانہ زندگی میں حوصلہ اور حلم کے مناظر

سب سے پہلے میں اندرون خانہ کی زندگی میں حضور کے حلم و حوصلہ کی شعبوں کو دکھاتا ہوں۔ اور اس کے لئے میں پسند کرتا ہوں کہ حضرت مخدوم الملت کے بیان

کردہ واقعات کو اولاً ذکر کروں۔ جو انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ کر لکھے ہیں۔
بچوں سے شفقت کے باب میں میں نے بیان کیا ہے کہ کس طرح پر بچے بار بار آکر دروازہ پر دستک دیتے اور دروازہ کھلواتے۔ بعض اوقات یہ حرکات بیس بیس دفعہ ہوتی تھیں۔ مگر آپ نے پڑھا ہے کہ حضرت کبھی ناراض نہیں ہوئے چیں بر جبیں نہیں ہوئے۔ یہ آپ کے حوصلہ اور حلم کی ایک مثال ہے۔
ایک اور موقعہ کے متعلق حضرت مخدوم الملت فرماتے ہیں:

”آپ کے حلم اور طرز تعلیم اور قوت قدسیہ کی ایک بات مجھے یاد آئی ہے۔ دو سال (۱۸۹۷ء یا ۱۸۹۸ء کا واقعہ ہے۔ عرفانی) کی بات ہے۔ تقاضائے سن اور عدم علم کی وجہ سے اندر کچھ دن کہانی کہنے اور سننے کا چسکا پڑ گیا۔ آدھی رات گئے تک سادہ اور معصوم کہانیاں اور پاک دل بہلانے والے قصے ہو رہے ہیں۔ اور اس میں عادتاً ایسا استغراق ہوا۔ کہ گویا وہ بڑے کام کی باتیں ہیں۔ حضرت کو معلوم ہوا منہ سے کسی کو کچھ نہ کہا۔ ایک شب سب کو جمع کر کے کہا۔ آؤ آج ہم تمہیں اپنی کہانی سنائیں۔ ایسی خدا لگتی اور خوف خدا دلانے والی اور کام کی باتیں سنائیں کہ سب عورتیں گویا سوتی تھیں اور جاگ اٹھیں۔ سب نے توبہ کی اور اقرار کیا۔ کہ وہ صریح بھول میں تھیں۔ اور اس کے بعد وہ سب داستانیں افسانہ یا خواب کی طرح یادوں ہی سے مٹ گئیں۔ ایسے موقعہ پر ایک تند خو مصلح جو کارروائی کرتا۔ اور بے فائدہ اور بے نتیجہ حرکت کرتا ہے کون نہیں جانتا۔ ممکن ہے کہ ایک بدمزاج بدزبان ظاہر میں ڈنڈے کے زور سے کامیاب ہو جائے مگر وہ گھر کو بہشت نہیں بنا سکتا۔“

(سیرت مسیح موعود صفحہ ۳۱ مصنفہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ)

انسان پر بیماری کے حملے جب ہوتے ہیں تو وہ بھی اس کے سکون و قرار کو ہلا دیتی ہیں اور اس کی طبیعت میں چڑچڑاپن اور بدمزاجی پیدا کر دیتی ہے۔ بیمار بات بات پر

بگڑتا ہے۔ اور غصہ ہوتا ہے۔ میں بیماری اور تیمارداری کے باب میں شمائل کے دوسرے حصہ میں بیان کر آیا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کس حوصلہ اور برداشت سے کام لیتے ہیں۔ کسی پر ناراضگی نہیں اگر کسی نے پوچھا نہیں تو افسوس نہیں۔ بلکہ ایک قلب مطمئن کے ساتھ اپنے وقت کو گزار لیتے ہیں۔

اس کے بعد کھانے پینے کی ضروریات کے متعلق اہتمام بھی ایک چیز ہے۔ کہ انسان کے اندرون خانہ زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قلب مطہّر پر ان باتوں سے بھی کسی قسم کی کدورت یا تلخی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر کسی نے وقت پر انتظام نہیں کیا۔ یا تعمیل حکم میں سستی کی ہے تو آپ نے اس سے بھی باز پرس نہیں کی۔ بلکہ پورے حوصلہ اور حلم سے کام لیکر بتا دیا کہ یہ چیزیں آپ کے سکون اور وقار کو ہلا نہیں سکتی ہیں۔

اس کے متعلق میں حضرت مخدوم الملت کے الفاظ میں ایک واقعہ نقل کرنا چاہتا ہوں۔

منشی عبدالحق لاہوری اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کھانے کا انتظام

"جن دنوں امرتسر میں ڈپٹی آتھم سے مباحثہ تھا ایک رات خان محمد شاہ مرحوم کے مکان پر بڑا مجمع تھا۔ اطراف سے بہت سے دوست مباحثہ دیکھنے آئے ہوئے تھے۔ حضرت اس دن جس کی شام کا واقعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں معمولاً سر درد سے بیمار ہو گئے تھے۔ شام کو جب مشتاقان زیارت ہمہ تن چشم انتظار ہو رہے تھے۔ حضرت مجمع میں تشریف لائے۔ منشی عبدالحق صاحب لاہوری پنشنر نے کمال محبت اور رسم دوستی کی بنا پر بیماری کی تکلیف کی بابت پوچھنا شروع کیا۔ اور کہا آپ کا کام بہت نازک اور آپ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے۔ آپ کو چاہئے کہ جسم کی

صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں۔ اور ایک خاص مقوی غذا لازماً آپ کے لئے ہر روز تیار ہونی چاہئے۔ حضرت نے فرمایا ہاں بات تو درست ہے۔ اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے۔ مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف ہوتی ہیں کہ او، باتوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتیں۔ اس پر ہمارے پرانے مئوحد خوش اخلاق نرم طبع مولوی عبداللہ غزنوی کے مرید منشی عبدالحق صاحب فرماتے ہیں۔ ' اجی حضرت آپ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رعب پیدا نہیں کرتے۔ میرا یہ حال ہے کہ میں کھانے کے لئے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں۔ اور ممکن ہے کہ میرا حکم کبھی ٹل جائے اور میرے کھانے کے اہتمام خاص میں کوئی سرمو فرق آجائے۔ ورنہ ہم دوسری طرح خبر لے لیں'۔ میں ایک طرف بیٹھا تھا منشی صاحب کی اس بات پر اس وقت خوش ہوا اس لئے کہ یہ بات بظاہر میرے محبوب آقا کے حق میں تھی۔ اور میں خود فرط محبت سے اسی سوچ بچار میں رہتا تھا۔ کہ معمولی غذا سے زیادہ عمدہ غذا آپ کے لئے ہونی چاہئے۔ اور ایک دماغی محنت کرنے والے انسان کے حق میں لنگر کا معمولی کھانا بدل ما یتحلل نہیں ہو سکتا۔ اس بنا پر میں نے منشی صاحب کو اپنا بڑا مئوید پایا۔ اور بے سوچے سمجھے (در حقیقت ان دنوں الٰہیات میں میری معرفت ہنوز بہت سا درس چاہتی تھی) بوڑھے صوفی اور عبداللہ غزنوی کی صحبت کے تربیت یافتہ تجربہ کار کی تائید میں بول اٹھا۔ کہ ہاں حضرت! منشی صاحب درست فرماتے ہیں۔ حضور کو بھی چاہئے کہ درشتی سے یہ امر منوائیں۔ حضرت نے میری طرف دیکھا اور تبسم سے فرمایا۔ ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہئے۔

"اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ذکی الحس آدمی اور ان دنوں تک عزت و بے عزتی کو دنیا داروں کی عرفی اصطلاح کے قالب میں ڈھالنے اور اپنے

تئیں ہر بات میں کچھ سمجھنے اور ماننے والا بس خدا ہی خوب جانتا ہے۔ کہ میں اس مجمع میں کس قدر شرمندہ ہوا۔ اور مجھے سخت افسوس ہوا کہ کیوں میں نے ایک لحہ کے لئے بھی بوڑھے تجربہ کار نرم خوصوفی کی پیروی کی۔

برادران! اس ذکر سے جسے میں نے نیک نیتی سے لکھا ہے۔ میری غرض یہ ہے کہ اس انسان میں جو مجبولاً پاکیزہ فطرت اور حقوق کا ادا کرنے والا اور اخلاق فاضلہ کا معلم ہو کر آیا ہے۔ اور دوسرے لوگوں میں جنہیں نفس نے مغالطہ دے رکھا ہے۔ کہ وہ بھی کسی کی صحبت میں کوئی گھاٹی طے کر چکے ہیں اور ہنوز وہی اخلاق سے ذرہ بھی حصہ نہیں لیا بڑا فرق ہے"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۱۴-۱۶)

شور و شر کرنے والوں کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ ادھر توجہ ہی نہ ہوتی تھی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو منصب لیکر مبعوث ہوئے تھے اس کا اقتضا تھا۔ کہ آپ ہر وقت تبلیغ اور تلقین کے کام میں لگے رہیں۔ اور اس مقصد کے لئے آپ کو عموماً تحریر کا کام کرنا پڑتا تھا۔ یہ کام بھی ظاہر ہے کہ ایک سکون اور خلوت چاہتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا شور و غل طبیعت کو دوسری طرف متوجہ کر دیتا ہے اور اصل کام کی راہ میں ایک ہرج واقعہ ہو جاتا ہے مگر حضرت کے حوصلہ اور ضبط نفس کا یہ عجیب نمونہ تھا۔ کہ ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

"عجب سکون اور جمعیت باطن اور فوق العادت وقار اور حلم ہے کہ کیسا ہی شور اور غلغلہ برپا ہو جائے۔ جو عموماً قلوب کو پر کاہ کی طرح اڑا دیتا۔ اور شور اور جائے شور کی طرف خواہ مخواہ کھینچ لاتا ہے حضرت اسے ذرہ بھر بھی محسوس نہیں کرتے اور مشوش الاوقات نہیں ہوتے۔ یہی ایک حالت ہے جس کے لئے اہل مذاق تڑپتے۔ اور سالک ہزار دست و

پامارتے۔ اور رو رو کر خدا سے چاہتے ہیں میں نے بہت سے قابل مصنفوں اور لائق محرروں کو سنا اور دیکھا ہے کہ کمرہ میں بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں یا لکھ رہے ہیں۔ اور ایک چڑیا اندر گھس آئی ہے اس کی چڑ چڑ سے اس قدر حواس باختہ اور سراسیمہ ہوئے ہیں کہ تفکر اور مضمون سب نقش بر آب ہوگیا۔ اور اسے مارنے نکالنے کو یوں لپکے ہیں۔ کہ جیسے کوئی شیر اور چیتا پر حملہ کرتا یا سخت اشتعال دینے والے دشمن پر پڑتا ہے۔ ایک بڑے بزرگ صوفی صاحب یا قاضی صاحب کی بڑی صفت انکے پیرو جب کرتے ہیں۔ یہی کرتے ہیں۔ کہ وہ بڑے نازک طبع ہیں اور جلد برہم ہو جاتے ہیں۔ اور تھوڑی دیر آدمی ان کے پاس بیٹھے تو گھبرا جاتے ہیں۔ اور خود بھی فرماتے ہیں۔ کہ میری جان پر بوجھ پڑ جاتا ہے۔ مدت ہوئی ایک مقام پر میں خود انہیں خود دیکھنے گیا۔ شاید دس منٹ سے زیادہ میں نہ بیٹھا ہوں گا۔ جو آپ مجھ سے فرماتے ہیں کچھ اور کام بھی ہے؟ اس میں شک نہیں کہ یہ جمعیت قلب اور کوہ وقاری اور حلم اکسیر ہے۔ جس میں ہو اور یہی صفت ہے۔ جس سے اولیاء اللہ مخصوص اور ممتاز کئے گئے ہیں میں نے دیکھا ہے کہ حضرت اقدس نازک سے نازک مضمون لکھ رہے ہیں یہاں تک کہ عربی زبان میں بے مثل فصیح کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اور پاس ہنگامہ قیامت برپا ہے۔ بے تمیز بچے اور سادہ عورتیں جھگڑ رہی ہیں چیخ رہی ہیں۔ چلا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آپس میں دست و گریباں ہو رہی ہیں۔ اور پوری زنانہ کرتوتیں کر رہی ہیں۔ مگر حضرت یوں لکھے جا رہے ہیں اور کام میں یوں مستغرق ہیں کہ گویا خلوت میں بیٹھے ہیں۔ یہ ساری لانظیر اور عظیم الشان کتابیں عربی اردو فارسی کی ایسے ہی مکانوں میں لکھی ہیں۔ میں نے ایک دفعہ پوچھا۔ اتنے شور میں حضور کو لکھنے میں یا سوچنے میں ذرا بھی تشویش نہیں ہوتی۔ مسکرا کر فرمایا۔ میں سنتا ہی نہیں تشویش

کیا ہو۔ اور کیونکر ہو"

(سیرت مسیح موعود صفحہ ۱۰۔۲۰ مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ)

بیماری اور بیماری کے بعد آپ کے حوصلہ اور حلم کانمونہ

حضرت مخدوم الملت نے بیماری اور بیماری کے بعد آپ کے حلم و حوصلہ کا نمونہ ان الفاظ میں بیان فرمایا۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے آپ کو سخت درد سر ہو رہا تھا۔ اور میں بھی اندر آپ کے پاس بیٹھا تھا۔ اور پاس حد سے زیادہ شوروغل برپا تھا۔ میں نے عرض کیا جناب کو اس شور سے تکلیف تو نہیں ہوتی۔ فرمایا ہاں اگر چپ ہو جائیں تو آرام ملتا ہے۔ میں نے عرض کیا تو جناب کیوں حکم نہیں کرتے۔ فرمایا آپ انکو نرمی سے کہدیں میں تو کہہ نہیں سکتا۔ بڑی بڑی سخت بیماریوں میں آپ الگ ایک کوٹھڑی میں پڑے ہیں۔ اور ایسے خاموش پڑے ہیں کہ گویا مزہ میں سو رہے ہیں۔ کسی کا گلہ نہیں کہ تو نے ہمیں کیوں نہیں پوچھا۔ اور تو نے ہمیں پانی نہیں دیا۔ اور تو نے ہماری خدمت نہیں کی۔

"میں نے دیکھا ہے کہ ایک شخص بیمار ہوتا ہے۔ اور تمام تیماردار اس کی بدمزاجی اور چڑچڑاپن سے اور بات بات پر بگڑ جانے سے پناہ مانگ اٹھتے ہیں۔ اسے گالی دیتا ہے۔ اسے گھورتا ہے۔ اور بیوی کی تو شامت آجاتی ہے بیچاری کو نہ دن کو آرام اور نہ رات کو چین۔ کہیں تکان کیوجہ سے ذری اونگھ گئی ہے۔ بس پھر کیا خدا کی پناہ۔ آسمان کو سر پر اٹھالیا۔ وہ بیچاری حیران ہے۔ ایک تو خود چور چور ہو رہی ہے۔ اور ادھر یہ فکر لگ گئی ہے۔ کہ کہیں مارے غضب و غیظ کے اس بیمار کا کلیجہ پھٹ نہ جائے

غرض جو کچھ بیمار اور بیماری کی حالت ہوتی ہے۔ خدا کی پناہ کون اس سے بے خبر ہے۔ برخلاف اس کے سالہا سال سے دیکھا اور سنا ہے۔ کہ جو طمانیت اور جمعیت اور کسی کو بھی آزار نہ دینا۔ حضرت کے مزاج مبارک کو صحت میں حاصل ہے۔ وہی سکون حالت بیماری میں بھی ہے۔ اور جب بیماری سے افاقہ ہوا معاًوہی خندہ روئی اور کشادہ پیشانی اور پیار کی باتیں ہیں بسا اوقات عین اس وقت پہنچا ہوں۔ جب کہ ابھی ابھی سردرد کے لمبے اور سخت دورہ سے آپ کو افاقہ ہوا۔ آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا ہے۔ تو مسکرا کر دیکھا ہے۔ اور فرمایا۔ اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا۔ کہ گویا آپ کسی بڑے عظیم الشان و دلکشا نزہت افزا باغ کی سیر سے واپس آئے ہیں۔ جو یہ چہرہ کی رنگت اور چمک دمک اور آواز میں خوشی اور لذت ہے۔ میں ابتدائے حال میں ان نظاروں کو دیکھ کر بڑا حیران ہوتا تھا۔ اس لئے کہ میں اکثر بزرگوں اور حوصلہ اور مردانگی کے مدعیوں کو دیکھ چکا تھا۔ کہ بیماری میں کیا چولہ بدل لیتے ہیں۔ اور بیماری کے بعد کتنی کتنی مدت تک ایسے سڑیل ہوتے ہیں۔ کہ الامان۔ کسی کی تقصیر آئی ہے۔ جو بھلے کی بات منہ سے نکال بیٹھے۔ بال بچے بیوی دوست کسی اوپرے کو دور ہی سے اشارہ کرتے ہیں۔ کہ دیکھنا کالا ناگ ہے۔ نزدیک نہ آنا۔ اصل بات یہ ہے کہ بیماری میں بھی ہوش و حواس اور ایمان اسی کا ٹھکانے رہتا ہے۔ جو صحت کی حالت میں مستقیم الاحوال ہو اور دیکھا گیا ہے۔ کہ بہت سے تندرستی کی حالت میں مغلوب غضب شخص بیماری میں خالص دیوانے اور شدت جوش سے مصروع ہو جاتے ہیں۔ حقیقت میں ایمان و عرفان اور استقامت کے پرکھنے کے لئے بیماری بڑا بھاری معیار ہے۔ جیسے سکر اور خواب میں بڑبڑانا۔ اور خواب دیکھنا۔ حقیقی تصویر انسان کی دکھا دیتا ہے۔ بیماری بھی مومن اور کافر اور دلیر اور

بزدل کے پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ بڑا مبارک ہے وہ جو صحت کی حالت میں جوش اور جذبات نفس کی باگ کو ہاتھ سے نکلنے نہیں دیتا۔

"برادران! چونکہ موت یقینی ہے۔ اور بیماریاں بھی لابدی ہیں۔ کوشش کرو کہ کہ مزاجوں میں سکون اور قرار پیدا ہو۔ اسلام پر خاتمہ ہونا۔ جس کی تمنا ہر مسلمان کو ہے۔ اور جو امید وبیم میں معلق ہے اسی پر موقوف ہے۔ کہ ہم صحت میں ثبات و تثبیت اور استقامت و اطمینان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ اس خوفناک گھڑی میں جو حواس کو سراسیمہ کردیتی اور عقاید اور خیالات میں زلزلہ ڈال دیتی ہے تثبیت اور قرار دشوار ہے۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ یہ تثبیت یہی ہے جو میں حضرت خلیفتہ اللہ کی سیرت میں دکھا چکا ہوں۔ وہ انسان اور کامل انسان جس پر اس دنیا کی آگ اس دنیا کی آفات اور مکروہات کی آگ یہاں کچھ بھی اثر نہیں کر سکی۔ وہ وہی مومن ہے۔ جسے دوزخ کہے گی۔ کہ اے مومن گزر جا کہ تیرے نور نے میری نار کو بجھا دیا ہے۔ اے بہشت کو دونوں جیبوں میں اسی طرح موجود رکھنے والے برگزیدۂ خدا جس طرح آج کل لوگ جیبوں میں گھڑیاں رکھتے ہیں۔ تو یقیناً خدا سے ہے۔

"ہاں تو اس کثیف اور مکروہ دنیا کا نہیں۔ ورنہ وجہ کیا کہ یہ دنیا اپنی آفات وامتحانات کے پہاڑ تیرے سر پر توڑتی ہے۔ اور وہ یوں تیرے اوپر سے ٹل جاتے ہیں۔ جیسے بادل سورج کی تیز شعاؤں سے پھٹ جاتے ہیں۔ لاکھوں انسانوں میں یہ تیرا نرالا قلب اور فوق العادت جمعیت اور سکون اور ٹھہرا ہوا مزاج جو تجھے بخشا گیا ہے۔ یہ کس بات کی دلیل ہے۔ یہ اس لئے ہے۔ کہ تو صاف نتھر کر پہچانا جائے۔ کہ تو زمینی نہیں ہے۔ بلکہ آسمانی ہے۔ آہ اس زمین کے فرزندوں نے تجھے نہیں پہچانا حق تو یہ تھا کہ

آنکھیں تیری راہ میں فرش کرتے۔ اور دلوں میں جگہ دیتے۔ کہ خدا کا موعود خلیفہ اور حضرت خاتم النّبیّین ﷺ کا خادم اور اسلام کو زندہ کرنے والا ہے۔“

(سیرت مسیح موعود صفحہ ۲۲۔ ۲۳ مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ)

یہ تو حضور کی اندرون خانہ زندگی کا ایک ایسا نقشہ ہے۔ جو شمہ از شمائل ہے۔ گھر سے باہر کی زندگی کی شان بھی اپنی جگہ کامل اور دلربا ہے۔ آپ کی مجلس میں مختلف قسم کے لوگ آتے۔ بعض جو آپ کے دعاوی پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور

جلوت میں ان اخلاق کا نمونہ

مخالفانہ جوش لے کر آتے۔ اور آپ کی مجلس ہی میں جو منہ میں آتا کہہ دیتے۔ خیال تو کریں۔ کہ ایک شخص اپنے خدام اور جان نثار مریدین کے حلقہ میں بیٹھا ہے۔ جو اسے خدا کا برگزیدہ مرسل یقین کرتے ہیں۔ اس کی عزت اسکی شان انکی نظر میں اتنی بلند ہے۔ کہ وہ کسی درجہ کے انسان کو اس کے مقابلہ میں وقعت اور رفعت نہیں دیتے۔ ایک شخص آتا ہے۔ اور اس زمرہ اور حلقہ میں بیٹھے ہوئے آقا کی شان میں بعض ناگفتنی باتیں کہہ جاتا ہے۔ جن میں عام اور اخلاقی شرافت اور ادب مجلس کا بھی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اگر کوئی دنیا دار آدمی ہوتا۔ تو خدا جانے ایسے موقعوں پر وہ خود کیا کر گزرتا۔ یا اس کے جان نثار مرید کیا کر دیتے۔ اور وہ دونوں ہی اخلاقی حیثیت یا قانونی پیمانہ سے برسرحق ہوتے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجلس میں میں نے اپنی آنکھ سے بعض ایسے مواقع دیکھے ہیں کہ آپ کی مخالفت میں ایک شخص نے جو چاہا کہا۔ آپ پورے حوصلہ صبر اور سکون معاً وقار سے سنتے رہے ہیں۔ اور اس کی بدزبانی اور شوخی کا جواب نہایت محبت و اخلاص سے دیا ہے اور اپنی قوت انتقام اور زبردست قوت قدسی سے اپنے خدام پر بھی ایسا اثر ڈالا ہے۔ کہ انہیں جوش میں نہیں آنے دیا۔

متعدد مرتبہ ایسے واقعات پیش آئے کہ جہاں نہایت ہی نرم دل اور مسکین

انسان بھی جوش میں آسکتا ہے۔ اور خواہ وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ کم از کم اپنی زبان سے ہی اپنے جذبات کا اظہار کر سکتا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عمل سے دکھایا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے قلب کو غضب کی زہر اور انتقامی جوش کے فساد سے بالکل پاک و صاف کر دیا ہے۔

لاہور کے دو واقعات

۱۸۹۲ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے دعویٰ مسیحیت کے بعد لاہور تشریف لے گئے۔

اولاً آپ منشی میراں بخش صاحب اکاؤنٹنٹ کے مکان پر اترے ہوئے تھے۔ بعد میں آپ لنگے منڈی کی طرف محبوب رائیوں کے مکان میں چلے گئے۔ نماز آپ میاں چراغ دین مرحوم کے گھر کے پاس ایک مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔ مکرمی مولوی رحیم اللہ صاحب مرحوم اس مسجد کے امام تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز پڑھ کر گھر کو جا رہے تھے۔ خدام آپ کے ساتھ تھے خاکسار عرفانی بھی ان ہمراہیوں میں شرکت کی عزت رکھتا ہے۔ اور آج اپنے بخت رسا پر ناز کرتا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

ادعائے مہدی کا حملہ اور حضرت کا جوشِ رحمت

بابا پیغمبرا سنگھ صاحب کے بھائی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہوا تھا۔ اور وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مَھْدِیْ رَسُوْلُ اللّٰہ کا کلمہ پڑھا کرتا تھا۔ اس نے پیچھے سے آکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حملہ کر دیا۔ اور آپ کی کمر میں ہاتھ ڈال کے آپ کو گرا دینا چاہا۔ حضرت سنبھل گئے اور خدام نے اسے پکڑ لیا۔ وہ اپنی زبان پر بے قابو تھا۔ جو منہ میں آتا کہہ رہا تھا۔ حضرت کے خدام کو سخت طیش آیا۔ اور مخدومی حضرت سید خصیلت علی شاہ صاحب مرحوم کو تو سخت غصہ آیا۔ اور قریب تھا کہ وہ حملہ آور مہدی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ حضرت نے خدام کے اس جوش کو دیکھا۔ آپ کو اس کی حرکت کا ذرا بھی خیال نہ آیا۔ فرمایا جانے دو معذور ہے اور سخت تاکیدی حکم دیا۔ کہ کوئی اس کو کچھ نہ کہے۔ اور ہرگز نہ

چھیڑے۔ اس کو لوگوں نے پکڑ لیا تھا۔ حضرت روانہ ہوئے اور خلاف عادت ہر دو چار قدم کے بعد مڑ کر دیکھتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ دیکھو کوئی کچھ نہ کہے یہ معذور ہے۔ اور اسی طرح اپنے مکان میں آپ پہنچ گئے۔ اس کو چھوڑ دیا گیا اور وہ پھر پیچھے آیا اور مکان کے سامنے کھڑا ہو کر اپنی تقریر کرتا رہا۔ مگر حضرت بار بار تاکید فرماتے تھے کہ اس کو کچھ نہ کہا جاوے صبر کرنا چاہئے۔ میں جانتا ہوں۔ کہ یہ محض حضور کی قوت قدسی کا اثر تھا۔ ورنہ اس وقت خدام میں ایسا جوش تھا۔ کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ اس واقعہ کی نوعیت پر غور کرو۔ ایک شارع عام پر ایک شخص مجنونانہ حملہ کرتا ہے اور زبانی ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں دیتا۔ حضرت کو اس وقت پوری قدرت اور طاقت حاصل ہے۔ کہ اس سے انتقام لیں اور اس کو اپنی شرارت کا مزہ چکھانے کے لئے خدام اپنی جان کی قیمت دینے کو تیار ہیں۔ اور اگر اس قسم کا کوئی عمل بھی نہ ہوتا تب بھی اس کو قانونی سلوک سے سزا دلائی جا سکتی تھی۔ مگر حضرت نے اس کی اس مجنونانہ حرکت پر کچھ بھی نوٹس نہ لیا۔ اور اپنے جذبات رحمت و شفقت کا نمونہ دکھایا۔ اور کامل حوصلہ اور حلم سے اس ساری تکلیف کو پی گئے۔

ایک دنیا دار سربازار اپنے اوپر اس قسم کا حملہ دیکھ کر خدا جانے کیا کر گزرتا۔ وہ اپنی عزت و آبرو اپنے درجہ اور مقام کے بتوں کو دیکھتا ہوا مر جاتا۔ اور جوش میں جو جائز ہوتا اندھا ہو جاتا۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس واقعہ پر سے ایسے گزر گئے کہ گویا کچھ بھی تو نہیں ہوا۔

ایک بدزبان بھری مجلس میں

پھر اسی محبوب رائیوں والے مکان کا واقعہ ہے۔ ایک جلسہ میں جہاں تک مجھے یاد ہے ایک برہمو لیڈر (غالباً" اناش موزمدار بابو تھے) حضرت سے کچھ استفسار کر رہے تھے۔ اور حضرت جواب دیتے تھے۔ اسی اثناء میں ایک بدزبان مخالف آیا۔ اور اس نے حضرت کے بالمقابل نہایت دل آزار اور گندے حملے آپ پر کئے۔ وہ

نظارہ میرے اس وقت بھی سامنے ہے۔ آپ منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے جیسا کہ اکثر آپ کا معمول تھا۔ کہ پگڑی کے شملہ کا ایک حصہ منہ پر رکھ کر یا بعض اوقات صرف ہاتھ رکھ کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ خاموش بیٹھے رہے اور وہ شور پشت بکتا رہا۔ آپ اس طرح پر مست اور مگن بیٹھے تھے۔ کہ گویا کچھ ہو نہیں رہا۔ یا کوئی نہایت ہی شیریں مقال گفتگو کر رہا ہے۔ برہمو لیڈر نے اسے منع کرنا چاہا۔ مگر اس نے پرواہ نہ کی۔ حضرت نے ان کو فرمایا کہ آپ اسے کچھ نہ کہیں کہنے دیجئے۔ آخر وہ خود ہی بکواس کر کے تھک گیا۔ اور اٹھ کر چلا گیا۔ برہمو لیڈر بے حد متاثر ہوا اور اس نے کہا کہ یہ آپ کا بہت بڑا اخلاقی معجزہ ہے اس وقت حضور اسے چپ کرا سکتے تھے اپنے مکان سے نکال سکتے تھے۔ اور بکواس کرنے پر آپ کے ایک ادنیٰ اشارہ سے اس کی زبان کاٹی جا سکتی تھی۔ مگر آپ نے اپنے کامل حلم اور ضبط نفس کا عملی ثبوت دیا۔

میر عباس علی صاحب کی شوخی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ضبط

میر عباس علی صاحب کے نام سے سلسلہ میں نئے آنے والے لوگ بہت ہی کم واقف ہو سکتے ہیں۔ میر صاحب ایک انگریزی خواں لودہانہ کے صوفی تھے۔ اور شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ نہایت محبت و اخلاص کا دعویٰ رکھتے تھے۔ براہین احمدیہ کی اشاعت میں انہوں نے بہت محنت کی مگر دعوائے مسیحیت کے ساتھ انکو بدظنی ہوئی۔ اور کوئی پنہانی معصیت انہیں انکار و تکذیب کی طرف لے گئی۔ جالندھر کے مقام پر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور بیٹھے ہوئے اعتراضات کر رہے تھے۔ حضرت مخدوم الملت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اور مجھے خود انہوں نے ہی یہ واقعہ سنایا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں دیکھتا تھا۔ کہ میر عباس علی صاحب ایک اعتراض کرتے اور

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہایت شفقت و رافت اور نرمی سے اس کا جواب دیتے تھے اور جوں جوں حضرت صاحب اپنے جواب اور طریق خطاب میں نرمی اور محبت کا پہلو اختیار کرتے میر صاحب کا جواب بڑھتا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ

کھلی کھلی بے حیائی اور بے ادبی پر اتر آیا

اور تمام تعلقات دیرینہ اور شرافت کے پہلوؤں کو ترک کرکے تو تو میں میں پر آگیا۔ میں دیکھتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس حالت میں اسے یہی فرماتے۔ جناب میر صاحب آپ میرے ساتھ چلیں میرے پاس رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کوئی نشان ظاہر کردے گا۔ اور آپ کو راہنمائی کرے گا۔ وغیرہ وغیرہ مگر میر صاحب کا غصہ اور بے باکی بہت بڑھتی گئی۔

مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت کے حلم اور ضبط نفس کو دیکھتے ہوئے بھی میر عباس علی صاحب کی اس سبک سری کو برداشت نہ کرسکا۔ اور میں جو دیر سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اور اپنے آپ کو بے غیرتی کا مجرم سمجھ رہا تھا۔ کہ میرے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ اس طرح پر حملہ کر رہا ہے۔ اور میں خاموش بیٹھا ہوں مجھ سے نہ رہا گیا۔ اور میں باوجود اپنی معذوری کے اس پر لپکا اور للکارا اور ایک تیز آوازہ اس پر کسا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ اٹھ کر بھاگ گیا۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ضبط نفس اور حلم کا جو نمونہ دکھایا۔ میں اسے دیکھتا تھا۔ اور اپنی حرکت پر منفعل ہوتا تھا۔ مگر مجھے خوشی بھی تھی۔ کہ میں نے اپنے آپ کو بے غیرتی کا مجرم نہیں بنایا۔ کہ وہ میرے سامنے حضرت کی شان میں ناگفتنی بات کہے اور میں سنتا رہوں۔ گو بعد کی معرفت سے مجھ پر یہ کھلا کہ حضرت کا ادب میرے اس جوش پر غالب آنا چاہئے تھا۔

یہ واقعہ اپنی سادگی کے لحاظ سے بالکل معمولی معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہم اپنے نفس پر غور کریں۔ کہ کیا ہم اپنے نفس پر ایسا ہی قابو رکھ سکتے ہیں جبکہ ایک شخص جو مخالف الرائے ہو ہمارے خلاف کوئی بات ہمارے منہ پر کہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ

اس میں حق کی نہیں بلکہ غضب اور تاریک عداوت کی مرارت بھی ملی ہوئی ہو۔ اور اس کا انداز سخن شرافت اور اخلاق کے عام معیار سے بھی گر گیا ہو۔

ضبط نفس مخدوم الملت کی آنکھ اور قلم سے

حضرت مخدوم الملت کا ایک بیان کردہ واقعہ میں اوپر دے چکا ہوں۔ اجمالی طور پر انہوں نے حضرت کے ضبط نفس اور حوصلہ کے متعلق جو لکھا ہے۔ درج کرتا ہوں۔

"مجلس میں آپ کسی دشمن کا ذکر نہیں کرتے۔ اور جو کسی کی تحریک سے ذکر آجائے۔ تو برے نام سے یاد نہیں کرتے۔ یہ ایک بیّن ثبوت ہے۔ کہ آپ کے دل میں کوئی جلانے والی آگ نہیں۔ ورنہ جس طرح کی ایذا قوم نے دی ہے۔ اور جو سلوک مولویوں نے کیا ہے۔ اگر آپ اسے واقعی دنیادار کی طرح محسوس کرتے تو رات دن کڑھتے رہتے۔ اور اریھر کر انہیں کا مذکور درمیان لاتے۔ اور یوں حواس پریشان ہو جاتے اور کاروبار میں خلل آجاتا۔ زٹلی جیسی گالیاں دینے والا۔ عرب کے مشرک بھی حضور سید سرور عالم کے مقابل پر نہ لا سکے۔ مگر میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ یہ ناپاک پرچہ اوقات گرامی میں کوئی بھی خلل کبھی بھی ڈال نہیں سکا۔ تحریر میں ان موذیوں کا بر محل ذکر کوئی دیکھے تو یہ شاید خیال کرے کہ رات دن انہیں مفسدین کا آپ ذکر کرتے ہوں گے۔ مگر ایک مجسٹریٹ کی طرح جو اپنی مفوضہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر پھر کسی کی ڈگری یا ڈسمس یا سزا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور نہ اسے درحقیقت کسی سے ذاتی لگاؤ یا اشتعال ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت تحریر میں ابطال باطل اور احقاق حق کے لئے لوجہ اللہ لکھتے ہیں۔ آپ کے نفس کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ایک روز فرمایا میں اپنے نفس پر اتنا قابو رکھتا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ نے میرے نفس کو ایسا مسلمان بنایا ہے کہ اگر کوئی

شخص ایک سال بھر میرے سامنے بیٹھ کر میرے نفس کو گندی سے گندی گالی دیتا رہے۔ آخر وہی شرمندہ ہوگا۔ اور اسے اقرار کرنا پڑے گا کہ وہ میرے پاؤں جگہ سے اکھاڑ نہ سکا۔ آپ کی استقامت اور قوت قلب الوالعزم انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی طرح کسی ترہیب اور رعب انداز نظارہ سے متاثر نہیں ہوتی۔ کوئی ہولناک واقعہ اور غم انگیز سانحہ آپ کی توجہ کو منتشر اور مفوض کام سے غافل نہیں کر سکتا۔ اقدام قتل کا مقدمہ جیسے پادریوں نے برپا کیا اور جنکی تائید میں بعض ناعاقبت اندیش نام کے مسلمان اور آریہ بھی شامل ہو گئے تھے۔ ایک دنیا دار کا پتہ پگھلا دینے اور اس کا دل پریشان اور حواس مختل کر دینے کو کافی تھا۔ مگر حضرت کے کسی معاملہ میں لکھنے میں۔ معاشرت میں۔ باہر خدام سے کشادہ پیشانی اور رافت سے ملنے میں غرض کسی حرکت و سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔ کوئی آدمی قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کہ آپ پر کوئی مقدمہ ہے۔ کسی خوفناک رپورٹ کو جو کسی وقت کسی دوست کی طرف سے پہنچی ہے کہ فلاں شخص نے یہ مخبری کی ہے اور فلاں جگہ بڑی بڑی سازشیں آپ کے خلاف ہو رہی ہیں۔ اور فلاں شخص شملہ کے پہاڑوں سے سر ٹکراتا اور ماتھا پھوڑتا پھرتا ہے۔ کہ آپ کے دامن عزت پر اپنے ناپاک خون کا کوئی دھبہ ہی لگا دے، کبھی آپ نے مرغوب دل سے نہیں سنا۔ آپ ہمیشہ فرماتے ہیں کہ کوئی معاملہ زمین پر واقعہ نہیں ہوتا۔ جب تک پہلے آسمان پر طے نہ ہو جائے۔ اور خدا تعالٰی کے ارادہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اپنے بندہ کو ذلیل اور ضائع نہیں کرے گا۔ یہ ایک ایسا رکن شدید ہے جو ہر مصیبت میں آپ کا حصن حصین ہے۔ میں مختلف شہروں اور ناگوار نظاروں میں آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ دہلی کے ناشکر گزار اور جلد باز مخلوق کے مقابل۔ پٹیالہ، جالندھر، کپورتھلہ، امرتسر، لاہور، اور سیالکوٹ کے

مخالفوں کی متفق اور منفرد اور دل آزار کوششوں کے مقابل میں آپ کا حیرت انگیز صبر اور حلم اور ثبات دیکھا ہے۔ کبھی آپ نے خلوت میں یا جلوت میں ذکر تک نہیں کیا کہ فلاں شخص یا فلاں قوم نے ہمارے خلاف یہ ناشائستہ حرکت کی ہے اور فلاں نے زبان سے یہ نکالا۔ میں صاف دیکھتا تھا کہ آپ ایک پہاڑ ہیں کہ ناتواں پست ہمت چوہے اس میں سرنگ کھود نہیں سکتے۔ ایک دفعہ آپ نے جالندھر کے مقام میں فرمایا۔ ابتلا کے وقت ہمیں اندیشہ اپنی جماعت کے بعض ضعیف دلوں کا ہوتا ہے۔ میرا تو یہ حال ہے کہ اگر مجھے صاف آواز آوے کہ تو مخذول ہے۔ اور تیری کوئی مراد ہم پوری نہ کریں گے۔ تو مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس عشق و محبت الٰہی اور خدمت دین میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اس لئے کہ میں تو اسے دیکھ چکا ہوں۔ اور یہ پڑھا هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا"

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۵۱،۵۲)

ایک بد زبان ہندوستانی اور حضرت کا حوصلہ

"آپ دینی سائل کو خواہ کیسا ہی بے باکی سے بات چیت کرے اور گفتگو بھی آپ کے دعویٰ کے متعلق ہو۔ بڑی نرمی سے جواب دیتے اور تحمل سے کوشش کرتے ہیں کہ آپ کا مطلب سمجھ جائے۔ ایک روز ایک ہندوستانی جس کو اپنے علم پر بڑا ناز تھا۔ اور اپنے تئیں جہاں گرد اور سرد وگرم زمانہ دیدہ و چشیدہ ظاہر کرتا تھا۔ ہماری مسجد میں آیا۔ اور حضرت سے آپ کے دعویٰ کی نسبت بڑی گستاخی سے باب کلام وا کیا۔ اور تھوڑی گفتگو کے بعد کئی دفعہ کہا آپ اپنے دعویٰ میں کاذب ہیں۔ اور میں نے ایسے مکار بہت سے دیکھے ہیں۔ اور میں تو ایسے کئی بغل میں دبائے پھرتا ہوں۔ غرض ایسے ہی بے باکانہ الفاظ کہے مگر آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا بڑے سکون سے سنا کئے۔ اور پھر بڑی نرمی سے اپنی نوبت پر کلام

شروع کیا۔ کسی کا کلام کیسا ہی بے ہودہ اور بے موقعہ ہو اور کسی کا کوئی مضمون نظم میں یا نثر میں کیسا ہی بے ربط اور غیر موزوں ہو۔ آپ نے سننے کے وقت یا بعد خلوت میں کبھی نفرت اور ملامت کا اظہار نہیں کیا۔ بسا اوقات بعض سامعین اس دلخراش لغو کلام سے گھبرا کر اٹھ گئے ہیں اور آپس میں نفریں کے طور پر کانا پھوسی کی ہے۔ اور مجلس کے برخاست ہونے کے بعد تو ہر ایک نے اپنے اپنے حوصلے اور ارمان بھی نکالے ہیں۔ مگر مظہر خدا حلیم اور شاکر ذات نے کبھی بھی ایسا کوئی اشارہ کنایہ نہیں کیا۔"

(سیرت مسیح موعود صفحہ ۴۴ مصنفہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ

شیخ عبد الرحمان صاحب فرید آبادی کا واقعہ

میرے نہایت ہی مکرم بھائی اور مخلص دوست ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادیؓ کے نام سے بہت لوگ واقف نہیں۔ میں انشاء اللہ العزیز توفیق ملنے پر ان کا تذکرہ لکھوں گا۔ وہ ایک قابل جرنلسٹ اور پنجاب کے بعض مشہور اخبارات چودہویں صدی اور وکیل کے ایڈیٹر رہ چکے تھے وہ بڑے شہروں میں اپنے قلم سے بہت کچھ کما سکتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ کی رضاء محض کے لئے قادیان ہجرت کر کے آگئے۔ اور منزل مقصود کو پالیا۔ ان کے ایک بھائی شیخ عبد الرحمان صاحب ہیں۔ میں نے ماسٹر صاحب کی تحریک پر حضرت نواب محمد علی صاحب قبلہ کے صاحبزادوں کی خدمت کے لئے ان کو رکھوا دیا۔ ان ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور لوگ شام کو اپنے مضامین نظم و نثر سنایا کرتے تھے۔ میں نے شیخ صاحب کو تحریک کی کہ آپ بھی کوئی نظم لکھیں۔ وہ سادہ مزاج ہیں انہوں نے بھی ایک بے ربط سی نظم لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

نوابین نے جبکہ ہم کو پکارا رہا افراتفری میں مضموں ہمارا

یہ نظم جب انہوں نے پڑھی تو مجلس میں عجب لطف پیدا ہو گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محبت آمیز تبسم سے اسے سنا۔ اور جب تک انہوں نے ختم نہ

کر لیا۔ نہایت صبر اور حوصلہ سے سنتے رہے۔ یہ واقعہ تو ضمناً" موقعہ کی مناسبت سے آگیا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ حضرت کے حضور بعض اوقات ایسے لوگ پیش ہوئے ہیں۔ جنہوں نے نہایت شوخی اور بے باکی سے گفتگو کی۔ اور ایسی باتیں کیں۔ جو آپ کو اور حاضرین کو جوش دلا سکتی تھیں۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ حاضرین میں سے کوئی برداشت نہ کر سکا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہایت حوصلہ اور صبر کے ساتھ سنتے اور جب جواب دینے لگتے تو اس میں محبت اور ہمدردی کے جذبات شرافت و متانت عالی ہمتی اور خود ضبطی کی تاثیرات نمایاں ہوتی تھیں۔ خود اس گستاخ اور بے ادب معترض اور مخالف کو بھی شرم آجاتی تھی۔ اور خدام اور مخلصین کی تو روحانی تربیت اور منازل سلوک کو طے کرانے کا طریق ہی یہ ہو گیا تھا۔

۲۹ جنوری ۱۹۰۴ء کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت کے حضور ایک گالیاں دینے والے اخبار کا تذکرہ آیا فرمایا صبر کرنا چاہئے ان گالیوں سے کیا ہوتا ہے۔ ایسا ہی آنحضرت ﷺ کے وقت کے لوگ آپ کی مذمت کیا کرتے تھے۔ اور آپ کو نعوذ باللہ مذمّم کہا کرتے تھے۔ تو آپ ہنس کر فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں ان کی مذمت کو کیا کروں۔ میرا نام تو اللہ تعالیٰ نے محمد رکھا ہوا ہے (ﷺ) اسی طرح اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میری نسبت فرمایا۔ یَحْمَدُکَ اللّٰہُ مِنْ عَرْشِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے تیری حمد (تعریف) کرتا ہے۔ یہ وحی براہین احمدیہ میں موجود ہے۔

آپ کی طبیعت پر اس قسم کی غصہ دلانے والی باتیں اثر ہی نہیں کرتی تھیں۔ کہ آپ کو گالیوں کا جواب اسی رنگ میں دینے کی تحریک ہوتی۔ آپ ایسے لوگوں کے لئے دعا دیتے۔ جیسا کہ فرمایا۔

گالیاں سن کر دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو　　رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

ایک لکھنوی حضرت مسیح موعود کی خدمت میں اس کی شوخیاں اور حضرت کا حلم وضبط نفس

۱۳۔ فروری ۱۹۰۳ء کو ایک ڈاکٹر صاحب لکھنؤ سے تشریف لائے۔ بقول ان کے وہ بغدادی الاصل تھے۔ اور عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم تھے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا۔ کہ چند احباب نے انکو حضرت مسیح موعود السلام کی خدمت میں بغرض دریافت حال بھیجا ہے۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کچھ سوال و جواب کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے بیان میں شوخی۔ استہزاء۔ اور بے باکی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ اور ان کی باتوں کا جواب دیتے تھے۔ سلسلہ کلام میں ایک موقعہ پر انہوں نے سوال کیا۔

نووارد۔ عربی میں آپ کا دعویٰ ہے کہ مجھ سے زیادہ فصیح کوئی نہیں لکھ سکتا۔

حضرت اقدس۔ ہاں

اس پر نووارد نے نہایت ہی شوخی اور مستہزیانہ طریق پر کہا کہ بے ادبی معاف۔ آپ کی زبان سے تو قاف بھی نہیں نکل سکتا۔ میں خود اس مجلس میں موجود تھا۔ اس کا طریق بیان بہت کچھ دکھ دہ تھا ایسا تکلیف دہ تھا۔ کہ ہم اسے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ مگر حضرت کے حلم کی وجہ سے خاموش تھے۔ لیکن حضرت صاحبزادہ مولانا عبدالطیف صاحب شہید مرحوم ؓ ضبط نہ کر سکے۔ اور وہ اس کی طرف لپک کر بولے کہ

یہ حضرت اقدس ہی کا حوصلہ ہے۔

سلسلہ کلام کسی قدر بڑھ گیا۔ اور قریب تھا۔ کہ دونوں صاحب باہم گتھ جاویں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخلص اور جاں نثار و غیور فدائی کو روک دیا۔ اس پر نووارد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے

کہا کہ استہزا اور گالیاں سننا انبیاء کا ورثہ ہے حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ ہم تو ناراض نہیں ہوتے۔ یہاں تو خاکساری ہے۔ اور جب اس نے قاف ادا نہ کرنے کا حملہ کیا۔ تو حضرت اقدس نے فرمایا "میں لکھنؤ کا رہنے والا تو نہیں ہوں۔ کہ میرا لہجہ لکھنوی ہو میں تو پنجابی ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی یہ اعتراض ہوا کہ لَا یَکَادُ یُبِیْنُ۔ اور احادیث میں مہدی کی نسبت بھی آیا ہے کہ اس کی زبان میں لکنت ہوگی"۔

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب سے جب یہ واقعہ پیش آیا۔ تو حضرت نے اپنی جماعت موجودہ کو خطاب کرکے فرمایا۔

"میرے اصول کے موافق اگر کوئی مہمان آوے اور سب و شتم تک بھی نوبت پہنچ جاوے تو اس کو گوارا کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ مریدوں میں تو داخل نہیں ہے۔ ہمارا کیا حق ہے کہ ہم اس سے وہ ادب اور ارادت چاہیں جو مریدوں سے چاہتے ہیں۔ یہ بھی ہم انکا احسان سمجھتے ہیں کہ نرمی سے باتیں کریں۔

"پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ زیارت کرنے والے کا تیرے پر حق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اگر مہمان کو ذرا سا بھی رنج ہو۔ تو وہ معصیت میں داخل ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ ٹھہریں۔ چونکہ کلمہ کا اشتراک ہے۔ جب تک یہ نہ سمجھیں جو کہیں ان کا حق ہے"۔

(الحکم ۲۱ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵)

وہی ڈاکٹر صاحب پھر کچھ دن اور ٹھہرے۔ اور صبح و شام حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سوال کرتے رہے اور جواب سنتے رہے میں نے اس سوال و جواب کو انہی ایام میں شائع کر دیا تھا۔ آخر میں نووارد ڈاکٹر نے دعا کے لئے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا "دعا تو میں ہندو کے لئے بھی کرتا ہوں۔ مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ امر مکروہ ہے کہ اس کا امتحان لیا جاوے میں دعا کروں گا آپ وقتاً فوقتاً یاد دلاتے رہیں۔ اگر

کچھ ظاہر ہوا تو اس سے بھی اطلاع دوں گا۔ مگر یہ میرا کام نہیں۔ خدا تعالیٰ چاہے تو ظاہر کر دے۔ وہ کسی کی منشاء کے ماتحت نہیں ہے بلکہ وہ خدا ہے اور غالب علی امرہ ہے۔ ایمان کو کسی امر سے وابستہ کرنا منع ہے۔ مشروط بالشرائط ایمان کمزور ہوتا ہے نیکی میں ترقی کرنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ ہمدردی کرنا ہمارا فرض ہے اس کے لئے شرائط کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہوگا۔ کہ آپ ہنسی ٹھٹھے کی مجلسوں سے دور رہیں۔ یہ وقت رونے کا ہے۔ نہ ہنسی کا۔ اب آپ جائیں گے موت حیات کا پتہ نہیں۔ دو تین ہفتہ تک تو سچے تقویٰ سے دعائیں مانگو کہ الٰہی مجھے معلوم نہیں تو ہی حقیقت کو جانتا ہے۔ مجھے اطلاع دے اگر صادق ہے تو اس کے انکار سے ہلاک نہ ہو جاؤں۔ اور اگر کاذب ہے تو اس کے اتباع سے بچا اللہ تعالیٰ چاہے تو اصل امر کو ظاہر کر دے"

(اخبار الحکم ۲۱ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۹)

اس پر نووارد نے عرض کیا۔ "میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں بہت برا ارادہ کر کے آیا تھا۔ کہ میں آپ سے استہزا کروں اور گستاخی کروں۔ مگر خدا نے میرے ارادہ کو رد کر دیا۔ میں اب اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ جو فتویٰ آپ کے خلاف دیا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اور میں زور دیکر نہیں کہہ سکتا۔ کہ آپ مسیح موعود نہیں ہیں۔ بلکہ مسیح موعود ہونے کا پہلو زیادہ زور آور ہے۔ اور میں کسی حد تک کہہ سکتا ہوں۔ کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ جہاں تک میری عقل اور سمجھ تھی۔ میں نے آپ سے فیض حاصل کیا ہے۔ اور جو کچھ میں نے سمجھا ہے۔ میں ان لوگوں پر ظاہر کروں گا۔ جنہوں نے مجھے منتخب کر کے بھیجا ہے۔ کل میری اور رائے تھی اور آج اور ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر ایک پہلوان بغیر لڑنے کے زیر ہو جائے۔ تو وہ نامرد کہلائے گا۔ اس لئے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ بدوں اعترض کئے تسلیم کر لیتا"۔ (ایضاً)

الغرض وہ نووارد ڈاکٹر یہ اثر لیکر چلے گئے۔ اس ملاقات اور مکالمات کا جو ذکر میں نے کیا ہے۔ اور جس کو آج سے ۲۴ برس پیشتر میں شائع کر چکا ہوں۔ اس سے بہت سی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق اور شمائل کے کئی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

اول- آپ کو اپنے مجاب اللہ ہونے پر کس قدر بصیرت اور ایمان تھا۔

دوم- آپ کا طریق استدلال ہمیشہ علیٰ منہاج نبوت تھا۔

سوم- آپ کے تلخ ترین دشمن جو مختلف قسم کے منصوبے اور ارادے لیکر آتے تھے۔ وہ بھی آپ کے دعوے کو نبیوں کا دعویٰ سمجھتے تھے۔

چہارم- آپ اکرام ضیف اور مہمان نوازی کے لئے کس قدر حوصلہ اور وسعت اپنے قلب میں رکھتے تھے۔ اور آپ کا قلب مطہّر اس کو جائز ہی نہ رکھ سکتا کہ مہمان کو کچھ بھی رنج ہو۔

پنجم- آپ کا حوصلہ اور حلم اس قدر وسیع اور آپ کو اپنے جذبات پر اس قدر قوت اور قدرت حاصل تھی۔ کہ تلخ سے تلخ بات جو اشتعال اور جوش دلا سکتی ہے۔ وہ آپ کے قلب کو مقام سکینت اور وقار سے ہلا نہیں سکتی تھی۔

ششم- آپ کے مزاج میں اس قدر انصاف تھا کہ آپ نے ایک مخالف کا یہ حق تسلیم کر لیا۔ کہ وہ جو چاہے کہے۔ اس لئے کہ وہ عقیدت مند نہیں۔ اور اس سے وہ توقع نہیں کرنی چاہئے۔ جو ایک راسخ الاعتقاد مرید سے ہو سکتی ہے۔

ہفتم- خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسی فراست اور نور عطا کیا تھا کہ آپ شرارت کے نکتہ خیال سے آنے والے کو بھی پہچان جاتے تھے۔ یہ شخص جیسا کہ اس نے خود اعتراف کیا۔ دل میں بڑے ارادے اور منصوبے استہزا اور ٹھٹھے کے لیکر آیا تھا۔ مگر اپنے ارادوں میں ناکام رہا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق بھی اس کے سامنے ہو گئی جو یَحْمَدُکَ اللّٰہُ مِنْ عَرْشِہٖ ہے۔

ہشتم- یہ اصل بھی ثابت ہو گیا ہے کہ آپ نے جو ہمیشہ جماعت کو قرآن مجید

کی اس تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ "اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" ہی صحیح اور موثر طریق تبلیغ ہے۔

نہم۔ آپ اپنی نبوت پر یقین رکھتے تھے۔ اور آپ علیٰ وجہ البصیرۃ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے طرز پر اپنی صداقت کو پیش کرتے تھے۔

ان امور پر تفصیلی بحث ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اس ملاقات و مکالمات سے کس طرح پر ثابت ہیں۔ لیکن یہ مقام اس مقصد کے لئے نہیں مجھے صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوصلہ اور حلم کے ایک موقع کو پیش کرنا تھا کہ ایسے مواقع پر بھی جب کہ دوسروں کو اشتعال اور جوش ہو سکتا تھا۔ آپ صبر اور حوصلہ سے کام لے کر عملاً" جماعت کی تربیت فرماتے تھے میں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کا حوصلہ اور حلم اسی حد تک تھا۔ جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہوتا تھا۔ شعائراللہ کی ہتک اور توہین آپ برداشت نہ کرتے تھے۔ اس لئے کہ یہ غیرت دینی کے خلاف تھا چنانچہ حضرت مخدوم الملت اس خصوص میں فرماتے ہیں۔

"آپ بچوں کی خبرگیری اور پرورش اس طرح کرتے ہیں۔ کہ ایک سرسری دیکھنے والا گمان کرے۔ کہ آپ سے زیادہ اولاد کی محبت کسی کو نہ ہوگی۔ اور بیماری میں اس قدر توجہ کرتے ہیں اور تیمارداری اور علاج میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ گویا اور کوئی فکر ہی نہیں۔ مگر باریک بین دیکھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اور خدا کے لئے اس کی ضعیف مخلوق کی رعایت اور پرورش مدنظر ہے۔ آپ کی پہلوٹھی بیٹی عصمت لدھیانہ میں ہیضہ سے بیمار ہوئی۔ آپ اس کے علاج میں یوں دوا دوی کرتے۔ کہ گویا اس کے بغیر زندگی محال ہے اور ایک دنیادار دنیا کی عرف واصطلاح میں اولاد کا بھوکا اور شیفتہ اس سے زیادہ جانکاہی کر نہیں سکتا مگر جب وہ مر گئی آپ یوں الگ ہو گئے کہ گویا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اور جب سے کبھی ذکر تک نہیں کیا۔ کہ کوئی لڑکی تھی۔ یہ مصالحت اور مسالمت خدا

کی قضاء و قدر سے بجز منجانب اللہ لوگوں کے ممکن نہیں۔ کوئی نوکر گو کتنا بڑا نقصان کر دے۔ آپ معاف کر دیتے۔ اور معمولی چشم نمائی بھی نہیں کرتے۔ حامد علی کو کچھ لفافے اور کارڈ ڈاک خانہ میں ڈالنے کو دیئے۔ فراموش کار حامد علی کسی اور کام میں مصروف ہو گیا۔ اور اپنے مفوض کام کو بھول گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد محمود جو ہنوز بچہ تھا۔ کچھ لفافے اور کارڈ لئے دوڑا آیا۔ کہ ابا ہم نے کوڑے کے ڈھیر سے خط نکالے ہیں۔ آپ نے دیکھا تو وہی خط تھے جن میں بعض رجسٹرڈ خط تھے۔ اور آپ ان کے جواب کے منتظر تھے۔ حامد علی کو بلوایا۔ اور خط دکھا کر بڑی نرمی سے صرف اتنا ہی کہا۔ حامد علی تمہیں نسیان بہت ہو گیا ہے۔ فکر سے کام کیا کرو۔

” ایک ہی چیز ہے جو آپ کو متاثر کرتی اور جنبش میں لاتی اور حد سے زیادہ غصہ دلاتی ہے وہ ہے ہتک حرمات اللہ۔ اور اہانت شعائر اللہ۔ فرمایا۔ میری جائیداد کا تباہ ہونا اور میرے بچوں کا آنکھوں کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہونا مجھ پر آسان ہے۔ بہ نسبت دین کی ہتک اور استخفاف کے دیکھنے اور اس پر صبر کرنے کے۔ جن دنوں میں وہ موذی اور خبیث کتاب ”امہات المومنین“ جس میں بجز دل آزاری کے اور کوئی معقول بات نہیں۔ چھپ کر آئی ہے۔ اس قدر صدمہ اس کے دیکھنے سے آپ کو ہوا۔ کہ زبانی فرمایا۔ کہ ہمارا آرام تلخ ہو گیا ہے۔ یہ اسی صدمہ اور توجہ الی اللہ کا نتیجہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس باطل عظیم اور شرک جسیم (مسیح کی الوہیت اور کفارہ) کے استیصال کے لئے وہ حربہ آپ کے ہاتھ میں دیا۔ یعنی مرہم عیسیٰ اور مسیح کی قبر کا نشان کشمیر میں آپ کو ملا۔ نزدیک ہے دور نہیں کہ مسیح کی قبر اس باطل کے پرستاروں کے گھر گھر میں ماتم ڈالے۔ اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوں۔ اور اس رنج کو بھول

جائیں۔ جو اس ناپاک کتاب سے انہیں پہنچا"۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ ۵۳-۵۵)

سیالکوٹ کے سفر میں حلم و ضبط نفس کے نظارے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کی صبح کو ۲ بجے کے قریب دارالامان سے روانہ ہو کر اسی روز سیالکوٹ پہنچے۔ حضرت کا یہ سفر ایک ایفاء عہد کی وجہ سے تھا۔ گورداسپور میں مقدمات کا ایک سلسلہ عرصہ سے جاری تھا۔ انہی دنوں میں چند روز کے لئے حضور لاہور تشریف لے گئے۔ جماعت سیالکوٹ بھی اس موقعہ پر لاہور حاضر ہوئی۔ اور اس نے حضرت کے حضور سیالکوٹ جانے کے لئے درخواست کی جس کو حضور نے منظور فرمالیا تھا۔ اس عہد کو پورا کرنے کے لئے آپ ۲۷ اکتوبر کو روانہ ہوئے۔ اس سفر کے حالات سوانح حیات میں تفصیل سے انشاء اللہ آجائیں گے۔ مجھے اس مقام پر صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ضبط نفس اور حوصلہ و حلم کا ایک مرقع دکھانا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبر سنکر بڑے بڑے جگادری مخالف وہاں جمع ہو گئے تھے پیر جماعت علی شاہ صاحب سب کے پیشرو تھے۔ اور جعفرز ٹلی وغیرہ کو بھی بلا لیا گیا تھا۔ چنانچہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء کے الحکم میں میں نے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ

"آدم کے ابتدائی دشمن نے اپنی ہلاکت کو محسوس کرتے ہوئے مخالفت حق کا پہلو اختیار کرنا چاہا اس کے بعد ہمارے مخالف لوگوں نے امرتسر' لاہور اور دوسرے مقامات سے جہاں ان کو موقع ملا ان لوگوں کو بلایا۔ جو اس سلسلہ کی مخالفت اور تلخ اور نازیبا مخالفت میں دستار فضیلت حاصل کر چکے تھے۔ جوں جوں حضرت اقدس کی آمد کا شہرہ سیالکوٹ میں ہوتا گیا۔ اور آنے کے دن قریب ہوتے گئے۔ اسی قدر مخالفت کا بازار

گرم اور تیز ہو تا گیا"۔

غرض یہ تو ابتدائی تیاری تھی۔ لوگوں کو حضرت اقدس کی زیارت کے لئے نہ جانے کی ہدایت کی اور یہاں تک بھی کہ جو شخص وہاں جائے گا اس کی عورت پر طلاق ہو جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ اور جس راستہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لیکچر گاہ کو جانا تھا۔ وہاں مختلف مقامات پر بظاہر وعظ کے اڈے بنائے گئے۔ مگر در حقیقت وہ گالیوں اور بدزبانی استہزاء اور ٹھٹھا کرنے کے اڈے تھے میں نے اس وقت اس نظارہ کو دیکھ کر جو نوٹ لکھا تھا۔ اس جگہ اسے بجنسہ درج کرنا پسند کرتا ہوں۔

"راستہ میں گذرتے وقت مخالفوں کے اڈوں اور مجمعوں پر بھی ہم نے نظر کی وہاں کیا ہو تا تھا۔ ہم خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر بغیر کسی ضد یا تعصب کے لکھتے ہیں۔ کیونکہ ہم تو ان مخالفوں اور سب و شتم کرنے والوں کو اس کھیت کی کھاد سمجھتے ہیں۔ وہ اس بازار کی رونق کا ذریعہ ہیں۔ اور اس حسن کی خوبیوں کے اظہار کا باعث و نعم ما قیل

گر نبودے درمقابل روئے مکروہ و سیہ کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را
روشنی رانقدر از تاریکی است و تیرگی وز جہالت ہاست عزّ و قرعقل تام را
حجت صادق زنقض و قدح روشن تر شود عذر نا معقول ثابت میکند الزام را

"حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کے خدام کی سواری ان مجمعوں کے پاس سے گزری تو ان لوگوں نے کیا کیا۔ اس کا ذکر کرنا شاید اس کے بھول جانے سے بہتر ہو تا۔ مگر نہیں ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے کیا کیا۔ ان کے اشتہار پڑھ کر ہمیں خیال ہوا تھا کہ ان وعظ کے مجمعوں میں جیسا کہ ظاہر کیا گیا تھا۔ حقائق اور معارف قرآن بیان ہوتے ہونگے۔ لیکن ہماری حیرت اور تعجب اور اس کے ساتھ ہی افسوس بھی بڑھ گیا جب دیکھا کہ وہاں گالیوں کے سوا اور کوئی شغل نہیں۔ ان کی گالیاں سن کر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے استغنا اور کمال اعراض نے آپ کے قول کی فعل سے تصدیق کر دی۔

گالیاں سن کر دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے"

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی حالت کیا تھی۔ الفاظ میں پورا نقشہ نہیں دکھایا جا سکتا تھا۔ اور پاجی پن کی کیا تصریح کی جاوے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان گالیوں کو سنتے ہوئے پورے وقار صبر و سکون سے گذر گئے۔ جس روز حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ سے واپس ہوئے ہیں اس روز تو ان سفلہ مزاجوں نے حد ہی کر دی۔ اور اس قسم کے ناکردنی افعال کئے کہ ان کے بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے میں نے واقعات کے ذیل میں جس قدر متانت اور تہذیب سے ممکن تھا ان کا ذکر کیا ہے۔ لیکن خود اخبار اہل حدیث امرتسر نے جو سلسلہ کا پرانا دشمن ہے۔ اس وقت جن الفاظ میں ان نالائقوں کا نقشہ کھینچا ہے اور بڑی رعایت سے انکی حالت کو عریاں کیا ہے۔ وہ قابل غور ہے۔ اہل حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

"چنانچہ ان سے (مخالف مسلمانوں۔ عرفانی) جہاں تک ہو سکا انہوں نے مرزا صاحب کا ساتھ دیا۔ روانگی کے وقت بدستور ریلوے سٹیشن تک جیسا استقبال کیا تھا۔ اس سے بڑھ کر استدبار کیا۔ بلکہ ایک مزید بات یہ بھی ہوئی جو سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے قادیانی کرشن جی کی مہمامیں اپنے اسلامی اخلاق کو بھی بالائے طاق رکھ دیا چلتی گاڑی کے وقت اسٹیشن سے ایک طرف پرّہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور مرزا صاحب کی مستورات کے سامنے جوش جنون میں ننگے ہو کر ناچتے رہے"۔ (الحکم ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۴)

یہ وہ رائے ہے۔ جو سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ایک گستاخ و شوخ دشمن نے ظاہر کی

ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ ننگ انسانیت حرکت کرنے والا مجمع کس حد تک پہنچا ہوا تھا۔ میں جو ان حالات کو اپنی آنکھ سے دیکھنے والا ہوں سچ کہتا ہوں۔ کہ جو کچھ سلوک طائف کے گنڈوں اور شہدوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا تھا۔ اسی طرح یہاں آپ کے بروز احمد قادیانی سے سیالکوٹ میں اس جماعت نے کیا۔ جو مسلمانوں کی چیدہ و برگزیدہ علماء نے چند روز پہلے کے وعظ سے تیار کی تھی۔ خدا کا مامور و مرسل ان میں آیا۔ تاکہ خدا کا پیغام انہیں سناوے۔ اور تقرب الی اللہ کی راہیں بتائے۔ مگر انہوں نے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا۔ جو اہل طائف نے کیا تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ ننگ انسانیت دشمن طائف کے شریروں سے بھی آگے نکل گئے۔ گالیاں دیں۔ ننگے ہو کر ناچے۔ اور بالآخر پتھر مارے۔ طائف کے بدمعاشوں نے یہ تو نہیں کیا تھا۔ کہ وہ ننگے ہو کر ناچیں۔ اس قسم کی ایذادہی پر قیاس ہو سکتا ہے کہ اس کے جواب میں انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کیا گیا ہو گا۔ حضرت حجت اللہ مسیح موعود علیہ السلام ان جفا کاران کو دیکھتے۔ اور ان کے لئے دعا کرتے۔ اور نہایت درد دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور عرض کرتے۔

یارب بآب چشم من آن کسل شاں بشو کامروز ترشدست ازیں درد بسترم
امروز قوم من نہ شناسد مقام من روزے بگریہ یاد کند وقت خوشترم
ور تنگنائے حیرت و فکرم زقوم خویش یارب عنایتے کہ ازیں فکر مضطرم

بد گفتنم نوع عبادت شمردہ اند
در چشم شاں پلید تر از ہر مزورم

اور پھر اپنے دل کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
کآخر کنند دعویٰ حبِّ پیمبرم

بالآخر اپنے استغنا اور حوصلہ اور ضبط نفس کا عملاً ثبوت دیتے ہوئے زبان سے کہہ رہے تھے۔

از طعن دشمناں خبرے چوں شود مرا کاندر خیال دوست بخواب خوش اندرم
بدبوئے حاسداں نرساند زیاں بمن من ہر زماں زنافہ یادش معطرم

سیالکوٹ کا یہ منظر ہمیشہ اس سلسلہ کی تاریخ میں نمایاں رہے گا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حلم و حوصلہ کا ایک بین اور تاریخی ثبوت۔ اس قسم کے حالات اور واقعات صرف ایک جگہ ہی پیش نہیں آئے بلکہ جہاں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اعلائے کلمتہ الحق کے لئے خدا تعالیٰ کے اشارہ سے سفر کرنا پڑا۔ ہر جگہ اسی قسم کے مناظر پیش آئے۔ دہلی' لودہانہ' امرتسر میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ امرتسر کے مقام پر تو وہ طوفان بے تمیزی برپا کیا گیا۔ کہ وہاں کی پولیس اور مقامی حکام کو انتظام قائم رکھنے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے خدام کی حفاظت کا خاص طور پر انتظام کرنا پڑا۔ آپ کی گاڑی پر دور تک پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ میں اس لطف اور ذوق کو بیان نہیں کر سکتا۔ جو اس وقت ایمانی رنگ میں پیدا ہو رہا تھا۔ خاکسار عرفانی بھی اس گاڑی پر کوچوان کے ساتھ بیٹھنے کی سعادت رکھتا تھا۔ جس پر امرتسر کے لفنگے پتھر مار رہے تھے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک کھلا کھلا نشان تھا۔ کہ وہ پتھر ادہر سے ادہر نکل جاتے تھے۔ اور ہم محفوظ اور صحیح سلامت اپنے گھر پہنچ گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان تمام حالات میں پورے مطمئن اور مستقیم الاحوال تھے۔ نہ انہیں کسی قسم کا خوف تھا۔ اور نہ غم و غصہ بلکہ آپ کے رحم و لطف کے جذبات جوش میں تھے۔ اور مسلمانوں کی اس حالت پر افسوس کرتے تھے۔ کسی شخص کو آپ نے سختی اور برہمی سے جواب نہ دیا۔ اور نہ انکے لئے بددعا کی۔ اگرچہ خدا تعالیٰ نے جو اپنے مرسلوں کے لئے غیور ہوتا ہے۔ اور وہ عزیز ذوانتقام بھی ہے۔ اسی امرتسر میں جہاں اس کے مرسل پر پتھر برسائے گئے تھے۔ گولیوں کی بارش کرادی۔ اور تاریخی طور پر یہ عبرت بخش نظارہ ایک یادگار کے طور پر جلیانوالا باغ کی صورت میں قائم رہ گیا۔ احمق اور نادان اس قسم کے واقعات۔ سے سبق اور عبرت حاصل نہیں کیا کرتے۔ لیکن سنت الہٰی یہی ہے کہ وہ اپنا عتاب و عذاب مختلف

صورتوں میں نازل کرتا ہے۔ اور خصوصاً ایسے اوقات میں کہ اہل قریہ بالکل غافل ہو جاتے ہیں۔

گالیوں کا پلندہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بالمشافہ زبانی گندے حملے ہی نہ ہوتے تھے۔ اور آپ کی جان پر اس طرح کے بازاری حملوں پر ہی اکتفا نہ کیا جاتا تھا۔ آپ کے قتل کے فتووں اور منصوبوں پر پھر اس کے لئے کوششوں کو ہی کافی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اخبارات اور خطوط میں بھی گالیوں کی بوچھاڑ کی جاتی تھی۔ اور پھر اسی پر بس نہیں ایسے خطوط عموماً بیرنگ آپ کو بھیج دیئے جاتے تھے۔ خدا کا برگزیدہ ان خطوط کو ڈاک کا محصول اپنی گرہ سے ادا کر کے لیتا تھا۔ اور جب کھولتا تھا۔ تو ان میں اول سے لیکر آخر تک گندی اور فحش گالیوں کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ آپ ان پر سے گذر جاتے۔ اور ان شریروں اور شوخ چشموں کے لئے دعا کر کے ان کے خطوط ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ان ایام میں اپنی مخالفت میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ اور اس نے اپنی گالیوں پر اکتفا نہ کر کے سعد اللہ لودہانوی جعفر زٹلی اور بعض دوسرے بے باک آدمیوں کو اپنا رفیق اور معاون بنا رکھا تھا۔ وہ ہر قسم کی اہانت کرتے مگر خدا کے برگزیدہ کو اس کا شیریں کلام اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ تسلی دیتا اور کامل صبر سے ان گندی تحریروں پر سے گزر جاتے۔

ایک مرتبہ ۱۸۹۸ء میں مولوی محمد حسین صاحب نے اپنا ایک گالیوں کا بھرا ہوا رسالہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور بھیجا میں نے ۲۷ جولائی ۱۸۹۸ء کے الحکم میں اس کیفیت کو درج کر دیا ہے۔ اور آج قریباً تیس سال ہوئے جب اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوصلہ ضبط نفس اور توجہ الی اللہ پر غور کرتے

ہوئے پڑھتا ہوں۔ تو میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل جاتے ہیں۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے کیا جانئے ہمیں کیا یاد آیا

یہ ۲۵ جولائی ۱۸۹۸ء کا واقعہ ہے۔ جب کہ ایک شخص محمد ولد چوغطہ قوم اعوان ساکن ہموں گکھڑ ضلع سیالکوٹ نے مولوی صاحب کا رسالہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور پیش کیا۔ جسے مولوی محمد حسین صاحب نے بھیجا تھا۔ آپ نے وہ رسالہ لانے والے قاصد کو اس پر ایک فقرہ لکھ کر واپس کر دیا اور وہی اس کا جواب تھا۔ جواب مذکور حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے حاضرین کو پڑھ کر سنایا۔ اور سب نے آمین کہی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب یہ تھا۔

رَبِّ اِنْ کَانَ ھٰذَا الرَّجُلُ صَادِقًا فِیْ قَوْلِہٖ فَاَکْرِمْہُ
وَاِنْ کَانَ کَاذِبًا فَخُذْہُ آمین۔

یعنی اے میرے رب اگر یہ شخص اپنے اس قول میں (جو اس نے کتاب میں لکھا ہے) سچا ہے۔ تو تو اس کو معزز و مکرم بنادے۔ اور اگر جھوٹا ہے۔ تو پھر آپ ہی اس سے مواخذہ کر اور اس جھوٹ کے لئے اسے پکڑ۔ آمین۔

اس کے بعد اس کا کیا حشر ہوا۔ دنیا جانتی ہے۔ یہاں اسے بیان کرنے کا محل اور موقع نہیں وہ عاقبتہ المکذبین میں بیان ہو گا۔ (انشاء اللہ العزیز) لیکن جس غرض کے لئے یہاں میں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ وہ اسی قدر ہے کہ ان گالیوں کا اثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اسی قدر تھا کہ آپ نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی اپنے قلم سے کسی قسم کے غصہ اور شدت غضب کا اظہار نہیں کیا۔ ورنہ اگر حضور کچھ بھی نہ کہتے۔ تو آپ کے خدام بھی اس کی گالیوں کا جواب دے سکتے تھے۔ اور عطائے او بہ لقائے او آسان تھا۔ غرض آپ کی زندگی کے جس واقعہ کو آپ دیکھیں جہاں دشمنوں نے آپ پر کسی قسم کا حملہ کیا ہو۔ آپ نے اس کے جواب میں پورے حلم اور حوصلہ

اور صبر و تحمل کا اظہار کیا ہے۔ آپ کے سکون خاطر اور کوہ وقاری کو کوئی چیز جنبش نہ دے سکتی تھی۔ اور یہ ثبوت تھا اس امر کا کہ خدا تعالیٰ کی وحی جو آپ پر ان الفاظ میں نازل ہوئی تھی۔

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ

فی الحقیقت خدا کی طرف سے تھی۔ اور اسی خدا نے وہ خارق عادت اور فوق الفطرت صبر اور حوصلہ آپ کو عطا فرمایا تھا۔ جو الوالعزم رسولوں کو دیا جاتا ہے۔ قبل از وقت خدا تعالیٰ نے متعدد فتنوں کی آپ کو اطلاع دی تھی۔ اور وہ فتنے اپنے اپنے وقت پر پوری شدت اور قوت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ مگر کسی موقعہ اور مرحلہ پر آپ کے پائے ثبات کو جنبش نہ ہوئی۔

پنڈت لیکھرام کے قتل پر تلاشی

پنڈت لیکھرام آریہ مقتول اسلام پر شوخی اور گستاخی سے حملے کرنے کا عادی تھا اور اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اپنی ذات کے متعلق نشان طلب کیا۔ یہ واقعات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد کتابوں' اشتہاروں میں تحریر فرمائے ہیں۔ اور دوست دشمن ان سے واقف ہیں۔ خدا تعالیٰ کے زبردست ہاتھ کی تجلی پر غور کرو۔ کہ اس نے خود آریوں کے ہاتھ سے اس کی یادگار کو قائم کرا کر اس نشان کو زندہ رہنے دیا ہے۔ اور یقین ہے کہ یہ نشان اب انمٹ ہو چکا ہے۔ اس کے قتل کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سازش پر محمول کیا گیا۔ اور آریوں نے شور مچایا۔ کامل تفتیش اور تحقیق سے یہ الزام بالکل بے بنیاد ثابت ہوا۔ اس قتل کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تلاشی ہوئی۔ اور یہ تلاشی بھی خدا تعالیٰ کی وحی سے کی ہوئی پیشگوئی مندرجہ براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۶' ۵۵۷ ہوئی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق خود ایک اعلان ۱۱ اپریل ۱۸۹۷ء کو شائع کیا تھا۔ میں اس کا یہاں آخری حصہ درج کرتا ہوں۔ اور یہی حصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے اس مقام کے متعلق

ہے۔

"اب ہم ایک بڑی حکمت اس خانہ تلاشی کی لکھتے ہیں۔ جس کے تصور سے ہمیں اس قدر خوشی ہے کہ ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ جس دن خانہ تلاشی ہونے والی تھی۔ یعنی ۸ / اپریل روز پنج شنبہ اس دن افسران پولیس کے آنے سے چند منٹ پہلے میں اپنے رسالہ سراج منیر کی ایک کاپی پڑھ رہا تھا۔ اوراس میں براہین احمدیہ کے حوالہ سے یہ مضمون تھا کہ خدا تعالیٰ نے جو اپنے کلام میں میرا نام عیسیٰ رکھا ہے۔ تو ایک وجہ مشابہت وہ ابتلاء ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کو پیش آیا تھا یعنی یہود کی قوم نے اپنی کوششوں سے اور نیز گورنمنٹ رومیہ کو دھوکا دینے سے چاہا کہ حضرت عیسیٰ کو صلیب دی جائے۔ اس عبارت کے پڑھنے کے وقت مجھے یہ خیال آیا کہ حضرت مسیح کے دشمنوں نے دو پہلو اختیار کئے تھے۔ ایک یہ کہ اپنی طرف سے ایذا رسانی کی کوششیں کیں اور دوسرے یہ کہ گورنمنٹ کے ذریعہ سے بھی تکلیف دی۔ مگر میرے معاملہ میں تو اب تک صرف ایک پہلو ہے۔ یعنی صرف آریوں کی کوششیں اور اخباروں اور خطوط کے ذریعہ سے ان کی بدگوئی۔ اس وقت معاً میرے دل نے خواہش کی کہ کیا اچھا ہو تا کہ گورنمنٹ کی دست اندازی کا پہلو بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ تا وہ پیشگوئی جو لیکھرام کی نسبت اس کی موت سے سترہ برس پہلے لکھی گئی ہے۔ اپنے دونوں پہلوؤں کے ساتھ پوری ہو جاتی۔ سو ابھی میں اس سوچ میں تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ بہادر پولیس مسجد میں ہیں تب میں بڑی خوشی سے گیا۔ اور صاحب بہادر نے مجھے کہا کہ "مجھے حکم آگیا ہے کہ قتل کے مقدمہ میں آپ کے گھر کی تلاشی کروں"۔ تلاشی کا نام سن کر مجھے اس قدر خوشی ہوئی جیسے اس ملزم کو ہو سکتی ہے جس کو کہا جائے کہ تیرے گھر کی تلاشی نہیں ہوگی۔ تب میں نے

کہاکہ آپ اطمینان کے ساتھ تلاشی کریں۔ اور میں مدد دینے میں آپ
کے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد میں ان کو مع دوسرے افسروں کے اپنے
مکان میں لے آیا اور اول مردانہ مکان میں پھر زنانہ مکان میں تمام بستہ
جات انہوں نے دیکھ لئے۔ اور مہمان خانہ و مطبع وغیرہ مکانات سب کے
سب دکھلا دئے گئے۔ غرض صاحب موصوف نے عمدہ طور پر اپنے فرض
منصبی کو ادا کیا۔ اور بہت سا حصہ وقت کا خرچ کرکے اور خدا کی پیشگوئی کو
اپنے ہاتھوں سے پوری کرکے آخر آٹھ بجے رات کے قریب واپس چلے
گئے۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر ہمیں اس کی نہایت خوشی ہوئی کہ اس روز
براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۵۶ '۵۵۷ کی پیشگوئی کامل طور پر پوری ہو گئی۔
اور جیساکہ لکھا تھا چمک دار نشان کے لوازم ظہور میں آگئے۔

المشتہر خاکسار میرزا غلام احمد قادیانی ۱۱/اپریل ۱۸۹۷ء"

(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۳۸۳-۳۸۴)

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

جلد چہارم

مصنّفہ

حضرت شیخ یعقوب علی رضؓ صاحب عرفانی کبیر

باوجود کوشش کے ابھی تک نہیں ملی اِس لئے اِس کتاب

میں شامل نہیں